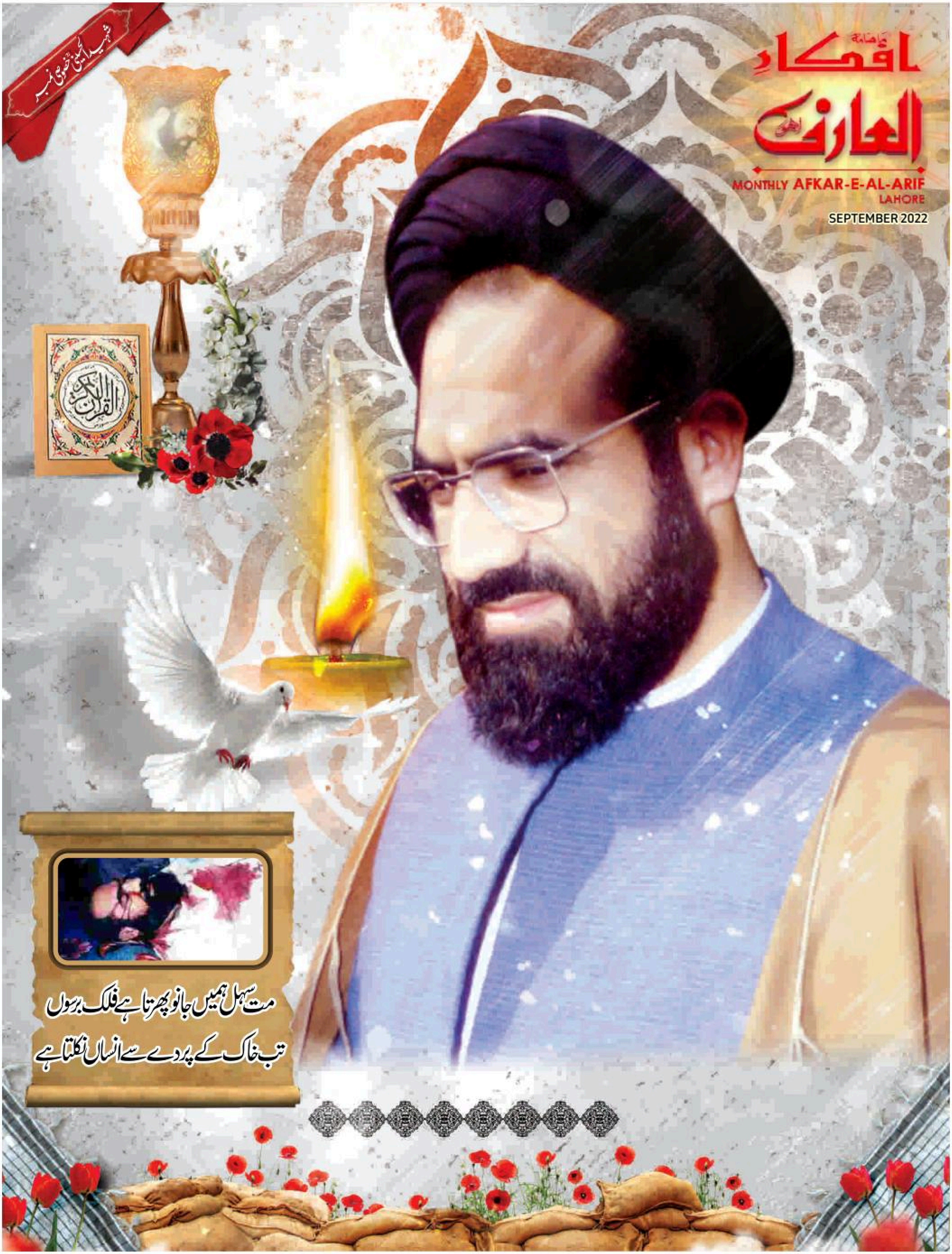

شہید الحسینیؒ خصوصی نمبر
ماہنامہ
افکارِ
العارف
لاہور
MONTHLY AFKAR-E-AL-ARIF
LAHORE
SEPTEMBER 2022
مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انساں نکلتا ہے

ماہنامہ افکار العارف لاہور
AFKAR-E-AL-ARIF MONTHLY LHR

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا

(حضرت علیؑ)

ستمبر 2022ء | جلد نمبر 14 | شمارہ نمبر:09

ڈیکلریشن نمبر: PCPB-495 رجسٹرڈ نمبر: CPL-60

دامنِ العارف میں

اداریہ مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں	ادارہ	2
5 اگست ملت کی یتیمی کا دن	ادارہ	4
انفرادی و اجتماعی زندگی میں عقل و شعور کی اہمیت	سید میرزا الحسن موسوی	5
میں اپنے عزیز بیٹے سے محروم ہوا ہوں	امام خمینیؒ	13
شہید بزبان شہید	ڈاکٹر محمد علی نقوی	15
علامہ عارف الحسینی و امام خمینی	امتیاز علی رضوی	17
شہید حسینی کی فکر و خدمت سے ISO کی وابستگی	ڈاکٹر راشد عباس سید	23
دوراہے انتخاب یا انقلاب	انٹرویو شہید	26
قائد شہید اخلاق و کردار	سید جواد ہادی	34
دورہ برطانیہ شہید قائد	ڈاکٹر عابد علی شاہ	39
شہید قائد سیاسی افکار و اقدامات	سید ثاقب اکبر	41
کچھ یادیں، کچھ باتیں	اسد رضا بخاری	45
سانحہ کوئٹہ، شہید کی تفصیلی پریس کانفرنس	ادارہ	47
شہید قائد مکتب ولایت کے عظیم داعی	علامہ راجہ ناصر عباس جعفری	52
کربلائے پاکستان کا حسین سید عارف حسین	تسلیم رضا خان	58
شہید قائد اور آئی ایس او	سید نثار علی ترمذی	58
مرکزی کنونشن پر شہید کا خصوصی پیغام	ادارہ	62
شہید عارف الحسینی، خاندانی صفات	سید احمد حسین الحسینی	63
قائد شہید بارے عالمی شخصیات کا اظہار خیال	ادارہ	65
قائد محبوب کی شہادت کے اسباب کا اجمالی جائزہ	علی وجدان	72
گوہر نایاب، شہید عارف حسین الحسینی	ارشاد حسین ناصر	74
شہید قائد سے یادگار ملاقاتیں	مولانا حر شبیری	79
حقیقت حال، تفصیلی انٹرویو رضاکار	ابوالانتصار	81
علامہ عارف الحسینی کا راستہ	محمد رضائی	90
قیادت از نظر شہید حسینی	ڈاکٹر راشد عباس سید	93
وہ جن سے ملاقات رہی	ادارہ	99
قتیل سحر منظوم خراج عقیدت	ادارہ	106
شہید علامہ عارف الحسینی ایک سیاسی رہنما	سید منیر حسین گیلانی	108

مینجنگ ایڈیٹر صابر علی

ایڈیٹر ارشاد حسین ناصر

خاتون ایڈیٹر خواہر عظمیٰ شیرازی

لیگل ایڈوائزر سید عون سجاد ایڈووکیٹ

مجلس ادارت

- ڈاکٹر راشد عباس سید
- ناصر عباس شیرازی
- سید نثار علی ترمذی
- اظہر حسن کرڑ
- شیخ سلمان رضا
- ایم حیدر
- یافث نوید ہاشمی

ڈیزائننگ: حسن نصر اللہ

ادارے کا مراسلہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

بیرون ملک نمائندگان

لبنان: علی اکبر | کویت: ذوالفقار مطہری
تہران: سید اصغر کاظمی | قم المقدس: سید محمد ترمذی
امریکہ: سجاد بلوچ | برطانیہ: چوہدری امین طاہر

قیمت خصوصی شمارہ 225 روپے زر اشتراک بیرون از ملک
زر سالانہ 750 روپے بھارت، ایران، سعودی عرب، ابوظہبی، کویت، امریکہ، لبنان، یوکے 25 ڈالرز

Afkaralarif@gmail.com

پبلشر ارشاد حسین نے بینکوئٹ پریس لاہور سے چھپوا کر 5۔ مسلم ٹاؤن موڑ وحدت روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

برائے رابطہ: ماہنامہ افکار العارف المصطفیٰ ہاؤس 5۔ مسلم ٹاؤن موڑ وحدت روڈ لاہور فون
0423-5912650
0333-4424817

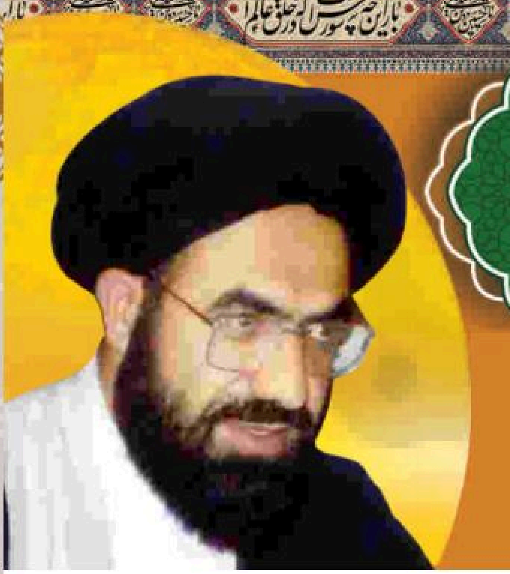

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

ادارایہ

ہم کل بھی سردار صداقت کے امین تھے ہم آج بھی انکار حقیقت نہ کریں گے

افکار العارف "شہید قائد کے نام سے منسوب ملت کا ترجمان مجلہ ہے۔قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی کی چونتیسویں برسی کی مناسبت سے مجلس ادارت کے معزز اراکین کے ساتھ ہم آہنگی کرتے ہوئے دو ماہ پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس مرتبہ برسی کے موقعہ پر ؛شہید الحسینی خصوصی نمبر شائع کریں گے جو کم از کم سو صفحات کا ہوگا مگر اس ضخامت میں اضافے کی گنجائش ذہن میں تھی مگر وسائل وامکانات کے ساتھ۔چوں کہ اگست میں شہید کی برسی ہوتی ہے اور اس مرتبہ اگست میں محرم الحرام تھا جس کو نظر انداز کرنا بھی ممکن نہیں تھا لہذا یہی سوچا کہ محرم الحرام کے شمارے کو پی ڈی ایف یعنی سافٹ کاپی کے طور پہ نشر کر دیا جائے اور شہید الحسینی نمبر کو شائع کر کے ایک یادگار بہترین مواد پر مشتمل خصوصی نمبر شائع کیا جائے۔اس پہ کام شروع کیا گیا۔شہید کے آثار جمع کرنے، محفوظ کرنے اور نشر کرنے کی ذمہ داری چونکہ العارف اکیڈمی نے سنبھال رکھی ہے، ہماری طرف سے ان کے ساتھ ممکنہ تعاون کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے لہذا سب سے پہلا ذریعہ العارف اکیڈمی ہی تھی جس کے پاس سینکڑوں لوگوں کے انٹرویوز، شہید کے بیانات، پریس کانفرنسز، خطابات، دروس، تقاریر، تنظیمی اجلاسوں کی رپورٹس، مجلوں و اخبارات میں چھپنے والے شہید کے انٹرویوز، آڈیوز، ویڈیوز، فوٹو کاپیز موجود ہیں لہذا اکیڈمی کے ریکارڈ سے استفادہ کیا گیا، الحمدللہ بہت سا مواد اکیڈمی کے ریکارڈ سے مل گیا، اس کے بعد مختلف ملکی و عالمی شخصیات سے روابط کا سلسلہ تھا کہ ان سے شہید کے بارے مضامین لکھوائے جائیں، تاثرات ریکارڈ کیئے جائیں اور انہیں نشر کیا جائے ، ؛شہید الحسینی خصوصی نمبر؛ کا مواد جمع کرنے کے لئے ہم نے روابط شروع کیئے، مختلف شخصیات سے مضامین لکھنے کو گذارشات کی گئیں، الحمدللہ چند احباب کے تعاون و رہنمائی سے ہم نے ڈیڑھ سو صفحات تک کا مواد جمع کیا، اگر اس تمام مواد کو شائع کرنا چاہتے اس کے لئے وسائل کا ایشو درپیش تھا چنانچہ ہم نے اسے کسی حد تک محدود بنایا ہے، اگرچہ مجلہ تیار ہو چکا ہے مگر چھپائی کے مرحلے کے لئے اس وقت تک مطلوبہ وسائل نا ہونے کے برابر ہیں، مگر چونکہ شہید بزرگ کا کام ہے اور یہ وہ کام ہے جس کی تاکید امام راحل امام خمینی رح نے کی تھی کہ ؛شہید راہ حق علامہ عارف الحسینی ؛ کے افکار کو زندہ رکھیں، اس لیے یقین ہے کہ یہ چھپ جائے گا اور عاشقان شہید کو شہید کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے آگاہی اور نایاب تحریروں اور معلومات سے فیض یاب بھی کرے گا۔العارف اور افکار العارف کا یہ پہلا شمارہ ہے جو مکمل ایک ہی ایشو پہ مشتمل ہے، مکمل ایک شخصیت کے عنوان سے پاکستان بھر سے اہم لوگوں اور شخصیات کے مضامین، شہید کے منتخب آثار، جو اس سے قبل شائع بھی نہیں ہوئے ، یا ایسے آثار جو شہید کی زندگی میں پینتیس برس پہلے شائع ہوئے مگر اس کے بعد لوگوں تک نہیں پہنچے، فائلوں میں گم ہو گئے، ان کے ضائع ہونے کا بھی اندیشہ تھا، لہذا یہ بہت ہی اہم مواد ہے جو آپ قارئین تک

پہنچایا گیا ہے۔ شہید قائد علامہ عارف حسین الحسینی ایسی ہستی کا نام ہے جن کے بارے آپ کام کریں، ان کے بارے پڑھیں، ان کی زندگی کے واقعات کسی سے سنیں، کسی کے تاثرات ریکارڈ کریں، کسی ایسے شخص سے ملیں جس کو شہید کی قربت ملی ہو آپ گھنٹوں بیٹھے رہیں آپ کی دلچسپی بڑھتی جائے گی، آپ کی حیرت میں اضافہ ہوتا جائے گا، آپ سوچیں گے کہ ایسے لوگ آج کہاں ہیں، کوئی تو ہمیں بھی ایسا مل جائے جس کی خوشبو سے معطر ہو سکیں، کوئی اخلاق و کردار کا وہ نمونہ پیش کرے جس کی صحبت سے روحانی فیوض حاصل کیئے جا سکیں، مگر فی زمانہ ایسا کچھ نہیں ملے گا، ممکن ہے آپ کو مایوسی ہو، ممکن ہے آپ یہ سوچیں کہ وہ کتنے خوش قسمت لوگ تھے جنہیں شہید کے پاس بیٹھنے، انہیں سننے، انہیں دیکھنے، ان کی دست بوسی کی سعادت حاصل تھی۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

امام خمینی رضوان اللہ تعالی نے شہید حسینی کو فرزند راستین سید الشھد ابھی کہا اور اس سے بڑھ کے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ایک مکتب فکر اور ایک آئین میں دو متضاد انداز فکر کا وجود ممکن نہیں یہ وضاحت ایک اہم فریضہ ہے اور اگر یہ کام دینی مدارس کے ذریعے کیا گیا ہوتا تو قوی امکان تھا کہ ہمارے عزیز سید عارف حسین الحسینی آج ہمارے درمیان ہوتے۔“ امام خمینی کے تعزیتی پیغام میں یہ ایک دردناک بات اور اہم ترین نکتہ ہے جسے بہت کم ذکر کیا گیا ہے، اس کی تشریح کرنے میں شاید ان سب کو جو دینی طرز تفکر کے حامل شخصیات یا تنظیمیں ہیں کو اپنا چہرہ دکھائی دیتا تھا اسی وجہ سے شاید اس اہم نکتہ پہ بات نہیں کی گئی، کسی نے اسے پاکستانیوں کے خلاف ایک ایف آئی آر سے تشبیہ دی ہے چونکہ اس جملہ میں دینی مدارس کی غفلت کو اس قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ ممکن ہے کوئی اس جملہ کو کسی دوسرے گروہ، تنظیم یا ادارے سے امام خمینی کے اس جملے کو منسوب کر کے خود کو بچانے کی کوشش بھی کرے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ امام خمینی نے کسی ایک دینی ادارے یا مخصوص فرد یا مخصوص گروہ کو اس قتل کا ذمہ دار نہیں ٹھرایا بلکہ دینی مدارس سے مراد شاید ایک طبقہ فکر یا طرز فکر ہے ہر وہ شخص جو دین سے منسلک اور اپنے آپ کو دینی طرز فکر سے وابستہ سمجھتا ہے اگر اس نے شہید حسینی اور ان کے افکار و نظریات کے حوالے سے اپنا فریضہ ادا نہیں کیا تو وہ امام خمینی کا مخاطب ہے۔ اس میں دینی مدارس کے اساتذہ، طلباء، مذہبی جماعتیں قومی تنظیمیں اور دین شناس و دین پر عمل کرنے والے تمام افراد شامل ہیں۔ دین اسلام کی طرف رغبت رکھنے والے دین و مذہب کے سائے میں سرگرم عمل تمام افراد اس قتل کے ذمہ دار ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ ایک خوف ناک منظر ہے یقینی طور پہ کوئی بھی اس خون ناحق میں اپنے ہاتھوں کو رنگا ہوئے دیکھے تو اس کے لئے یہ منظر قابل قبول نہیں ہو گا۔ لہذا آج بھی جو شخصیات، تنظیمیں، جماعتیں، ادارے اور دینی بنیادوں پہ سرگرم عمل حضرات کو چاہیئے کہ اس غفلت کا جبران کریں جو ماضی میں ہوئی ہے، اس کوتاہی کا ازالہ کریں جوان سے یا ان سے پہلے لوگوں سے ہوئی ہے سب کو چاہیے کہ شہید الحسینی کے افکار، آثار پہ کام کریں، انہیں اگلی نسلوں کو منتقل کرنے، ان پہ عمل پیرا ہونے اور ان سے مستفید ہو کے قومی و اجتماعی زندگی کی راہوں پر گامزن ہوں۔ شہید قائد کی صرف ساڑھے چار سالہ قومی قیادت کے دورانیے پہ ہی بہت سے کام ہیں جن کو ہونا چاہیئے، ان کی شہادت اور قتل کیس پہ بھی بہت سا کام ہونے کی ضرورت ہے، اور ان غفلتوں کا حساب اور احتساب بھی ہونا چاہیئے تھا جو مختلف اطراف سے سامنے آتی رہی ہیں، ممکن ہے کسی کو یہ بات بری لگے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اس میں بہت سے لوگوں کی غفلت چاہے اس کی کوئی بھی وجہ ہو، ہوتی آئی ہے جس کا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے، البتہ ہمیں یقین ہے کہ جس طرح قاتل بے نقاب ہوئے اور اپنے انجام سے دوچار ہوئے اسی طرح کوئی کسی بھی لبادے میں ہو، اس کا نقاب الٹے گا جس ہستی کے خون نے اس ملک پہ مسلط گیارہ سالہ بدترین آمریت کو دفن کر کے راکھ کر دیا تھا اور قاتل اپنے انجام سے دوچار ہوئے تھے اس کے خلاف سازش کرنے والے کبھی بھی سکون نہیں پا سکتے۔

قارئین محترم! عاشقان شہید الحسینی سے گذارش ہے کہ اس مجلہ جو خصوصی شمارہ ہے، اس پہ کافی محنت ہوئی ہے، اسے اپنی ذاتی لائبریری کا لازمی حصہ بنائیں، اسے بہترین امپورٹڈ کاغذ اور خوبصورت ٹائٹل کیساتھ شائع کیا گیا ہے، یہ افکار شہید اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

علامہ عارف حسین الحسینی شہید کر دیئے گئے

علامہ سید عارف حسین الحسینی شہید کر دیئے گئے

شدید زخمی حالت میں ہسپتال لے جاتے ہوئے راستے میں دم توڑ گئے قاتل فرار گورنر سرحد نے تمام مصروفیات ترک کر دیں

علامہ عارف حسینی شہید کر دیئے گئے

مولانا عارف حسین الحسینی پشاور میں شہید کر دیئے گئے

5 اگست 1988
ملت کی یتیمی کا دن

انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عقل و شعور کی اہمیت

بحوالہ شہید عارف الحسینیؒ

سید میزالحسن موسوی (نور الهدیٰ مرکز تحقیقات اسلام آباد)

دین اسلام بالخصوص مذہب اہل بیت علیہم السلام میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عقل و شعور کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ دین اسلام کی تمام تعلیمات میں خواہ وہ قرآنی آیات ہو یا احادیث معصومینؑ عقل و شعور کی اہمیت اور عاقل و باشعور افراد کی فضیلت ذکر ہوئی ہے۔ قرآن کی ایک آیت میں آیا ہے:

" فَبَشِّرْ عِبادِ الَّذینَ یَسْتَمِعونَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعونَ أَحْسَنَهُ أُولئِكَ الَّذینَ هَداهُمُ اللهُ وَ أُولئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبابِ"۔

لہذا پیغمبرؐ آپ میرے بندوں کو بشارت دے دیجئے جو باتوں کو سنتے ہیں اور جو بات اچھی ہوتی ہے اس کا اتباع کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو صاحبانِ عقل ہیں۔ (سورۂ زمر، آیت ۱۷، ۱۸)

قرآن مجید کے مطابق عاقل و باشعور لوگوں کی سب سے بڑی خصوصیت دوسروں کی بات کو سننا اور پھر اُس میں سے جو اچھی بات ہو اُسے مان کر اس پر عمل کرنا ہے۔ عقل و شعور سے خالی معاشروں میں کوئی کسی کی بات نہیں سنتا بلکہ اپنی ہی سنانے کی سعی کرتا ہے۔ ایسا فرد ہو یا معاشرہ، وہ عاقل و باشعور نہیں ہے۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی عقل کی فضیلت میں آیا ہے:

" یا عَلیُ اَلْعَقْلُ مَا اکْتُسِبَتْ بِهِ الْجَنَّةُ وَ طُلِبَ بِهِ رِضَی الرَّحْمنِ۔

یعنی اے علیؑ! یہ عقل ہی ہے جس کے ذریعے جنت اور اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

(من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۳۶۹، ح ۵۷۶۲)

پس عقل و شعور کے بغیر انسان کی انفرادی زندگی بھی مشکلات کا شکار ہوتی ہے اور اجتماعی و سیاسی زندگی میں بھی مشکلات ہی مشکلات ہوتی ہیں اور ایسے لوگ سیاسی و اجتماعی زوال کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے معاشروں میں اصلاحی کام بہت مشکل ہوتا ہے اور اگر کسی اجتماعی رہبر و رہنما کو ایسے لوگوں اور معاشرے کی رہبری و رہنمائی سونپ دی جائے تو وہ سب سے پہلے اپنے معاشرے کے عقل و شعور کو بلند کرنے کی سعی کرتا ہے۔ چونکہ جب تک معاشرے کی عقلی و شعوری سطح بلند نہیں ہوگی اُس کی رہنمائی اور قیادت ناممکن ہوگی اور اُسے دوست و دشمن کی شناخت کرانا مشکل ہوگا۔ جب قوم دوست و دشمن کو نہیں پہچانے گی، اُسے ظلم و ستم کے خلاف متحرک کرنا مشکل ہوگا۔ اور جو رہبر و قائد معاشرے کو ظلم و ستم کے خلاف قیام کرنے کا شعور نہ دے سکے اُس کی قیادت و رہبری یا تو ناکام ہوجائے گی یا وہ اپنے اس عقلی مقصد کی خاطر جان قربان کردے گا۔

مذکورہ تمہید کے بعد قائد شہید مولانا سید عارف حسین الحسینیؒ جیسے رہبر و قائد

نے جب ۱۹۸۴ء میں شیعیان پاکستان کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالی کی تو انہیں ایک جذباتی، احساساتی قوم کا سامنا کرنا پڑا جس کی اکثریت میں عقل وشعور کا فقدان تھا اور دوست و دشمن کی شناخت نہیں تھی۔ شہید نے اپنی قیادت کے ابتدائی زمانے سے ہی قوم کی یہ مشکل محسوس کر لی تھی۔ لہٰذا اُنھوں نے اہل بیت اطہار علیہم السلام اور قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی قوم میں عقل وشعور کے چراغ روشن کرنے شروع کر دیے اور پاکستان کے شہر شہر وقریہ قریہ میں جاکر لوگوں کی عقل وشعور کو بیدار کرنے والے خطابات کئے اور اہل بیت اطہارؑ کی احادیث وفرامین کی روشنی میں عوام کو عقل وشعور عطا کرنے کی کوشش کی اور اسی مقصد وہدف کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دی۔

شہید قائد کی چار سالہ قیادت کے دوران اُن کو بعض بے شعور اور عقل سے خالی عوام کی طرف سے غیر عاقلانہ اور دینی واجتماعی شعور سے عاری سوالات کا جواب دینا پڑتا تھا اور وہ پورے حوصلے کے ساتھ قرآن وسیرت معصومینؑ کی روشنی میں لوگوں کے انتہائی لایعنی سوالات واعتراضات کا جواب دیتے اور اُنہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ شہید قائد کی الٰہی اور باتقویٰ شخصیت کی وجہ سے بعض لوگ بے شعوری وبے عقلی کا راستہ چھوڑ کر پاکستان میں شیعوں کی سیاسی مشکلات کا ادراک کرنے لگے تھے۔ لیکن بعض افراد نے آخر دم تک شہید کے خلاف بے شعوری کا طوفان برپا کیے رکھا اور آخر کار بعض کو شہید کی شہادت نے عقل وشعور عطا کیا۔

اس تحریر میں شہید کے بیانات سے استفادہ کرتے ہوئے فردی واجتماعی عقل وشعور کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں کچھ اہم مطالب پیش کیے جاتے ہیں۔ یہاں شہید قائد کے جو بیانات نقل کئے جائیں گے اُن کی افادیت آج ۳۳ سال بعد بھی اُسی طرح قائم جس طرح شہید کی زندگی میں قائم تھی۔ چونکہ شہید کے تمام بیانات قرآن اور فرامین معصومین علیہم السلام سے ماخوذ ہوتے تھے لہٰذا اُن کی طراوت اور اہمیت آج بھی باقی ہے۔ شہید قائد نے ان بیانات میں قرآن اور سیرت معصومینؑ سے انتہائی سادہ مثالیں ذکر کر کے عقل وشعور کی اہمیت کو اُجاگر کیا ہے۔ ہم موجودہ حالات میں بھی ان بیانات کی اہمیت اور افادیت کو اُسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ۳۳ سال پہلے محسوس کی جاتی تھی۔

شعور کی اہمیت اور برکت

فرد ہو یا معاشرہ اس میں شعور کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ چونکہ آج انسان نے جتنی بھی ترقی کی ہے یہ اس کے عقل مند ہونے کی دلیل ہے اور اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انسان اپنی مادی زندگی میں عقل ہی کی کشتی پر سوار ہو کر اپنا مادی سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شہید اپنے ایک خطاب میں کہتے ہیں:

ایک بات سے کسی کو انکار نہیں کہ اس دور کے انسان نے مادیات میں حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ انسان جو کل دریاؤں اور سمندروں کی لہروں سے خوف زدہ ہو کر دریاؤں کے کنارے اپنی بیٹیوں کو لا کر دریا میں ڈالتا تھا آج وہ انسان سمندر اور دریاؤں کی گہرائی میں جا کر وہاں سے پٹرول نکال رہا ہے۔ یہ انسان جو کل سورج اور چاند کی پرستش کرتا تھا آج اس نے چاند پر قدم رکھا ہے اور دیگر سیاروں پر اپنا پرچم لہرانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ یہی انسان جو کل کچھ بھی نہیں سمجھتا تھا غاروں میں زندگی بسر کرتا تھا لیکن آج انسان نے ٹیکنالوجی میں عجیب وغریب ترقی کی ہے، فضاؤں پر اس کی حکومت ہے لیکن (یہ) ترقی اس کو کہاں سے نصیب ہوئی؟ عقل اور شعور کی برکت سے! اگر عقل اور شعور انسان کے پاس نہ ہوتا تو یہ حیرت انگیز کامیابیاں حاصل نہ کرتا۔ "(گفتار صدق، ص ۸۵)

عقل کے استعمال میں مادی رجحان

لیکن آج کا انسان عقل کے استعمال میں مادی رجحان رکھنے کی وجہ سے عقل کی جامعیت سے کماحقہ فائدہ نہیں اُٹھا سکا۔ چونکہ وہ عقل جو انسان کی مادیت کو ترقی دے سکتی ہے وہی عقل انسان کی معنوی ترقی میں بھی بہترین رہنما ثابت ہو سکتی ہے۔ جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے اور ہر معاشرے میں عقل باطنی کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے اور اس کی مدد کے لیے عقل خارجی کو بھیجا ہے کہ جسے دین کی زبان میں نبی اور رسول کہا

جاتا ہے۔ لیکن عقل و شعور کو درست استعمال نہ کرنے کی وجہ سے انسان اس کی جامعیت سے مکمل فائدہ نہیں اُٹھا سکا۔ جس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے شہید قائد کہتے ہیں:

''عقل کو استعمال کر کے انسان نے مادیات اور طبیعت کو مسخر بنایا لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انسان نے اس عقل کو معنویات کے لیے استعمال نہیں کیا ہم مغربی معاشرے کی بات نہیں کریں گے ہم خدا کے منکر معاشرے کمیونسٹی دنیا کی بات بھی نہیں کریں گے۔ ہم اسلامی ممالک کی بات کریں گے کہ مسلمانوں نے بھی دین کی معنویات میں عقل سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ بجائے اس کہ یہ انسان یہ خدا پرست انسان اور یہ مسلمان انسان اپنی خواہشات کو عقل کا تابع بنا کر اپنے آپ کو خوار و ذلیل کر کے حیوانات سے بھی پست کر دیا۔ عقل نہ صرف مادی دنیا میں ہماری رہنماء ہے بلکہ معنوی وروحانی دنیا میں بھی ہماری رہنماء ہے۔ یہ عقل احادیث کی رو سے رسول باطنی ہے۔ اسی عقل کی مدد اور تعاون کے لیے خدا نے شریعت کو قرار دیا تا کہ یہ عقل اپنے حریف اور دشمن جو کہ نفس امارہ ہے یا بیرونی دوسرے عوامل ہیں ان کے مقابلے میں تنہا نہ رہ جائے خدائے غفور رحیم وکریم نے اس عقل کی مدد کے لیے شریعت مقدسہ بھیج دی تا کہ یہ شریعت عقل کی مددگار رہے۔ عقل کے لیے ایک معاون رہے لیکن عقل کو خواہشات نفسانی کا تابع قرار دے کر معنوی دنیا میں ہم روز بروز تنزل کرتے جارہے ہیں۔ ''(گفتار صدق، ص ۸۶)

عقل کی فضیلت

قائد شہیدؒ عقل کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث ذکر کرتے ہیں:

'' اسلام میں یہ چیزیں اہمیت کی حامل ہیں۔ یہ حدیث خصال شیخ صدوق میں ہے کہ حضرت آدمؑ کو خلق کیا گیا تو خدا کی طرف سے حضرت جبرائیلؑ کو مامور کیا گیا کہ ان تین چیزوں کو لے کر حضرت آدمؑ کے پاس لے جاؤ۔ عقل، دین اور حیاء ان تین کو ان کے سامنے پیش کرو اور ان سے کہہ دو انہیں تینوں میں سے جو ایک پسند ہے وہ لے لیں تو حضرت آدمؑ نے عقل کو انتخاب کیا تو جبرائیلؑ نے دین اور حیاء کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم دونوں واپس جاؤ اور اپنا کام کروان دونوں نے کہا کہ ہم مامور ہیں جہاں پہ عقل ہوگی ہم وہاں ہوں گی جہاں عقل ہوگی وہ وہاں دین بھی ہوگا اور حیاء بھی ہوگی۔''(گفتار صدق، ص ۹۱)

پس عقل کی فضیلت اُسی وقت ہے کہ جب ہم اس سے کماحقہ فائدہ حاصل کرسکیں اور اس سے کماحقہ فائدہ اُسی وقت ہے کہ جب عقل و شعور ہماری زندگی کے مادی اور معنوی دونوں پہلوؤں میں کارفرما ہو۔ اگر ہم عقل سے فقط مادی زندگی کو سنوارنے کی سعی کریں اور دینی و معنوی پہلو میں عقل کو استعمال میں نہ لائیں تو عقل ہمارے لیے فائدہ مند ثابت نہیں ہوسکتی۔ عقل اُسی وقت ہمارے لیے مفید ہے جب وہ ہماری دنیوی زندگی میں بھی مفید ہو کہ جو ابدی زندگی کا مقدمہ ہے اور ابدی حیات کے لیے بھی قابل استفادہ ہو، ابدی حیات ہی اصل زندگی ہے۔ دنیوی زندگی کہ جو عارضی اور تمہیدی پہلو رکھتی ہے اُسی وقت فائدہ مند ہوسکتی ہے جب انسان مادی زندگی میں عقل کو استعمال میں لا کر ابدی زندگی کا سامان فراہم کرے اور آخرت کے توشہ میں اضافہ کرے۔ شہیدؒ اپنے دروس اور خطابات میں پاکستانی قوم کو عقل و شعور کی اسی سطح پر لانا چاہتے تھے کہ جہاں دنیوی زندگی انسان کی ابدی زندگی کے لیے فائدہ مند ہو۔ انسان دنیوی زندگی میں عقل و شعور کے عروج پر بھی پہنچ جائے جیسا کہ آج کے دور میں انسان عقل کو دنگ کرنے والے کارنامے انجام دے رہا ہے، لیکن ابدیت اور معنویت کے پہلو سے جانوروں سے بھی پست زندگی گزار رہا ہے۔ تو اس کی عقل و شعور پر مبنی یہ دنیوی زندگی چند روزہ فوائد تو رکھتی ہے، لیکن آنے والی معنوی زندگی کے لیے کسی طرح مفید نہیں ہے۔

بے عقلی اور بے شعوری کے مبلغین

شہید قائد اپنی قوم کو عقل و شعور کی اسی سطح تک لے جانا چاہتے تھے۔ لہٰذا وہ پاکستانی عوام کو ہر اُس شخص اور ہر اُس کام سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے جو اُنہیں دنیوی اور اُخروی دونوں پہلوؤں میں بے عقلی و بے شعوری کی طرف لے جاتا ہے۔ وہ ایسے لوگوں کو بے عقلی و بے شعوری کے مبلغ

قرار دیتے تھے جو انسان کو مادی پہلو سے تو عقل سے استفادہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں لیکن معنوی اور اُخروی پہلوؤں سے عقل کو معطل سمجھتے ہیں ۔قائد شہید ایسے لوگوں کی سخت مذمت کرتے ہیں جو معاشرے میں بے عقلی کی ترویج کرتے ہیں اور بے شعوری کو عام کرتے ہیں یا عوام کی بے شعوری سے فائدہ حاصل کرتے ہیں ۔وہ مسلمانوں میں اُن خطباء اور ذاکرین کو معاشرے کے شعور میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں جو اپنے خطابات اور مجالس میں بے عقلی اور بے شعوری کی ترویج کرتے ہیں ۔ایسے لوگوں کو مخاطب کرکے قائد شہید ؒ کہتے ہیں:

'' اے برادر مسلمان !اگر آپ شیعہ ہیں اور منبر پر بیٹھتے ہیں میں شیعہ ہوں اور ہمیں فخر کرنا چاہیے کہ ہمیں یہ فضلیت حاصل ہے کہ اصول میں بھی اور فروع میں بھی اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں ۔ہم علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو امام برحق اور خلیفہ بلافصل اور منصوص من اللہ سمجھتے ہیں لیکن اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اگر یہ عقیدہ رکھتا ہوں تو میں اس منبر پر بیٹھ کر اس طرح کی باتیں کروں اور ایسی تقریر کروں جس سے مسلمانوں کے ایک فرقے کے احساسات اور جذبات مجروح ہو جائیں ۔اگر میں نے ایسی باتیں کیں تو یہ اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کی سراسر خلاف ورزی ہے؛ یہ قرآن کی تعلیمات کی خلاف ورزی ہے۔قرآن ہمیں کیا کہتا ہے کہ

"وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ"۔

اگر میں ایسی بات کروں جس سے مسلمانوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے نزاع ہو جائے تو میں نے اس تقریر کی وجہ سے خدا کی مخالفت کی ہے میں نے امام خمینی کی مخالفت کی ۔اگر سنی ہے تو وہ مثلاً عزاداری کو ٹھیک نہیں سمجھتے ہم ان سے کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے تمہارا یہ عقیدہ لیکن آپ کو فقہ حنفیہ اور اپنا سنی مذہب اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ آپ منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو عزاداری کے خلاف اکسا کر فتنہ اور فساد برپا کریں ۔نہ یہ شیعہ عالم صحیح کر رہے ہیں نہ سنی عالم بلکہ یہ اپنے مذہب کی تعلیمات کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور وہ اپنے مذہب کی تعلیمات کی خلاف ورزی کر رہا ہے ۔یہ منبر اس لئے ہے کہ یہاں پر اسلام اور مسلمان کی مصلحت کے متعلق بات کی جائے ۔مسلمانوں کو اتحاد اور اتفاق کی طرف بلایا جائے ۔اگر اس منبر پر اتحاد بین المسلمین کے خلاف بولا جائے اگر اس منبر پر شیعوں میں آپس میں اختلاف کی بات کی جائے اتحاد و اتفاق کے خلاف بات کی جائے مومنین کے درمیان نفاق پھیلایا جائے تو یہ اس منبر کے ساتھ خیانت ہے۔ (گفتار صدق،ص ۹۰)

بے دینی یعنی بے شعوری

شہید قائدؒ بے دینی کا سبب بے شعوری اور بے عقلی کو قرار دیتے ہیں ۔شہیدؒ کی یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ عقل وشعور ہی کے ذریعے اپنے خالق اور ربّ کی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے اور یہ عقل وشعور ہی ہے جو ہمیں دین کی تعلیمات پر عمل کرنے اور اپنے خالق کی عبادت کرنے کی طرف رہنمائی کرتی ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب عقل انسان پر خواہشات نفسانی کی گردنہ بیٹھی ہو عقل دنیوی مفادات کے تابع نہ ہو ۔معاشروں کی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قائد شہید کہتے ہیں :

''اگر کسی جگہ آپ دیکھیں کہ لوگ بے دین ہیں جس طرح ہمارے معاشرے میں بے دینی آگئی ہے،خیانت ہے،جھوٹ ہے دھوکہ ہے،ظلم ہے۔یہ جس کو ہم بے دینی کہتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے معاشرے میں عقل نہیں ہے۔(گفتار صدق،ص۹۱)

بے شعور سیاستدان

شہید کی منطق دینی منطق ہے،شہید اُسی کو عقل مند اور باشعور سمجھتے ہیں جس کے ہر قول وفعل کا مقصد دنیوی فائدہ سے زیادہ اُخروی فائدہ ہو۔وہ شخص

کیسے عقل منداور باشعور ہوسکتا ہے جو اس چندروزہ دنیا کے لیے اپنی ابدی زندگی کو ضائع کر رہا ہے۔ یہ شخص خواہ ایک عام مزدور یا تاجر ہو یا کوئی بڑا افسر یا سیاستدان ہو اگر اپنی چندروزہ دنیا کی خاطر معاشرے کے ساتھ، پورے ملک کے ساتھ اور پوری قوم کے ساتھ خیانت کر رہا ہے تو یہ دنیا کا سب سے بڑا بے عقل انسان ہے۔ اس کی مثال اُس شخص جیسی ہے جو ایک لاکھ روپے جو اُسے چنددن بعد ملنے ہیں کو چھوڑ کر نقد ملنے والے ایک سو روپے کو ترجیح دیتا ہے۔ دنیا کی چندروزہ نقد لذتوں کی خاطر آخرت کی ابدی لذتوں اور نعمتوں کو چھوڑنا یقیناً بے عقلی اور بے شعوری ہے۔ ہمارے سیاستدان ہوں یا اعلیٰ درجے کے افسران ہوں، چندروزہ دنیا اور اقتدار کی خاطر بیرونی طاقتوں کی غلامی اختیار کیے ہوئے ہیں اور سامراجی قوتوں کو خوش کرنے کے لیے اپنی قوم کے ساتھ خیانت کر رہے ہیں۔ شہیدؒ کے درج ذیل کلمات شاید ہمارے موجودہ حالات کو سامنے رکھ ہی کہے گئے ہیں۔ آپ معاشرے میں موجود ایسے بے شعور لوگوں کے بارے میں کہتے ہیں
:

''یہ بڑے بڑے لوگ خواہ وہ سیاستدان ہوں یا اہل قلم ہوں یہ جو بھی بے دینی کے مرض میں مبتلا ہیں جھوٹ کی پروا نہیں کرتے، دھوکے کی پروا نہیں کرتے، ملک کو یہ لوگ فروخت کرتے ہیں امریکہ اور روس کے ساتھ ساز باز کرتے ہیں ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے پاس بھی عقل ہے، لیکن انہوں نے اپنی عقل کو اپنی خواہشات نفسانی کے تابع کر لیا ہے لہذا ان کی اب عقل کام نہیں کرتی، عقل بجلی اور چراغ کی مانند ہے، چراغ اور بجلی آپ کو اس وقت تک راستہ بتائیں گے جب تک فضا گردآلودہ نہ ہو اگر فضا گردآلودہ ہو تو پھر بجلی اور چراغ آپ کو راستہ نہیں دکھائیں گے۔ اب عقل کی مثال چراغ جیسی ہے کہ اگر آپ نے خواہشات نفسانی، حب دنیا، حب کرسی، حب ریاست، حب مال جیسی جو انسان کی خواہشات ہیں ان کی پیروی کی اگر آپ نے اس نفس کو بے لگام کر دیا اور ان خواہشات نے فضا کو گردآلود کر دیا ہو تو پھر یہ عقل صحیح راستہ آپ کو نہیں بتا سکتی پھر اس عقل کا نور کم ہوجائے گا پھر اس کے نور سے آپ فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور اگر یہاں شوروغل ہو اور فرض کریں میں تقریر کر رہا ہوں، آپ اس وقت میری بات کو سن سکتے ہیں کہ جب خاموشی ہو لیکن اگر آپ سب مثلاً شور کریں تو پھر آپ میری تقریر کو نہیں سنیں گے بلکہ آپ خود اپنی باتیں بھی نہیں سن سکیں گے۔ (گفتار صدق، ص ۹۲)

بے عقلی اور بے حیائی کا تعلق

شہید قائد معاشرے میں بے حیائی کا سب سے بڑا سبب بے عقلی اور بے شعوری کو قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''آج ہمارے معاشرے میں یہ جو بے حیائی آپ دیکھ رہے ہیں، یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں یہ خواتین جو اس قسم کی بے حجابی کے ساتھ سڑکوں پہ آتی ہیں اور ان کی تصویر اخباروں پہ آپ دیکھتے ہیں اور جب یہ لوگ اسلام آباد میں مظاہرہ کرتے ہیں تو آپ ان کے حالات اور تصویر دیکھتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم تعلیم یافتہ ہیں۔ اگر عقل ہوتی تو ان میں حیاء ہوتی۔ یہ بے حیائی ان میں آگئی ہے یہ اس بات پر دلیل ہے کہ انہوں نے عقل کو نظر انداز کیا ہے اور عقل کو اپنی خواہشات نفسانی کا پیرکار قرار دے دیا ہے۔'' (ایضاً، ص ۹۱)

آخری زمانے میں بے عقلی کی علامات

قائد شہیدؒ باتقویٰ علماء کو معاشرے میں عقل وشعور کا سب سے بڑا مبلغ قرار دیتے ہیں چونکہ یہ علمائے دین ہی ہیں جو انسانوں کو دین کی دعوت دیتے ہیں اور دین انسان کو عقل وشعور کی طرف دعوت دیتا ہے۔ دینی تعلیمات عقل انسان کی عقل کو پختہ کرتی ہیں اور انسانی عقلوں کی رشد وترقی کا باعث بنتی ہیں۔ چونکہ دین جس چیز کا حکم دیتا ہے عقل بھی اسی چیز کو اچھا سمجھتی ہے اور عقل جس کام سے منع کرتی ہے دین بھی اس کی ممانعت کرتا ہے۔ عقل اور دین لازم وملزوم ہیں۔ لہذا حقیقی علمائے دین جو تقویٰ وپرہیزگار کے علمبردار ہیں وہی عقل وشعور کے بھی علمبردار ہیں۔ لہذا جو معاشرے علمائے دین سے بھاگتے ہیں درحقیقت وہ عقل وشعور سے فرار کرتے ہیں۔ اسی مطلب کو بیان کرتے ہوئے شہیدؒ کہتے ہیں:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طریقے سے بعد کے زمانوں کا نقشہ اپنی احادیث میں پیش کیا ہے یا مولائے کائنات علی ابن ابی طالب نے اپنے خطبوں میں بعد میں آنے والے انسانوں کے افکار وحالات بتائے ہیں ،وہ آپ اس حدیث سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہ حدیث سفینۃ البحار میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:''سیاتی زمان علی الناس''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ''یفرون من العلماء کما یفر الغنم من الذئب''لوگ علمائے باتقویٰ سے اس طرح دوری اختیار کریں گے اور اس طرح ان سے بھاگیں گے جس طرح درندوں اور بھیڑیوں سے بھیڑ بکریاں بھاگتی ہیں تو کیوں یہ لوگ علماء سے بھاگیں گے؟

واضح ہے کہ علماء ربانی، علمائے باتقویٰ وہ علماء جو صحیح معنوں میں وارث انبیاء علیہم السلام ہیں وہ لوگوں کو انبیاء کے مشن کی طرف دعوت دیں گے اور لوگوں کو حق کی طرف بلائیں گے اور ان کمزوریوں پر انگلی رکھیں گے اور لوگوں کو بتائیں گے کہ تم میں یہ غلطی ہے اور اس غلطی کو اپنے آپ سے دور کرو۔ تم میں یہ کمزوری ہے اس کو اپنے آپ سے دور کرو۔ عموماً نفس انسانی میں ایک خصوصیت ہے کہ آپ اگر مجھ سے ایسی بات کریں جو میری خواہشات کے خلاف ہو تو وہ مجھے اچھی نہیں لگے گی اور جیسے میں آپ کو دور سے دیکھوں گا تو راستہ بدل کر دوسری طرف چلا جاؤں گا۔''(گفتار صدق،ص ۶۷)

تاریخ کے عاقل ترین لوگ

ایک جگہ شہیدؒ عاقل اور باشعور لوگوں کی مثال ذکر کرتے ہوئے تاریخ اسلام کے عاقل ترین لوگوں کا تذکرہ کرتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کو ان اُسوہ شخصیات کی پیروی کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ چونکہ جن لوگوں نے انبیائے کرامؑ اور اولیائے عظام اور معصومین علیہم السلام کی پیروی کی ہے اور ان کے لیے جانیں قربان کی ہیں، وہی حقیقی عاقل اور باشعور ہیں اور آنے والوں کے لیے نمونہ عمل ہیں۔ ہمارے بہت سے لوگ یہ مغالطہ پیش کرتے ہیں کہ ہم کہاں اور معصومینؑ کہاں! ہم کہاں دین پر اُس طرح عمل کر سکتے ہیں جس طرح ائمہ معصومینؑ نے عمل کیا ہے، وہ معصوم ہیں اور ہم غیر معصوم!!

لیکن شہیدؒ ایسے لوگوں کے لیے معصومؑ کی مثال پیش نہیں کرتے بلکہ اُس دور کے غیر معصوم لوگوں کے کردار کو نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ جنھوں نے اپنی عقل وشعور کے ذریعے معصومینؑ کی پیروی کر کے دوسروں کے لیے نمونہ عمل پیش کیا اور دین اور اولیائے دین کے راستے میں جانیں قربان کیں۔ شہید قائد ایسی ہستیوں کی مثال پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

'' حقیقت میں صحیح معنوں میں عاقل بریرؒ، حرؒ وزہیرؒ تھے آپ کو معلوم ہے کہ زہیر اگرچہ اہل بیت علیہم السلام کے پیروکاروں میں سے نہیں تھا اور صفین کی جنگ کے بعد یہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا مخالف بن گیا تھا امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے نزدیک نہیں آ رہا تھا جب انھوں نے حج انجام دیا تو فوری طور پر کوفے کی طرف چل پڑے تو راستے میں ایک جگہ جب امام حسین علیہ السلام کا قافلہ ٹھہرا تھا تو اس کے چند قدم دور یہ اپنا قافلہ لے آیا اور اس نے اپنے خیمے لگائے اس لئے کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام سے ان کا آمنا سامنا ہو اور ان سے بات ہو جائے۔

بہر حال ایک جگہ ایسی آئی کہ جہاں پر اس کے لئے چارہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ امام حسین علیہ السلام کی طرف سے قاصد آگیا اور انھوں نے یہ پیغام دیا کہ اے زہیر''ادرک ابا عبداللہ'' ابی عبداللہ امام حسین علیہ السلام نے تجھے بلایا ہے اب دیکھیں وہاں پر یہ شخص کیا جواب دے نہ ہاں کہہ سکتا ہے نہ نہیں انکار اس لئے نہیں کر سکتا تھا کہ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، فرزند بتول وحیدر کرار علیہم السلام ہے، سید شباب اہل جنت ہے، اصحاب کساء میں سے ہے، اس لئے انکار نہیں کر سکتا، ہاں اس لئے نہیں کہتا کہ امام حسین علیہ السلام کے مشن سے اتفاق نہیں کرتا تھا چونکہ ان کی سیاست کو صحیح نہیں سمجھتا تھا بلکہ وہ دوسرا عقیدہ رکھتا تھا۔ اب شش و پنج میں مبتلا تھا اور اس کے ہاتھ میں لقمہ تھا، وہ یونہی رہ گیا تھا کہ کیا کرے اتنے میں وہ خاتون جس کو خدا نے عقل دی تھی (بعض خواتین مردوں سے ہزار ہزار بار افضل ہیں) اس نے جب زہیرؒ اور اس کے اصحاب کی یہ حالت دیکھی تو فوری طور پر بول پڑیں کہ اے زہیر! تمہیں کیا ہو گیا ہے تمہیں کون بلا رہا ہے؟ کوئی عام آدمی تجھے نہیں بلا رہا ہے فرزند رسول امام حسین علیہ الصلوۃ والسلام تجھے بلا

رہے ہیں، کیوں خاموش ہو جواب دو کہ ہاں میں آ رہا ہوں زہیرؓ نے بادل نخواستہ اس قاصد کو کہہ دیا کہ ہاں آپ جائیں میں آ رہا ہوں تو زہیرؓ نے مولا کی خدمت میں آئے ۔''(گفتار صدق ،ص ۹۴)

عقل کی اطاعت کا پھل

انسان اگر عقل وشعور کی اطاعت کرے تو اُسے یقیناً اس کا پھل ملتا ہے ۔زہیر بن قینؓ نے اپنے امامؑ کی اطاعت کی اور اپنی عقل مند بیوی کی نصیحت کو سنا اور امام علیہ السلام کی مدد کے لیے کربلا کی طرف چل پڑے ۔زہیرؓ کی اسی مندانہ روش سے جو نتیجہ نکلتا ہے اس کو شہید اپنے مخصوص انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یقیناً مولا نے زہیرؓ کی عقل پر جو خواہشات اور مادیات کا پردہ چھایا ہوا تھا اس پردے کو ہٹایا اور اس کو حقائق بتائے تو جب زہیرؓ وہاں سے نکلے تو سارے مورخ لکھتے ہیں کہ جاتے وقت اس کے چہرے کا رنگ اور تھا لیکن جب مولا کے پاس سے باہر آیا تو اس کا رنگ اور تھا یعنی اس کا چہرہ نورانی ہو چکا تھا انھوں نے وہاں سے واپس آ کر کسی سے بات نہیں کی چاہیے تو یہ تھا کہ وہ آتے دوسروں سے میٹنگ کرتے اور اپنے اصحاب سے کہتے کہ یہ یہ باتیں ہوئیں ہیں نہیں! بغیر کسی تمہید کے اصحاب کو کہتے ہیں کہ ہر کسی کا اپنا اپنا اختیار ہے اب میں نے کوئی اور ارادہ کیا ہے میں اپنی بیوی کو یہ کہتا ہوں کہ میری طرف سے اس کو طلاق ہے وہ اپنے والدین کے گھر چلی جائے میرا اب کسی اور کے ساتھ سودا تجارت ہوگئی ہے اب میرا راستہ اور ہے تمہارا اور ہے۔

ان کی بیوی مومنہ تھی اور صاحب عقل تھی اس نے پھر یہاں پر عقل سے کام لیا اور یہ کہہ دیا کہ ٹھیک ہے اے زہیر! تجھے یہ راستہ مبارک ہو لیکن میں آپ سے ایک خواہش کرتی ہوں کہ قیامت کے دن امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنا کہ وہ مجھے بھی اپنی شفاعت میں لے لیں یہ اس کی عقل وفراست تھی''۔

تاریخ کا بے شعور ترین سیاستدان

شہید قائدؒ تاریخ ایک کے بے شعور ترین سیاستدان کی مثال پیش کرتے ہیں ۔شہیدؒ کی اس مثال میں ہمارے پاکستانی سیاستدانوں خصوصاً موجودہ سیاستدانوں کے لیے بہت بڑی عبرت اور درس موجود ہے ۔اُن سیاستدانوں کے لیے جو اس وقت ملک کو بیرونی طاقتوں کے ہاتھوں فروخت کر چکے ہیں اور اس کے بدلے پوری قوم کو اذیت و آزار میں مبتلا کئے ہوئے ہیں ۔اس وقت پوری قوم ان سیاستدانوں کی خیانت کی وجہ سے ناگفتہ بہ صورت حال سے دوچار ہے ۔یہ چند روزہ اقتدار کے بھوکے سیاستدان اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین (جمہوریت) کو پامال کر رہے ہیں اور ایک سال یا دو سال کے اقتدار کی خاطر عالمی سامراج کے مفادات کو پورا کر رہے ہیں ۔ان سے بڑا بے عقل انسان کون ہوگا ۔شہید قائدؒ نے یہ کلمات شاید انہی سیاستدانوں کے لیے کہے ہیں جس میں آپ کہتے ہیں:

'' ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے لوگ تھے جو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے مقابلے میں آئے بظاہر لوگ ان کو بھی عاقل سمجھتے تھے لیکن صحیح معنوں میں وہ عاقل نہیں تھے سب چیزیں چھوڑ دیں آپ کربلا کے واقعات کو لے لیں تو صحیح معنوں میں وہ عاقل زہیر تھے لیکن عمر ابن سعد عاقل نہیں تھا اگر چہ وہ کوفے میں ایک شخصیت تھا ایک قبیلے کا بزرگ تھا لوگ اس کا احترام کرتے تھے لیکن عاقل نہیں تھا، اس لئے کہ اس بدبخت میں حب ریاست تھی ،قوہ شہویہ تھی جو اس پر غالب آ گئیں اور اس کے نتیجے میں اس نے اپنی عقل کو ایک طرف رکھ دیا یہ خود اس کا ایک شعر ہے کہ ''اا ترک ملک الری والری منیتی'' جب اس کو مہلت دی گئی کہ کل تک جواب دو یا امام حسین علیہ الصلوۃ والسلام کی دشمنی کے لئے تمہیں جانا پڑے گا یا اگر تم نہیں جاؤ گے تو ہم نے جو تمہیں شہر ری کی گورنری کی سند دی ہے تو وہ سند ہم تم سے چھین لیں گے اور وہ شہر ری کی گورنری اور حکومت تمہیں نہیں ملے گی اس نے کہا ٹھیک ہے اس نے چند لوگوں سے مشورہ کیا تو کوئی کچھ کہتا تھا تو کوئی دوسرا کچھ اور پھر اس نے مفصل اشعار پڑھے ہیں ان میں اس نے اقرار کیا ہے کہ آیا میں ری کو چھوڑ سکتا ہوں حالانکہ میری آرزو شہر ری کی حکومت تک پہنچنا ہے اگرچہ امام حسین علیہ الصلوۃ والسلام کی شہادت کے راستے سے اس ری کی حکومت تک مجھے کیوں نہ پہنچنا پڑے یہ کیا مسئلہ تھا؟ کیونکہ اس بدبخت

نے عقل کو ایک طرف رکھ دیا تھا جبکہ خواہشات نفسانی کی پیروی کی اور ان خواہشات نفسانی نے اس کو تباہ و برباد کر دیا اور وہ خسر الدنیا والآخرۃ ہو گیا۔

جب شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد یہ کوفہ آیا تو ابن زیاد نے اس سے کہا کہ فلاں خط مجھے دے دو، کہا وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے کہا نہیں ہرگز نہیں تم وہ مجھے دے دو، اس لیے کہ اس خط میں انھوں نے عمر سعد کو لکھا تھا کہ تم اگر امام حسین علیہ الصلوۃ والسلام کے قتل کے لیے جاؤ گے تو تمہیں یہ کچھ ملے گا اور یہ بات میں لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں امام حسین علیہ الصلوۃ والسلام کے قتل کا ذمہ دار نہیں ہوں ابن زیاد نے مجھے یہ خط بھیجا تھا اس لئے میں نے یہ کام کیا ہے ابن زیاد نے کہا کہ نہیں میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم مجھے وہ خط نہیں دے دیتے اور بعد میں اس بدبخت سے وہ جو دوسرے خطوط وغیرہ تھے وہ اس سے چھین لئے اور اس طرح ری کی گورنری بھی اس کو نہیں ملی اور کوفے کی گندم تو کیا اس کے جو بھی اس کو نصیب نہ ہوئے اور اپنے بستر پر ذلت کے ساتھ مردار ہو گیا۔" (گفتار صدق، ص ۹۳، ۹۴)

ہم نے شہید قائدؒ کی زبان سے ۳۳ سال پہلے نکلے ہوئے کلمات کو یہاں پیش کیا ہے یہ کلمات پڑھ کر انسان کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس حکیم ملتؒ نے شاید یہ کلمات آج کے لیے ہی کہے ہیں۔ شہید کی زبان میں ایک درد تھا اور اُن کی یہ درد بھری صدا ہر دور کے مظلوموں کی صدا ہے جو ہر دور میں ہمارے لیے رہنمائی کی صلاحیت رکھتی ہے۔ شہید کے افکار اور بیانات میں یہی الٰہی درد پایا جاتا تھا کہ جس کی وجہ سے امام خمینیؒ جیسے حکیم نے پاکستانی قوم کو تاکید کی تھی کہ تم اس شہید کے افکار کو زندہ کرو۔ شہیدؒ کے یہی افکار آج بھی ہمارے دردوں کا مداوا کر سکتے ہیں۔ ہمارے موجودہ قائدین، رہنماؤں اور قومی و ملی کارکنوں کو آج بھی شہید قائدؒ کی رہنمائی میسر ہے بشرطیکہ ہم بھی شہیدؒ جیسے مخلص ہوں اور شہید کی شخصیت پر ایمان رکھتے ہوں اور قوم و ملت سے بھی مخلص ہوں۔ چونکہ شہید قائدؒ کی زندگی کا سب سے بڑا درس اخلاص تھا؛ یعنی دین اور مذہب کے لیے اخلاص، قوم و ملت کے ساتھ خلوص۔ مگر افسوس کے شہیدؒ کے اس درس کو ہم بھلا چکے ہیں جس کی وجہ سے انواع و اقسام کی مشکلات میں مبتلا ہیں۔

شہید الحسینی
خصوصی نمبر بارے اپنی رائے دیجئے

قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی کی شخصیت کے ہم سب پہ بطور افراد ملت بہت زیادہ احسانات ہیں، ان احسانات کا بدلہ ہم کسی بھی طور نہیں چکا سکتے، ان کی زندگی ہم سب کیلئے روشن راستے کی صورت موجود ہے، ان کے راستے اور فکر و عمل سے آگاہی کیلئے شہید مظلوم کے افکار سے آگاہی واجب ہے، اس واجب کی ادائیگی کیلئے افکار العارف ٹیم نے یہ؛ شہید الحسینی نمبر تیار کیا ہے، اس میں بہت زیادہ مزید کام ہونے چاہیئے تھے اور ہو بھی سکتے تھے مگر بہت سی مجبوریوں اور حالات، وسائل، ورکنگ ٹیم کی عدم دستیابی، اور دیگر ایجاد کردہ رکاوٹوں کی بدولت جو کچھ سوچا گیا تھا شاید وہ نا ہو سکا ہے، اس کے باوجود تمام تر مسائل و مشکلات کو پس پشت ڈالتے ہوئے یہ میگزین آپ دوستان، برادران و خواہران کے ہاتھوں میں موجود ہے، اس میں ممکنہ حد تک بہترین مواد شامل کیا گیا ہے۔

آپ احباب نے حوصلہ افزائی کی تو اس سے بہتر مواد کیساتھ کئی مجلّے تیار کیئے جا سکتے ہیں، جبکہ اس مواد میں کچھ مزید اہم مواد شامل کر کے اسے کتابی شکل بھی دی جا سکتی ہے، اس حوالے سے آپ قارئین کا فیڈ بیک بہت اہم ہے اگر آپ اس مجلّے اور اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کے حوالے سے اپنا فیڈ بیک دیں گے تو ہمیں فیصلہ کرنے میں زیادہ آسانی ہوگی، اپنے فیڈ بیک کیلئے ضرور آگاہ کیجئے گا۔

ارشاد حسین ناصر

ایڈیٹر افکار العارف لاہور

فون؛ 03334424817

Email;irshadhnasir@gmail.com

میں اپنے عزیز بیٹے سے محروم ہوا ہوں!

امام خمینی رضوان اللہ

کا خصوصی پیغام، بمناسبت چہلم شہید قائد علامہ عارف حسین الحسینیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم علمائے کرام، حجج اسلام اور پاکستان کی قابل قدر قوم۔ ایدھم اللہ تعالی

اسلام وانقلاب کے شیدائی اور وفادار، محروموں اور مظلوموں کا دفاع کرنے والے اور سید الشھداء جناب ابا عبداللہ الحسین کے فرزند صادق حجۃ الاسلام علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ کی شہادت کے سلسلے میں آپ لوگوں نے مجھے جو تعزیت کے پیغامات، خطوط اور ٹیلیگرام وغیرہ ارسال کئے ہیں وہ مجھے موصول ہو گئے ہیں اگرچہ یہ عظیم سانحہ مسلمانوں کے قلوب اور خاص طور پر اسلام کے حقیقی اور احساسِ ذمہ داری رکھنے والے علمائے کرام کے لئے ایک گہرا گھاؤ ہے تاہم اس قسم کا سانحہ نہ صرف ہمارے لئے بلکہ دنیا بھر کے مظلوموں اور خاص طور پر پاکستان کی اس عظیم قوم کے لئے جس نے خود استعمار کی تلخیوں کا ذائقہ چکھا ہوا ہے اور جس نے بھرپور جدوجہد، جہاد اور شہادتوں کے نذرانوں کے بعد اپنی آزادی حاصل کی ہے، قطعی طور پر غیر متوقع نہ تھا۔ اسلامی معاشروں کے درد آشنا و مجاہدین جنھوں نے محروموں اور پابرہنہ لوگوں کے ساتھ اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنے کا عہد کر رکھا ہے، انھیں جان لینا چاہئے کہ ابھی تو مقابلے کا آغاز ہے۔ اس لئے کہ استعمار و استثمار کی دیواریں ڈھانے اور حقیقی اسلام محمدی ﷺ کی منزل تک پہنچنے کے لئے انہیں ابھی ایک طویل راہ درپیش ہے۔ علامہ سید عارف الحسینیؒ ہی کی مثال کو پیش نظر رکھنے کے بعد غور کریں کہ ایک مومن کے لئے اس سے بڑی بشارت وسعادت اور کیا ہوگی کہ وہ محرابِ عبادتِ حق سے خون آلود چہرہ لئے خود کو "اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ" کی منزل پائے اور نہ صرف یہ کہ خود جامِ شہادت نوش کر کے لذتِ وصالِ محبوب سے لطف اندوز ہو بلکہ اپنے ساتھ ہزاروں تشنگانِ عدالت کو بھی سرچشمہ نور سے سیراب ہوتا دیکھے۔ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنے والے حقیقی علماء اور بزرگانِ دین اور نام نہاد علماء میں یہی تو فرق ہے کہ اسلام کے جانباز مجاہد علماء ہمیشہ سے ہی جہانخوار ظالموں کے زہر آلود تیروں کا ہدف بنتے چلے آئے ہیں اور ظلم وقضا کا پہلا تیر انہی کے سینوں میں پیوست ہوتا رہا ہے جبکہ نام نہاد علماء، دنیا طلب اور زر پرستوں کی حمایت کے سائے میں باطل کو رواج دینے والے بن جاتے ہیں یا پھر ظلم کی تائید اور مدح سرائی کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم نے آج تک کسی بھی درباری ملاں یا کسی بھی وہابی عالم کو نہیں دیکھا کہ وہ ظلم و شرک کے خلاف، خصوصاً روس جیسے جارحیت پسند اور امریکہ جیسے جرائم پیشہ کے خلاف مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑا ہو جبکہ اس کے برعکس آج تک ہم نے خدائے بزرگ و برتر اور مخلوقِ خدا سے عشق کرنے والے اور ان کی خدمت کے جذبہ سے سرشار کسی حقیقی دینی عالم کو نہیں دیکھا کہ وہ پابرہنہ لوگوں کی مدد کرنے میں تامل کرے یا اپنی آخری اور حقیقی منزل تک رسائی سے قبل ہی کفر و شرک کے مقابلے سے تھک کر بیٹھ گیا ہو۔ علامہ عارف حسین الحسینیؒ ایسے ہی تھے۔ مجھے قطعی یقین ہے کہ پوری دنیا کی مسلم اقوام بخوبی جان چکی ہیں کہ یہ عظیم سانحہ کیونکر رونما ہوا۔ تمام مسلم اقوام کو سوچنا چاہئے کہ آخر وہ کونسی وجہ ہے کہ

اسلامی ملک ایران میں مطہریؒ، بہشتیؒ، شہدائے محرابؒ اور ہزاروں مایۂ ناز علماء کو جبکہ عراق میں باقر الصدرؒ، محسن الحکیمؒ اور ان کے خاندان سے تعلق رکھنے والے بے شمار حقیقی اور سچے علمائے دین کو یہی نہیں بلکہ لبنان میں راغب حربؒ جیسی شخصیتوں کو اور پاکستان میں علامہ عارف حسینیؒ جیسی گراں قدر ہستیوں کو یا دیگر تمام اسلامی ممالک میں ان حقیقی علمائے کرام کو جن کے دل اسلام کے لئے تڑپتے ہیں اور جو حقیقی محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کے فروغ کے لئے انتھک جدوجہد کرنے والے تھے انہیں ہی ہمیشہ ظالموں نے اپنی دہشت گردی کا نشانہ بنایا ہے۔

پاکستان کے باشرف اور غیور عوام جو حقیقی معنوں میں ایک انقلابی ملت ہیں اور اسلامی اقدار کے پابند ہیں اور جن سے ہمارا بہت قدیمی، گہرا انقلابی، ایمانی اور ثقافتی رشتہ ہے میں انہیں اس امر کی تاکید کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ شہید راہِ حق (علامہ عارف الحسینیؒ) کے افکار کو زندہ رکھیں اور ابلیس زادوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی اجازت نہ دیں۔ آج جبکہ مشرق و مغرب کی استکباری قوتوں میں عالم اسلام سے براہ راست مقابلے کی ہمت نہیں رہی ہے تو انہوں نے عاجز آکر ایک طرف تو سیاسی مذہبی شخصیات کے قتل اور دوسری طرف امریکی اسلام پر مبنی ثقافت کی ترویج کے لئے کوششیں تیز تر کر دی ہیں۔

کاش ان عالمی خونخواروں کی تمام تر دست درازیاں، مجاہد پرور مسلم سرزمین افغانستان میں کی گئی دست درازی کی مانند اعلانیہ اور برملا ہوتیں تا کہ مسلمان غاصبوں کے جھوٹے تکبر و اقتدار کے بت کو پاش پاش کر ڈالتے مگر امریکی اسلام سے مقابلے کی راہ خاصی پر پیچ اور عجیب ہے۔ ضروری ہے کہ اس کے تمام پہلو، ان پابرہنہ مسلمانوں پر روشن ہوں مگر صد افسوس کہ ابھی بہت سی اسلامی اقوام کے لئے امریکی

اسلام اور خالص محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / اسلام، پابرہنہ لوگوں اور محروموں کے اسلام اور ریاکاروں، سنگدلوں، سرمایہ داروں، خدا فراموش آرام و آرائش میں پڑے افراد کے اسلام کی درمیانی حد واضح نہیں ہے اور اس حقیقت کی وضاحت کی ایک مکتب فکر اور ایک آئین میں دو متضاد اندازِ فکر کا وجود ممکن نہیں، یہ وضاحت ایک اہم سیاسی فریضہ ہے اور اگر یہ کام دینی مدارس کے ذریعے کیا گیا ہوتا تو قوی امکان تھا کہ ہمارے عزیز سید عارف حسین الحسینیؒ آج ہمارے درمیان ہوتے۔ تمام علماء کا فرض ہے کہ ان دونوں اندازِ فکر کی وضاحت کے ذریعے اپنے پیارے مذہب اسلام کو مشرق و مغرب کے چنگل سے آزاد کرائیں۔ اگرچہ ان محترم شہیدوں کا خون اعلیٰ معنوی اقدار کی منازل سے تمام خس و خاشاک کو بہالے جائے گا اور یہی خونِ ناحق باطل کی تبلیغ و ترویج کرنے والوں کو غرقِ آب کردے گا مگر ہمیں اس بات سے بھی بے خبر نہیں رہنا چاہئے کہ آج تمام دشمنانِ اسلام کے وہ کٹھ پتلی عناصر جنہیں شرق و غرب نے سامراجیت کی تکمیل کے لئے آمادہ کیا ہے انہوں نے ہی مسلمانوں کو خوابِ غفلت میں مبتلا کیا ہے اور خود مرکب مراد پر سوار ہو کر پوری قوت سے اسلام و قرآن کو اپنا دشمن قرار دے رہے ہیں مگر آج روس اور امریکہ نے مقدس انقلاب اسلامی ایران کے نتیجے میں سینکڑوں سیاسی، عسکری اور ثقافتی ناکامیوں کا منہ دیکھا ہے اور دنیا بھر میں ہر جگہ ان کے حیات بخش مفادات کے خلاف اسلام کی طرف سے خطرے کا سگنل دیا جا چکا ہے لہٰذا اب ہمیں چاہئے کہ پورے شعور کے ساتھ، مشرقی اور مغربی استکبار کے مکر و فریب کو پہچان کر اس کا سدباب کریں۔ مسلم اقوام کو چاہئے کہ وہ عالمی طاقتوں کے فریب و دشمنی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے اصول وضع کریں جبکہ بظاہر حالات ہمارے سامنے اس کے برعکس نظارہ پیش کرتے ہیں۔ ہم نے ولایت خدا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومینؑ کی خوشنودی اور رضا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے اور ضروری ہے کہ ہم خلوصِ دل سے ہر اس چیز سے متنفر اور دور ہوں جو ان سب کی رضا کے برعکس ہو اور اس دوری پر ہمیں فخر بھی ہونا چاہئے۔ میں دیندار اور مذہبی علماء اور جناب حجت الاسلام سید عارف حسین الحسینیؒ کے محترم خانوادے اور پاکستان کی مسلمان قوم کو اس عظیم شہادت پر تعزیت اور مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اس ملک کے تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلامی ملک ایران آپ کے اسلامی تشخص، آپ کی آزادی اور عزت و شرافت کے دفاع کے لئے ایک سچے دوست کی حیثیت سے ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے گا۔ میں اپنے عزیز بیٹے سے محروم ہوا ہوں! اللہ تعالیٰ ہم سب کو مصائب برداشت کرنے اور شہیدوں کی راہوں میں پہلے سے زیادہ عمل کے چراغ جلائے رکھنے کی توفیق عنایت فرمائے اور ظالموں کے مکر و فریب کو خود انہی پر موڑ دے اور ارجمند مسلمان قوم کو شہادت اور جہاد کے راستے میں ثابت قدم رکھے۔

والسلام علی عباد اللہ الصالحین

روح اللہ الموسوی الخمینی (۲۳ محرم الحرام ۱۴۰۹ ہجری)

شہید بزبان شہید

ڈاکٹر محمد علی نقوی

شہید کے قائد شہید کے بارے تاریخی اظہارات

بسم رب الشہداء و الصدیقین

انسان کے لئے کسی چیز کے بارے میں کوئی معیار مقرر کرنا شاید مشکل ہوتا ہے، لہٰذا وہ کسی معیار کو سمجھنے اور استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ ہمارے لئے اسلام کو سمجھنا اتنا آسان نہیں ہے، اس کو سمجھنے کے لئے باقر الصدرؒ کا وہ قول یاد آتا ہے کہ ''آپ امام خمینیؒ کی ذات میں اس طرح سے ضم ہوجائیں جس طرح سے وہ اسلام میں ضم ہو چکے ہیں'' تو اب ہمارے لئے بات آسان ہوگئی ہے کہ جو کچھ امام خمینیؒ ہیں، وہ اسلام میں ضم ہو گئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ آپ امام خمینی میں ضم ہو جائیں، میں سمجھتا ہوں ہم نے اس ملک کے اندر جن لوگوں کی زندگیاں مکمل ہوتے ہوئے دیکھی ہیں، اپنی اس زندگی میں ان میں سے ایک شخصیت جس کا نام بڑے منفرد اور نمایاں انداز میں لیا جاسکتا ہے جو امام خمینیؒ کی ذات میں کھو گئے تھے، ضم ہو گئے تھے وہ شہید عارف الحسینیؒ تھے۔

ایک تو یہ پہلو ہے جس کو سمجھنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ دوسری بات جو مجھے کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ابھی تک ہمیں شہید حسینیؒ کی potential (پوشیدہ صلاحیتوں) کے متعلق صحیح آگاہی حاصل نہیں ہوئی۔

ہمارے دوست قم سے خصوصی طور پر اس کام کے لئے آئے ہیں کہ شہید حسینیؒ کے آثار جمع کئے جائیں۔ اب بظاہر کسی شخص کے بارے میں معلومات یکجا کرنا یا علم حاصل کرنے کو لوگ عموماً ایک عقیدتی attachment (لگاؤ) سمجھتے ہیں، جیسے اس کو ایک جذباتی کیفیت یا شخصیت پرستی وغیرہ کہتے ہیں۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ ہم یہ کام اسلام کے عین حکم کے مطابق انجام دے رہے ہیں کیونکہ امام خمینیؒ نے شہید حسینیؒ کے چہلم کی مناسبت سے جو تعزیت نامہ بھیجا تھا اس میں واضح طور پر یہ جملہ موجود ہے کہ میں آپ کو تاکید کرتا ہوں کہ آپ شہید حسینیؒ کے آثار کو جمع کریں اور ان کو سمجھنے کی کوشش کریں، یہ ایک حکم ہے۔ ہماری نظروں میں چونکہ امام خمینیؒ کی ذات اسلام سے جدا نہیں ہے۔ یہ ایک بہت بڑا aim اور motto ہے۔ تیسری بات جو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں اصل میں آدمی کا اپنا کام ہوتا ہے، (potential bases) مخفی صلاحیتوں کی بنیادوں کو سمجھنا!

جبکہ امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے واضح طور پر گورباچوف کو اپنے خط میں فرمایا ہے کہ ایسا کرنا آپ کے بس میں نہیں ہے کہ آپ اسلام کو درک کریں، یعنی آپ اسلام کو پڑھ سکتے ہیں لیکن اسے درک کریں کہ اس میں کیا چیز ہے یہ آسان کام نہیں ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آپ چند دن کے لئے چار آدمیوں کو قم بھیجیں وہ یہاں کے ماحول کے اندر رہیں شاید ان میں اسلام کو سمجھنے کی استطاعت پیدا ہو، یعنی اس کے لئے استطاعت شرط ہے!

اس پر میں کہوں گا کہ سب کی بات تو نہیں کرتے، بہر حال اکثر تو ہمارے

اندر استطاعت ہی نہیں ہے۔ خصوصاً ایک شہید اور پھر ایک شہید عالم دین کے مقام کو سمجھنے کی۔ فی الحال آپ یہ سمجھیں کہ شہید حسینیؒ جس صف میں کھڑے ہیں ہم اس کو صحیح درک نہیں کر سکے۔ اگر واقعی تھوڑی بہت سمجھ اور ادراک ہو تو امام خمینیؒ ایک محفل کا نام ہے جس میں دس پندرہ ستارے ہیں، جن میں شہید مطہریؒ نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ یہ بہشتیؒ، شہید جواد باہنرؒ، شہید باقر الصدرؒ، شہید راغب لبنانیؒ، مہدی الحکیمؒ جیسے ستاروں کی محفل تھی جس کا شہید حسینیؒ بھی ایک حصہ تھے۔ وہ ہمارے معاشرے کا حصہ نہیں تھے، ہمارے معاشرے کا درحقیقت وہ حصہ نہیں تھے۔ آپ شہید حسینیؒ کے خطابات کو سنیئے ان کی گفتگو سنیئے، ہمارے معاشرے کے ساتھ قطعاً آپ کو ان کی مماثلت اور مشابہت نہیں ملے گی۔

یہ بہشتیؒ، شہید جواد باہنرؒ، شہید باقر الصدرؒ، شہید راغب لبنانیؒ مہدی الحکیمؒ جیسے ستاروں کی محفل تھی جس کا شہید حسینیؒ بھی ایک حصہ تھے

ان کو درک کرنے کے لئے ہمارے اندر پہلے استطاعت پیدا ہونی چاہئے۔ آخری بات بطور ایک شیعہ کے یہ کہوں گا کہ ہم نے اس ملک میں تین مراحل طے کئے ہیں، جب پاکستان بنا تھا اس وقت یا تو ساری تنظیمیں غیر منظم تھیں یا سرے سے نہیں تھیں، تو اس طرح جو پہلا مرحلہ تھا وہ شیعہ مطالبات کے حوالے سے چھوٹی چھوٹی تنظیموں کا تھا جس کو مرحوم دہلوی صاحب کے دور میں ملک گیر حیثیت حاصل ہوئی۔ یہ واضح طور پر شیعہ مطالبات کی حد تک تھا۔ اس کے بعد مفتی جعفر حسین مرحوم اعلی اللہ مقامہ جو واقعاً اس زمانے کے ابوذر تھے، ان کا مقام بھی اس معاشرے میں کسی سے کم نہیں واقعاً زمانے کے ابوذر تھے، انہوں نے اس سلسلے میں ایک قدم اور آگے بڑھایا اور شیعیت کو ملک گیر کیا۔ انہوں نے اس تنظیم کو پورے ملک میں پھیلا دیا اور دوسرا یہ کہ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اخبار جنگ کو ایک نہایت رہنما اور سیاسی انٹرویو دیا۔ یہ انٹرویو ان کی علالت کے دوران ان کے گھر میں لیا گیا تھا۔ یہ ان کا آخری انٹرویو تھا جو ہمارے لئے ان کی ایک یادگار دستاویز بن گیا۔ یہ شائع شدہ مواد کی صورت میں موجود ہے۔ اس میں انہوں نے واضح کر دیا ہے کہ اس ملک کے اندر ہمارا ایک سیاسی رخ بھی ہے لیکن انہیں اس کے بعد وقت نہ ملا کہ وہ اپنے اس قول کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

شہید حسینیؒ کی یہ خوش قسمتی ہے اور ان کی وجہ سے ہمارے لئے یہ باعثِ سعادت و خوش بختی تھا کہ شہید نے شعوری طور پر انقلابِ اسلامی کو پاکستان میں متعارف کروایا۔ ہم نے جذباتی طور پر اور انہوں نے شعوری طور پر۔ (کسی کا یہ جملہ استعمال کرتا ہوں) شہید حسینیؒ کی تعریف کرتے ہوئے اس نے یہاں یہ جملہ کہا ہے کہ انہوں نے آئینے سے بھی زیادہ شفاف انداز میں یہاں انقلاب کو reflect (منعکس) کیا ہے، آئینے سے بھی زیادہ صاف انداز میں، کیونکہ آئینہ ہو بہو وہی کچھ منعکس کرتا ہے لیکن وہ کہتے ہیں نہیں نہیں آئینے سے بھی زیادہ صاف انداز میں۔ اتنی تشریح کے ساتھ کہ شیشہ بھی اتنی تشریح نہیں کر سکتا۔ دوسرے مرحلے میں شہید حسینیؒ نے قیادت کو سنبھالا، اس کاروان کے سالار بنے۔ انہوں نے ایک بہت بڑا مظاہرہ مینارِ پاکستان میں کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ پاکستان کے اندر ہمیں دخل ہے، پاکستان کے تعلیمی مسائل، پاکستان کے دفاعی مسائل، پاکستان کی خارجہ پالیسی، پاکستان کی ثقافت، غرض پاکستان کے ہر معاملے کے اندر ہمیں واضح طور پر دخل ہے، ہم کہنا چاہتے ہیں کہ یہ ایک بہت بڑا قدم ہے اور نیا قدم ہے جو شہید نے اٹھایا اور اب ماشاء اللہ یہ کارواں آگے چل رہا ہے۔ میں یہ دوستوں کو کہتا ہوں اور احباب کو یہی پیغام دیتا ہوں کہ بہت مشکل ہوتا ہے کسی نئی چیز کو سمجھنا اور نئے کام کرنا۔ اگر آپ نیا کام کر سکیں تو خوب ورنہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے شہید حسینیؒ کو سمجھنے کی کوشش کریں، یہ کافی ہے اپنی زندگیوں کو اور آنے والی نسلوں کی زندگیوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے۔

انٹرویو شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی رضوان اللہ تعالی علیہ

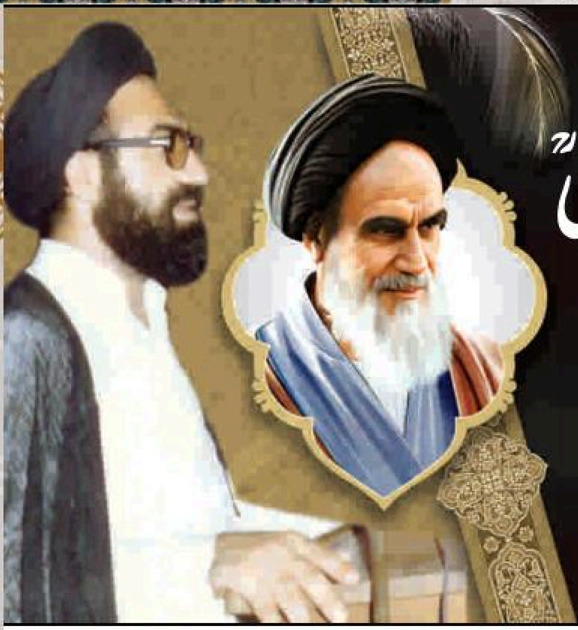

قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ

سید امتیاز علی رضوی

تمہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لقد من اللہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم

اللہ کے نام سے جو اپنے بندوں پر بڑا مہربان اور ان سے کبھی غافل نہیں ہے۔ انسان فطری طور پیکر محسوس کو اپنے سے زیادہ قریب سمجھتا ہے اور پھر محسوسات میں سے بھی اپنے ہم نوع سے سب سے زیادہ مانوس ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر شفقت فرماتے ہوئے انہیں میں سے ان کے ہادی قرار دیئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رضاؤں کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے محسوس اور مثالی نمونے پیش کیے کہ جن سے انسانوں کو ہمیشہ اپنائیت کی خوشبو آئی۔ قرآن نے ان ہادیوں کے لیے قوموں سے بار بار کہا کہ یہ تمہارا بھائی ہے تم میں سے ہے تمہارا اپنا ہے تم سا ہے آج جب کہ آسمان سے انسانوں کے لیے کوئی نئی ہدایت تو آنے والی نہیں لیکن وہ الٰہی سانچہ جس میں الٰہی انسان ڈھلتے ہیں آج بھی موجود ہے اور وہ آج بھی اپنی صلاحیتوں کے ساتھ کارفرما ہے اسے تو بس وہ گل درکار ہے جس سے تعمیر آدم ہو سکے۔ اسی سانچے میں ڈھل کر آنے والے عصر حاضر کے بڑے انسانوں میں سے سب سے نمایاں امام خمینیؒ ہیں اور جب امام خمینی آئے تو پھر یہ ایک ہی پھول نہیں تھا جو چمنستان انسانیت میں کھلا بلکہ وہ بہار کا پیغام بن کر آیا۔ گلستان اسلام میں نوید فصل گل بن کر آیا۔ ایک کلی کیا چٹکی گلشن کا گوشہ گوشہ مہک اٹھا۔ ایک چراغ کیا جلا بزم کائنات جگمگا اٹھی۔ خمینی آئے تو ان کے جلو میں مطہری آئے، صدر آئے، بہشتی آئے، حسینی آئے۔ ہماری دھرتی پر جو پھول کھلا اس کا نام حسینیؒ ہے آج مجھے آپ سے اپنی ملت کی اس مراد اور اس کے مرشد پیر حماران کے نورانی افکار کی ترویج اور تحفظ کے حوالے سے کچھ کہنا ہے۔

بحث کی تقسیم:

وقت کی محدودیت اور اپنی ناتوانی کو دیکھتے ہوئے اس اہم اور بنیادی موضوع پر سیر حاصل اور مکمل بحث تو نہیں کر پاؤں گا مگر چند چیزوں کی طرف اشارہ ضرور ہوگا۔ اپنی بحث کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ امام اور شہید کے افکار کی شناخت
۲۔ امام اور شہید کے افکار کی خصوصیات
۳۔ امام اور شہید کے افکار کی ترویج اور تحفظ کی ضرورت
۴۔ امام اور شہید کے افکار کی ترویج اور تحفظ کے لیے کیے گئے اقدامات کا اجمالی جائزہ
۵۔ امام اور شہید کے افکار کی ترویج اور تحفظ کا طریقہ کار

افکار اسلامی کا اصلی منبع امام خمینیؒ:

ان شاء اللہ ان موضوعات پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کی جائے گی۔ البتہ یاد رہے کہ ہماری ساری گفتگو میں ان افکار کا اصلی منبع خود حضرت امام خمینی کی ذات مبارک ہے اور شہید حسینیؒ ایک پیرو اصلی امام اور پاکستان میں اس عظیم ہستی کے حقیقی ترجمان اور اس راہ کے ایک عظیم مجاہد کے عنوان سے گفتگو کا موضوع قرار پائیں گے۔ امام خمینی اور شہید حسینی کے افکار کی شناخت:

افکار سے ہماری مراد ہے:

گفتگو کے آغاز میں روشن ہوجانا چاہیے کہ ''افکار'' سے ہماری کیا مراد ہے۔ اس بحث میں افکار سے مراد ہماری مراد ان دو شخصیات کے نظریات ہیں جو انہوں نے اپنی حیات میں بیان کیے۔ تحریر کی صورت میں یا تقریر کی صورت میں یا کسی بھی اور طریقے سے علاوہ ازیں افکار سے ہماری مراد ان دو حضرات کی حکمت عملی ہے جو انہوں نے اپنے زمانے کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اختیار کی تھی۔

افکار کی شناخت کی ضرورت:

پہلے مرحلے پر ہم ان افکار کی شناخت کی ضرورت اور اس کے طریقہ کار پر بحث کریں گے جب بھی کوئی کسی بھی چیز کے تحفظ یا ترویج کے لیے قدم بڑھائے تو ضروری ہے کہ اس چیز کی مکمل شناخت رکھتا ہو، جانتا ہو کہ وہ کس کے تحفظ یا ترویج کے لیے سرگرم ہے۔ لہٰذا اگر ہم ارادہ رکھتے ہوں کہ امام اور شہید کے افکار کی ترویج اور تحفظ کریں تو ہمارے لیے ضروری ہوگا کہ سب سے پہلے ان افکار کی معرفت حاصل کریں۔

افکار کی شناخت کا طریقہ کار:

اب رہا مسئلہ کہ اس شناخت و معرفت کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے تو عرض ہے کہ معرفت کا بنیادی عنصر آج مطالعہ ہے۔ امام اور شہید کی تقاریر اور سرگرمیاں تحریری صورت میں بھی موجود ہیں اور آڈیو، ویڈیو کیسٹوں کے ذریعے بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ حضرت امام کی تالیف شدہ چند کتابیں بھی دستیاب ہیں ان حضرات کی اپنی تحریروں اور تقریروں کے علاوہ دنیا کے مختلف دانش مندوں، مفکروں اور علماء نے بھی آپ کی زندگیوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور کہا ہے۔ ان اذہان کی یہ ارزشمند کوشش بھی ہمیں امام اور شہید کے افکار کو سمجھنے میں مدد دے سکتی ہے۔ معروف شعراء نے بھی اپنے دلفریب اور حسین انداز میں عوام الناس تک ان افکار کو پہنچانے کی سعی کی ہے۔ لہٰذا ان اشعار کو بھی شناخت کا ایک منبع قرار دیا جاسکتا ہے۔ دوست اور دشمن ہر ایک نے ان حضرات کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ ان افکار کی معرفت کے لیے دشمنوں کی تنقید اور اعتراضات کا جائزہ بھی لیا جانا چاہیے غیر جانبدار قسم کے افراد کے تجزیئے اور آراء بھی ان حضرات کے بارے میں مختلف رسالوں، اخباروں اور ذرائع ابلاغ کے دوسرے وسائل کے توسط سے عوام تک پہنچائے گئے ہیں۔ ان کا بھی ایک جائزہ لیا جانا چاہیے۔ اس کے علاوہ جس چیز کی طرف زیادہ زور دینا چاہوں گا وہ ان دو بلند مرتبہ شخصیات کے پیروکاروں کی آپس کی بحث و گفتگو ہے۔ وہ مجاہد جوان افکار کے تحفظ اور ترویج کے لیے مصمم ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ان افکار کی معرفت کے لیے آپس میں نشستیں رکھیں، گفتگو کریں ممکن ہے میری نظر سے ان کی زندگی کا کوئی پہلو اوجھل ہو تو اس گفتگو کے ذریعے اپنے بھائی کے توسط سے اس حجاب کو دور کرسکتا ہوں۔ ممکن ہے میرے نزدیک ان شخصیات کی کوئی بات مبہم رہ گئی ہو اپنے دوست اور ساتھی کی مدد سے اس ابہام اور احتمال کو دور کرسکتا ہوں۔ اس کے علاوہ آپس کے تعاون سے مطالعات میں تقسیم کار بھی ہوسکتی ہے۔ ایک دوست ایک موضوع پر مطالعہ کرے تو دوسرا کسی اور پر اور پھر آپس میں اپنے مطالعات کا نچوڑ منتقل کریں گویا اس ذریعے سے ایک سنگین ذمہ داری کی ادائیگی میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹایا جاسکتا ہے اور یوں اس ذریعے سے بھی ان افکار کی ترویج اور تحفظ کے لیے اجتماعی جدوجہد کی جاسکتی ہے۔ یاد رہے کہ ان افکار کی شناخت کے لیے کیے جانے والے مطالعات میں ان حضرات کی زندگیوں کو مختلف جوانوں سے زیر بحث لایا جاسکتا ہے ایک مرتبہ ان کی زندگیوں کی طولی تقسیم کی جاسکتی ہے مثلاً بچپن، ابتدائی تعلیم، حوزہ علمیہ میں تعلیم و تحقیق کے مراحل، عملی میدان میں قدم، سیاست میں ورود، قیادت اور رہبری کی ذمہ داریوں کی ادائیگی وغیرہ جب کہ دوسری مرتبہ ان کی زندگیوں کی عرضی تقسیم کرکے ہر ہر حصے کو علیحدہ طور پر زیر بحث لایا جانا چاہیے۔ مثلاً عابد و زاہد ہونے کے ناطے

سے خفیہ و عالم و مدرس کے حوالے سے ایک غریب پرور اور عارف کے طور پر ایک سیاست دان اور رہبر کے عنوان سے ایک گھرانے کے فرد کے حوالے سے اور ایک انسان شناس اور جامعہ شناس کے ناطے سے، گویا مختلف عناوین کے تحت ان حضرات کی شخصیات کو زیرِ بحث لانا چاہیے۔

امام خمینیؒ اور شہید حسینیؒ کے افکار کی خصوصیات:

وہ آگاہ اور بلند ہمت افراد جو امام اور شہید کے افکار کے تحفظ اور اس کی ترویج کے لیے عزم مصمم رکھتے ہوں ان کو ان افکار کی معرفت اور شناخت کے علاوہ ان کی صداقت پر راسخ عقیدہ بھی رکھنا چاہیے۔ ان افکار سے عشق بھی ہونا چاہیے تا کہ عاشقانہ، اس مقدس عمل کے لیے جدوجہد کریں اس عشق و محبت اس عقیدے اور ایمان کو پیدا کرنے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ ان افکار کی خصوصیات اور امتیازات کو جانا جائے اپنی گفتگو میں ان امتیازات اور خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کریں گے اور اسی ضمن میں بیان کرنے کی کوشش کریں گے کہ آخر ہم نے پاکستان سے شہید عارف حسین حسینیؒ کی شخصیت ہی کا انتخاب کیوں کیا ہے کہ ان کے افکار کے تحفظ اور ترویج کو زیرِ بحث لائیں جب کہ ان کی جگہ کسی اور ہستی کا انتخاب بھی کر سکتے تھے۔ ان شاء اللہ با تائیدات خدا سے اس اہم موضوع پر بھی کچھ اظہار خیال کیا جائے گا۔

تاریخ ساز افکار:

چونکہ یہ شخصیات تاریخ ساز تھیں اس لیے ان کے افکار بھی تاریخ ساز تھے۔ ان کے افکار نے تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔ معاشرے کی تقدیر کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے نئی جہت دی۔ بشریت کو اس کی نجات کی راہ بتلائی، قید و بند میں سسکتی انسانیت کو آزاد فضاء میں لا کھڑا کیا۔ گویا موجودہ دور کے مسیحا کا کردار ادا کیا۔ تاریخ ساز اور نجات دہندہ ہونے کے ناطے ان حضرات کے افکار موجودہ دور کے تمام نظریات سے ممتاز ہیں۔

انسان کامل کے افکار:

ان حضرات کی شخصیات جامع الشرائط تھیں، کتنی ہی صفات حسنہ ایک ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔ ممکن ہے اگر ان حضرات کی مختلف ہستیوں کو علیحدہ علیحدہ دیکھا اور پرکھا جائے تو کوئی ان کے مقابلے میں کسی اور شخصیت کو لا کھڑا کرے مگر خوبی تو یہ تھی کہ مختلف صفات ایک ذات میں جمع تھیں، عالم تھے تو مجاہد بھی تھے، زاہد تھے تو سیاست دان بھی تھے، عارف تھے تو فلسفی بھی تھے، خدا دوست تھے تو انسان دوست بھی تھے۔ خلاصہ یہ کہ انسان کامل تھے اور کوئی انسان کامل ہو تو سہی پھر اس کے نظریات اور طرز عمل پر اعتماد اور یقین محکم ایک آئینہ دل انسان کے لیے فطری سی بات ہے۔

کارپیامبری اور کارولایت:

ان شخصیات کے افکار کا ایک امتیاز یہ تھا کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے افکار کو بیان کیا ہو بلکہ اپنے نظریئے کے لیے جدوجہد بھی کی اور پھر انہیں نافذ بھی کیا اور پھر اسے قابل عمل ثابت بھی کیا۔ امام خمینیؒ سے پہلے فقہاء کا طریقہ بالعموم یہ تھا کہ اسلام کے حکم کو صرف بیان کر دیا جائے۔ امام خمینیؒ ایسے فقیہ تھے جنہوں نے حکم اسلام کو بیان بھی کیا، موجودہ دور کے مطابق اس کی اجتماعی حکمت کا ذکر بھی کیا اس کے نفاذ کے لیے جدوجہد بھی کی اور پھر اس حکم کو نافذ بھی کر کے دکھایا اور دس سال تک تمام تر مشکلات اور مصائب کے باوجود، اس نظام کو چلا کر سمجھا بھی دیا کہ یہ صرف باتیں نہیں بلکہ ایک قابل عمل نظام حیات ہے مثلاً نماز جمعہ اور حج کے فقہی احکام تو سب بیان کرتے ہیں لیکن امام نے ان کے حکم کو بیان کرنے کے علاوہ ان کی اجتماعی حکمت کو بھی پوری قوت سے بیان کیا اور پھر حقیقی نماز جمعہ اور حج ابراہیمی کے نفاذ کے لیے جدوجہد کی اور انہیں منعقد کر کے بھی دکھا دیا اسی طرح اسلامی حدود و تعزیرات کو بھی نافذ کیا اور ایک عملی شکل دی۔ خلاصہ یہ کہ کارپیامبر بھی کیا اور کارولایت بھی امام خمینیؒ نے دشمنان اسلام کی شناخت کرائی، ثابت کیا کہ یہی دشمنان اسلام ہیں۔ ان کا مقابلہ بھی کیا جس کے ذریعے واضح کیا کہ ان کا مقابلہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ سلمان رشدی کے مسئلے میں آپ نے حکم اسلام کو بیان کیا تو جب ساری اسلام دشمن قوتیں متحد ہو کر آپ کے مقابلے پر آئیں تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ حقیقت میں کون لوگ ہیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تک کے دشمن ہیں۔

مثالی اسلامی کردار:

امام خمینیؒ اور شہید حسینیؒ نے اپنے افکار کو بیان کیا اور اپنے کردار اور عمل سے ان کی سچائی پر مہر ثبت کی۔ گویا کہ ہمارے سامنے اسلام کا وہ آئیڈیل اور مثالی کردار پیش کیا جو کتابوں میں محفوظ تھا۔ اس کردار کو کتابوں سے نکال کر

عملی صورت میں ہمارے سامنے لے آئے۔

دنیا کے رائج نظاموں کی مخالفت:

امام خمینیؒ اور شہید حسینیؒ کے افکار کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے دنیا میں رائج سیاسی ڈھانچے کی مخالفت کرتے ہوئے جدوجہد کی اور حقیقی اسلامی بنیادوں پر ڈھانچہ Nation States کی بنیاد پر قائم ہے جس کے مطابق ہر ملک کے عوام علیحدہ ایک قوم ہیں، اسی نظریئہ کی بناء پر United Nations یا اقوام متحدہ کا ادارہ وجود میں آیا ہے۔ امام خمینیؒ اور حسینیؒ کے افکار قومی ریاستوں کے اس نظریئے سے مطابقت نہیں رکھتے اور آپ کے بیانات اور طرزِ عمل سے یہ چیز روشن ہے۔ امام خمینیؒ کا گورباچوف کے نام خط اس کی ایک روشن دلیل ہے کیونکہ یہ خط Nation States کے نظریئہ کے مطابق ایک ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت تھا اور اسی بات کا اظہار گورباچوف نے حضرت آیت اللہ جوادی آملی سے بھی کیا تھا۔

امام خمینیؒ کے افکار کے مطابق جدوجہد پوری دنیا پر کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ چھا جانے تک جاری ہے۔

مستضعفین کے لیے جدوجہد:

امام خمینیؒ کی حکمت عملی کا دنیا میں موجود مختلف اسلامی تحریکوں کی حکمت عملی سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ نے روایتی انداز میں کوئی پارٹی تشکیل نہیں دی بلکہ آپ نے پوری دنیا کے مستضعفین کی نجات کے لیے پرچم بلند کیا اور ان مستضعفین سے آپ کا رابطہ کسی پارٹی کے دفتر کسی لیٹر پیٹڈ اور کسی ممبر شپ فارم کے بغیر گویا یہ رابطہ ایسا تھا جیسے ایک پیغمبر اور امام کا امت سے رہا ہے۔

بلند پروازی:

علاوہ ازیں آپ کی تحریک کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ آپ نے اپنے اہداف محدود نہیں رکھے بلکہ اپنی پرواز ہمیشہ بلند رکھی۔ پوری دنیا میں عالمی اسلامی حکومت کی بات کی۔ اپنا دشمن بھی بڑا رکھا جنگ صدام کے ساتھ تھی مگر حقیقی دشمن امریکہ کو ہی قرار دیا اور تھا بھی یوں ہی۔

حسینیؒ پاکستان کی ممتاز شخصیت:

اب رہا سوال اس بات کا کہ شہید عارف حسین الحسینیؒ کو کیا امتیاز حاصل ہے کہ ہم نے پاکستان سے آپ ہی کی ذات کا انتخاب کیا ہے اور آپ کی شخصیت کو امام خمینیؒ کے افکار کا جامع اور حقیقی ترجمان تصور کیا ہے اور آپؒ کے افکار کے تحفظ اور ترویج کا عزم و ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام کی طرح آپ کی شخصیت بھی جامع الشرائط تھی۔ بہت سی خوبیاں آپ کی تنہا ذات میں جمع ہوگئی تھیں۔ جس کی نظیر پاکستان بلکہ پورے برصغیر میں نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ آپ کے افکار و نظریات اور طریقہ کار کی سچائی کی گواہی خود امام خمینیؒ نے دی ہے اور آپ کے افکار کے تحفظ کا حکم فرمایا ہے۔ پاکستان میں یہ آپ ہی کی پاک ذات تھی جس نے اپنی صلاحیتوں سے اپنی زندگی ہی میں اپنی قیادت کا لوہا منوا لیا تھا اور ہر بچے بچے کی زبان پر آپ کا نام تھا۔ پاکستان کی انقلابی ملت کو بہت ہی کم عرصے میں آپ نے نئی جہت دی تھی۔ دشمن بھی آپ ہی کو پاکستان میں مستضعفین اور محرومین کا نمائندہ سمجھتا تھا اور آپ کے مستقبل کے منصوبوں سے خوفزدہ تھا جبھی تو آپ کو اپنے راستے کی رکاوٹ خیال کرتا تھا گویا کہ ملت کی پہچان عارف حسینؒ تھا۔ اب ہم ان افکار کے تحفظ کے لیے اقدام کیوں نہ کریں جو ہماری پہچان بن گیا ہے۔ ان افکار کی ترویج کے لیے کیوں جدوجہد نہ کریں جن کی سچائی کے اثبات کے لیے شہید نے خود اپنا خون بہایا ہے کل تو وہ خود ساری قوم کے دل کا چین تھا آج اس کے افکار ساری قوم کے سکھ اور چین کا ذریعہ ہیں۔

افکار خمینیؒ و حسینیؒ ہی افکار اسلامی ہیں

امام اور شہید نے افکار اسلامی کو زندہ کیا جب ہم امام اور شہید کے افکار کی بات کرتے ہیں تو ہماری مراد یہ نہیں ہوتی کہ افکار اسلامی اور ہیں اور ان کے افکار اور وہ بلکہ یہی افکار اسلامی ہیں یہی افکار اسلام ناب محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ دور حاضر میں چونکہ مختلف قسموں کا اسلام پیش کیا جا رہا ہے اس لیے ضروری ہے کہ حقیقی اور خاص فکر اسلامی کے صحیح ترجمان کی نشاندہی کر دی جائے۔ آج خدا نے ان شخصیات کی اعلیٰ کردار کے باعث

ان کا انتخاب کیا ہے کہ ہم اسلام حقیقی کو ان کے حوالے سے جانیں اور سمجھیں یہ اس علیؑ کے حقیقی وارث ہیں جو جدھر مڑ جاتا تھا حق ادھر کو مڑتا تھا۔ لہٰذا اگر موجودہ دور میں حقیقی اسلام کا تحفظ اور ترویج چاہتے ہیں تو ان شخصیات کے افکار کی ترویج چاہتے ہیں تو ان شخصیات کے افکار کی ترویج اور تحفظ کرنا ہوگا اور روشن سی بات ہے کہ اسلام حقیقی کا تحفظ اور ترویج سب سے اہم ذمہ داری ہے کیونکہ بشریت کی نجات کا راستہ ہی یہی ہے۔ لہٰذا امام اور شہید کے افکار کا تحفظ بشریت کا تحفظ ہے۔ آپ کے افکار کی ترویج بشریت کے نجات کے پروگرام کی ترویج ہے۔

عالمی اسلامی تحریک کا عظیم سرمایہ:

امام اور شہید کے افکار کے تحفظ اور ترویج کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ یہ افکار عالمی اسلامی تحریک کا عظیم سرمایہ ہیں۔ ان کا ضیاع اسلامی تحریک کو بہت پیچھے لے جائے گا ابھی تو ہمیں قدم آگے بڑھانے ہیں یہ افکار ہمارے پشت پناہ اور متحرک ہیں۔ ان افکار کے دفاع پر بے پناہ قربانیاں دی جا چکی ہیں خون دیا گیا ہے، زحمتوں اور مصیبتوں کو برداشت کیا گیا ہے۔ اب اگر ان افکار کا تحفظ نہ ہوا تو گویا یہ قربانیاں، یہ محنتیں رائیگان گئیں۔ ان قربانیوں اور محنتوں سے وفا کا یہی راستہ ہے کہ ان افکار کے تحفظ اور ترویج کے لیے مجاہدانہ وار عمل ہوا جائے۔

اس امر میں کوتاہی عذاب الٰہی کا موجب ہوسکتی ہے۔

ان افکار کے تحفظ اور ترویج کے لیے جدوجہد کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر الٰہی تکوینی قانون کے مطابق اس گناہ عظیم کے نتائج کو بھگتنے کے لیے بھی ہمیں تیار رہنا چاہیے۔ حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں فرمایا ہے کہ تم گذر جانے والوں سے عبرت حاصل کرو اس سے پہلے کہ آنے والوں کے لیے سامان عبرت بن جائے۔

انسانی علمی ارتقاء کا تحفظ:

آج کا دور علمی اور فلسفی دور ہے۔ انسان کے بارے میں معاشرے اور اجتماع کے بارے میں، تاریخ کے بارے میں، تحریکوں اور انقلابات کے بارے ہزار تحقیقیں ہوچکی ہیں۔ دنیا کی تقریباً ہر یونیورسٹی میں انہی موضوعات پر علیحدہ علیحدہ شعبے موجود ہیں۔ مفکران اور محققان اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ علمی اور تحقیقی لحاظ سے انسان مرحلے بہ مرحلہ آگے بڑھ رہا ہے۔ امام اور شہید کے افکار ان علمی اور تحقیقی ارتقاء میں بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں خصوصاً جب کہ یہ افکار اسلامی نظریئے کو بیان کرنے والے ہیں۔ لہٰذا امام اور شہید کے افکار کا تحفظ گویا انسانی علمی ارتقاء کا تحفظ ہے۔

۴۔ امام خمینیؒ اور شہید حسینیؒ کے افکار کی ترویج اور تحفظ کے لیے کیے گئے اقدامات کا اجمالی جائزہ:

امام کے آثار کی جمع آوری:

حضرت امام خمینیؒ کے آثار کی جمع آوری اور اس کے تحفظ کے لیے جمہوری اسلامی ایران میں باقاعدہ ایک ادارہ تشکیل دیا جا چکا ہے اور امتیازی اطلاعات کے مطابق امام کے آثار کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمے کا کام شروع ہے اور ایک اندازے کے مطابق چند سالوں میں اردو زبان میں بھی امام کے آثار ترجمہ ہوکر منظر عام پر آجائیں گے۔ اس سلسلے میں پاکستان میں کیا جانے والا کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ پاکستان کی مخلص عوام کی مظلومیت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ امام کے نظریات پر مشتمل چند کتابوں کے علاوہ پورے دس سال میں عوام تک ان کے محبوب رہبر کے نظریات اور ارشادات حقیقی معنوں میں نہیں پہنچ سکے بلکہ مختلف اخباروں اور رسالوں میں کبھی کبھار آپ کی کسی تقریر کا ترجمہ چھپ جاتا تھا مگر یہ اقدامات کافی نہ تھے پھر غیر منظم بھی تھے اور اب بھی ایسا ہے ایک کﷺش آئیند بات البتہ ضرور ہے کہ امام کا وصیت نامہ خاصی بڑی تعداد میں مختلف اداروں کی طرف سے شائع کیا گیا ہے اور عوام کی دسترس میں ہے۔ ان شاء اللہ جمہوری اسلامی ایران میں تشکیل دیئے جانے والے ''مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ'' کی طرف سے جب امام کے آثار اردو میں ترجمہ ہوکر منظر عام پر آجائیں گے تو اس کوتاہی کا کسی حد تک ازالہ ہوجائے گا پھر ان آثار کی پاکستان میں تقسیم اور پھر پاکستانی اداروں کی جانب سے اشاعت کی ذمہ داری یقیناً ہمارے کندھوں پر ہوگی۔ علاوہ

ازیں ان آثار کا تجزیہ اور تحلیل ان کا موضوع مطالعہ اور ان سے صحیح طور پر استفادے کے لیے پاکستان کے اہل دانش و بینش اور اہل درد ہی کو کچھ کرنا ہوگا۔اس کے لیے ابھی سے تیار ہونا چاہیے۔

شہید عارف حسینی حسینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے دو کام اہمیت کے حامل تھے۔

مقدمہ قتل کی پیروی؛

مقدمہ قتل کی پیروی کے حوالے سے کافی مشکلات تھیں مگر اس پہ کام ہوتا رہا ہے، امامیہ نوجوانوں نے اس حوالے سے ملک بھر کے علاوہ اسلام آباد میں مسلسل مظاہرے ،احتجاج اور گرفتاریاں تک پیش کی ہیں اور قتل کے کرداروں کو بے نقاب کرنے سے لیکر انہیں عدالتی مراحل میں لانے کی جدوجہد کی ہے، جس کو تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔

شہید کے آثار کی جمع آوری

اب رہا مسئلہ آپ کے آثار کی جمع آوری کا، اس سلسلے میں آپ کی شہادت کے فوراً بعد شہید حسینی فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں آ گیا تھا اور دو اڑھائی سال میں اس فاؤنڈیشن نے چند مفید کتابیں بھی شائع کی ہیں، افکار زندہ کے نام سے آپ کے ارشادات پر مبنی کتابچوں کے علاوہ ؛قتل سحر؛ کے نام سے شعراء کا کلام ؛عکس نور؛ کے نام سے ایک تصویری البم وغیرہ شائع ہو چکی ہے (یہ اس دور کی بات ہے جب العارف اکیڈیمی قائم نہیں ہوئی تھی بعد ازاں العارف اکیڈیمی کے پلیٹ فارم سے شہید کے آثار کی جمع آوری و اشاعت کا کام میں کافی بہتری آئی جو تاحال اپنے امور کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ادارہ)

افکار کا تحفظ اور ترویج یعنی اہداف کا تحفظ اور ترویج:

ان سب باتوں کے ساتھ اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ امام اور شہید کے افکار کے تحفظ اور ترویج کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ آپؒ کے اہداف کو باقی اور زندہ رکھا جائے۔ اگر ان کے آثار کی جمع آوری کی بات کی جاتی ہے تو وہ اس لیے کہ ہمارے پاس ان کے افکار کی سند موجود ہو اور اس ذریعے سے ہم ان کے اہداف کا دفاع کریں۔ آپؒ کے افکار کی ترویج کا معنی یہ ہے کہ عالمی اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جدوجہد جاری رکھی جائے۔ غریب اور محروم عوام و مستضعف افراد اور قوموں کی مدد کی جاتی رہے۔ قومیت اور نژاد پرستی کے خلاف جدوجہد ہوتی رہے۔ اتحاد بین المسلمین کی فضاء برقرار کر دی جائے۔ اسرائیل کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ امریکہ جیسے شیطان کی سرپرستی ہرگز قبول نہ کی جائے اگر ہم ان اہداف کو حاصل کر گئے یا ان کے حصول میں مددگار ثابت ہوئے تو گویا ہم ان افکار کے حصول میں مددگار ثابت ہوئے تو گویا ہم ان افکار کے حقیقی محافظ ہیں۔ یہ بات نہایت اہم ہے کہ ہمیں کسی بھی حالت میں ان شخصیات کے متعلق اپنے اذہان کو جمود کا شکار نہیں ہونے دینا چاہیے۔ زمانے کے اعتبار سے انہوں نے اپنے ہدف کے حصول کے لیے جو وسائل اختیار کیے تھے ان کو پہچاننا چاہیے۔ جان لینا چاہیے شہید حسینیؒ کا ہدف کسی صدارت کا حصول نہیں تھا۔ ان کا ہدف تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کی قیادت نہیں تھا بلکہ ان کے زمانے میں یہ وہ ذرائع تھے جس سے انہوں نے اپنے اعلیٰ اہداف کے حصول کی جدوجہد میں مدد حاصل کی تھی۔ امام اور شہیدؒ کے افکار کے تحفظ اور ترویج کا معنی یہ ہے کہ پورے عالم اسلام سے اپنا رابطہ قائم کر لیا۔ ملت شہید حسینیؒ کے قول کی روشنی میں فقط شیعہ ہو کر ہی نہیں سوچنا چاہیے بلکہ ایک مسلمان اور پاکستانی ہونے کے ناطے بھی اپنی ذمہ داریوں کا تعین کرنا چاہیے۔ شہید حسینیؒ تو بھارتی مسلمانوں کے لیے کام کرنے کو پاکستان کے عوام کے فرائض میں سے شمار کرتے تھے۔ آپ اپنے وجود کے تحفظ سے مسلمان بھائیوں کے تحفظ کو زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ کیا ہم جانتے ہیں کہ شہید کا خود اپنا محافظ آپؒ کی شہادت کے وقت کس کام کی غرض سے باہر گیا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی حفاظت کے لیے شہید کے حکم پر ایک اہم کام کی انجام دہی کے لیے۔ اے شہید حسینیؒ تیری عظمت کو سلام کہ تو نے اپنی حفاظت کو نظرانداز کر کے اور اپنی جان کی قربانی دے کر مسلمانوں کی حفاظت کا سامان مہیا کیا۔

قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی کی نہضت و فکر سے آئی ایس او کی وابستگی

ڈاکٹر راشد عباس سید کے قلم سے روشن حقائق

شہید علامہ عارف حسین الحسینی اور ان کے قتل کے مقدمے نیز ان کے افکار و نظریات کو زندہ رکھنے میں آئی ایس او کے کردار پر کچھ تحریر کرنا ایک محنت طلب اور بالکل پیچیدہ کام ہے۔ یوں بھی اس مسئلے کے حوالے سے تاریخ کے پلوں کے نیچے سے اتنا پانی گزر چکا ہے کہ ماضی کے اس وقت کو دوبارہ یاد کرنا آسان نہیں۔ ہماری قومی کمزوری یہ رہی ہے کہ ہم تاریخ کو صحیح وقت پر مرتب نہیں کرتے اور جب چڑیاں کھیت چگ جاتی ہیں تو ہم لکیر کو پیٹتے رہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ محترم جناب امجد کاظمی ایڈووکیٹ صاحب نے اس حوالے سے بہت کچھ مرتب کر رکھا ہو گا لیکن وہ کب منظر عام پر آئے گا اس پر کچھ رائے نہیں دے سکتا البتہ بیسیوں اور بھی ہوں گے جو شہید عارف کی شہادت سے اب تک مسلسل قومیات میں دخیل ہیں اور وہ اس موضوع پر ناچیز سے کئی گنا بہتر حقائق سامنے لا سکتے ہیں اور انہیں البتہ ان حقائق کو ایک قومی امانت سمجھ کر قوم کی نئی نسلوں کو منتقل کرنا چاہیئے وگرنہ تاریخ اس غلطی کو آسانی سے نظر انداز نہیں کرے گی۔ میں ایک بار پھر اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس موضوع پر قلم اٹھاتے وقت خالی الذہن ہوں البتہ خداوند عالم سے دعا گو ہوں اور شہداء کی ارواح سے توسل کرتا ہوں کہ میرے لیے آسانیاں فراہم ہوں تا کہ کچھ باتیں ضبط تحریر میں لا سکوں۔ میں نے برادر ارشاد ناصر سے بھی کہنا تھا کہ اس کے لیے فلاں آدمی مناسب تر ہے لیکن ان کا اصرار اس تشنہ و نامکمل تحریر کا باعث بنا۔ میں سب کو ٹال سکتا ہوں اور متعدد بار ٹالا بھی ہے لیکن ''العارف'' کے لیے ارشاد ناصر کی سخت کوشش اور مسلسل جدوجہد مجھے مجبور کر دیتی ہے کہ میں ان کی فرمائش کو نظر انداز نہ کروں۔ بہرحال ''العارف'' کے قارئین کے لیے یہ بکھری بکھری تحریر حاضر ہے۔ خداوند عالم قبول فرمائے۔

اگر کربلا کے تاریخی واقعہ اور سید الشہداء کی شہادت کے تناظر میں ہمارے آئمہ معصومینؑ اور علماء و اوصیاء کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے اور ان کا جو کردار رہا ہے اس میں اس واقعہ سے متعلق چند زاویے خصوصی طور پر قابلِ ذکر نظر آتے ہیں۔

لہذا زاویہ شہداء کربلا کے قتل کا انتقام تھا۔ دوسرا زاویہ دشمن کو بے نقاب کرنا تھا۔ تیسرا زاویہ مقصد سید الشہداء کو زندہ رکھ کر اس کی تبلیغ و ترویج تھا۔ چوتھا زاویہ اس سے آئندہ کی نسلوں کے لیے پیغام حاصل کرنا تھا۔ اس کے علاوہ اس مظلومیت کو لے کر سیاسی و سماجی اہداف کا حصول تھا۔

آئی ایس او کا ایک مقبول نعرہ ہے ''ہے ہماری درسگاہ۔ کربلا کربلا''

ہم اس درسگاہ سے استفادہ کرتے ہوئے شہید عارف حسین الحسینی کی شہادت کے بعد آئی ایس او کی ذمہ داریوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

شہید عارف الحسینی کی شہادت کے بعد پہلی ذمہ داری اس مظلوم سید کے قتل کا انتقام تھا۔ قرآن خون کے بدلے خون کی بات کرتا ہے اس تناظر میں آئی ایس او یقینا اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ یہ فریضہ انجام دے لیکن اس میں بھی کوئی دوسری رائے نہیں کہ امام زمانہ عج کے غائبانہ تیر وقتاً فوقتاً ان تمام قاتلوں پر برسے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس قتل میں ملوث تھے۔ دوسری ذمہ داری دشمن کے بے نقاب کرنے کی تھی۔ اس تناظر میں آئی ایس او نے

شہادت کی خبر کے ساتھ ہی اپنی تحریک کا آغاز کر دیا تھا اور شہید کی شہادت سے لے کر آج تک ان دشمنوں کو بے نقاب کر کے ان سے دشمنی اور برأت کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔ ظاہری دشمن چاہے وہ ضیاء الحق، فضل حق یا کسی خفیہ ایجنسی کا سربراہ تھا شہادت کے فوراً بعد بے نقاب ہو گیا تھا اور جو سلسلہ کیپٹن ماجد گیلانی تک پہنچتا تھا۔ وہ سرکاری اور غیر سرکاری کوششوں کے باوجود منظرِ عام پر آ گیا اور دوست دشمن سب نے اعتراف کیا کہ اس قتل کی سازش کہاں تیار کی گئی تھی اور پاکستان میں کون لوگ آلہ کار کے طور پر استعمال ہوئے۔

عالمی سامراج کے ایجنٹوں نے اسے فرقہ وارانہ اور پاکستان کے داخلی سیاست سے جوڑنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی لیکن آئی ایس او کا ہمیشہ یہ مؤقف رہا ہے کہ یہ سازش واشنگٹن اور پینٹاگون کے ایوانوں میں تیار کی گئی اور اسی مؤقف کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے شہید کی شہادت کے بعد مردہ باد امریکہ اور مردہ باد اسرائیل کے نعروں میں شدید شدت پیدا کی۔ شہید کی شہادت کا ایک پہلو پاکستان کی عدالتوں میں دشمن کو بے نقاب کر کے سزا دلوانا تھا۔ اس مسئلے میں بھی آئی ایس او کی خدمت سب سے نمایاں ہے۔ پاکستان میں مجرموں کی گرفتاری اور عدالت سے انصاف کے لیے سیاسی و عوامی دباؤ لازمی امر ہے اس حوالے سے آئی ایس او نے انتہائی خطرناک اقدامات انجام دیئے جو اس تنظیم پر مکمل پابندی پر منتج ہو سکتے تھے لیکن آئی ایس او نے ہر طرح کے خطرات کو قبول کرتے ہوئے ایوان صدر اور قومی سیکرٹریٹ کے محاصرے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ آئی ایس او کے سینکڑوں جوان جو اس معرکے میں شریک تھے ان کو تو یقیناً ایوانِ صدر کے محاصرے اور اسلام آباد سیکرٹریٹ پر قبضہ کے پُرخطر لمحات یاد ہوں گے لیکن ان ایام کے اخبارات بھی اس بات کی گواہی دیں گے کہ آئی ایس او کے نوجوان کس بے جگری کے ساتھ سیکورٹی فورسز کے ساتھ معرکہ آراء ہوئے اور انہیں پسپائی پر مجبور کر دیا تھا۔ شہید کے قاتلوں کی گرفتاری اور عدلیہ کو انصاف کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کراچی سے خرلاچی تک پاکستان کا کوئی شہر، قریہ، خطہ ایسا نہیں ہو گا جہاں پر آئی ایس او نے صدائے احتجاج بلند نہ کی ہو۔ ان مظاہروں کے نتیجے میں سیکورٹی فورسز، انتظامیہ اور حکمران طبقے نے آئی ایس او کو خاموش کرانے کے لیے کیا کیا حربے استعمال کیے ہوں گے وہ پاکستانی انتظامیہ اور اداروں کی تاریخ سے آگاہ ہر فرد آسانی سے درک کر سکتا ہے۔ مقاومت اور مزاحمت آئی ایس او کا طرۂ امتیاز تھا۔ طالب علم ہونے کے باوجود اور قومی امور میں اسلامی انقلاب کا ساتھ دینا اور امام خمینیؒ کے راستے پر قائم رہنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ آئی ایس او نے اپنے حقوق کے لیے استقامت و مزاحمت کے راستے کو زندہ رکھا اور کمپرو مائز اور اہداف پر سمجھوتے کی راہ کو ہمیشہ ٹھکرایا۔ شہید عارف حسین الحسینیؒ کا بھی یہی راستہ تھا اور جب تک یہ راستہ زندہ رہے گا تنظیموں کے اندر جرأت و بیداری اور جوش وولولہ باقی رہے گا اور اگر اس راستے کو فراموش کر کے سازبانہ اور سمجھوتوں کا سلسلہ شروع کیا گیا تو اس کا نتیجہ ناکامی کے ساتھ ساتھ آئی ایس او کی چالیس پچاس سالہ محنتوں پر پانی پھیرنے کے مترادف ہو گا۔ آئی ایس او نے شہید حسینیؒ کے قاتلوں کو بے نقاب کرنے کے لیے اس مزاحمتی روش کو اپنایا اور اپنے شہید کے خون کو رائیگاں جانے نہیں دیا۔ سرکار اور عدلیہ نے بیرونی دباؤ پر کیا انعام دیا وہ اپنی جگہ لیکن حکمرانوں پر یہ ضرور واضح ہو گیا کہ تشیع اپنے شہداء کو فراموش نہیں کرتی اور قاتلوں سے سمجھوتا نہیں کرتی۔ شہید حسینیؒ کے قاتلوں کی گرفتاری اور انہیں کیفر کردار تک پہنچانے کی تحریک میں پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ آئی ایس او کی واضح حریف تھی اور اس اسٹیبلشمنٹ نے آئی ایس او کو گھٹنے ٹیکنے اور سمجھوتا کرنے پر بارہا مجبور کیا لیکن کربلا کے ان راہیوں نے کسی بھی ابنِ سعد اور ابنِ زیاد سے سمجھوتا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے کربلا کے راستے کی بجائے ساز باز، جوڑ توڑ اور سمجھوتوں کا راستہ اختیار کیا وہ نہ صرف تاریخ میں ناقابلِ ذکر ہوتا ہے بلکہ اپنے ضمیر سے بھی تا مرگ شرمندہ رہتا ہے۔ آئی ایس او اور اسٹیبلشمنٹ کے اس معرکے میں آئی ایس او نے کئی قربانیاں دیں لیکن شہید حسینی کے قتل اور اس سے متعلقہ دیگر موضوعات پر کمپرومائز نہیں کیا آج بھی آئی ایس او کے ماضی کے ''العارف'' یا دیگر لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تنظیم ضیائی مارشل لاء اور امریکی نمک خوار پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کے مقابلے میں سیسہ پلائی دیوار بن کر ڈٹی رہی۔

شہید حسینی کے افکار و نظریات کو زندہ رکھنے کے حوالے سے اگر آئی ایس او کی خدمات کا ذکر کیا جائے تو اس کے لیے ایک مضمون نہیں کتاب بھی کم پڑے گی۔ اس دعویٰ کی دلیل میں بس اتنا ہی کافی ہے کہ آئی ایس او نے اپنے تنظیمی ترجمان رسالے ''راہِ عمل'' کا نام تبدیل کر کے ''العارف'' رکھ دیا۔

یاد ہے جب میں نے العارف کی رجسٹریشن کے لیے ''العارف'' نام تجویز کیا تو بعض احباب کا خیال تھا کہ اس پر سرکاری ردِعمل آئے گا لیکن ہم نے اس پر اصرار کیا اور ڈیکلریشن بھی مل گیا اور یہ نام بھی متعارف ہو گیا البتہ بعد میں کسی وجہ سے العارف کی بجائے ''افکارِ العارف'' ہو گیا۔ البتہ یہ اب بھی پہلے سے زیادہ شہید عارف سے آئی ایس او کی وابستگی کو نمایاں کرتا ہے۔ شہید کے افکار و نظریات کی تبلیغ و ترویج کے حوالے سے

آئی ایس او کی طرف سے بڑی مقدار میں لٹریچر شائع کیا گیا اور آئی ایس او کے سابقین نے شہید عارف الحسینی پر کتب تحریر کیں جن میں تسلیم رضا خان کی کتاب ''سفیر نور'' کا خصوصی طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے العارف اکیڈمی کی بہترین کاوش کو بھی ضرور خراج تحسین پیش کرنا چاہیئے۔ اسی طرح آئی ایس او کے سابقہ مرکزی صدر حجۃ الاسلام والمسلمین غلام شبیر بخاری کی شہید کے آثار و افکار کی جمع آوری و ترویج و اشاعت میں مسلسل اور انتھک کوششوں کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

آئی ایس او اور شہید حسینی کے افکار و نظریات کو یوں بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا لیکن جب امام خمینیؒ نے شہید حسینیؒ کے افکار کو زندہ رکھنے کی تلقین کی تو آئی ایس او کے کارکنوں نے اپنا شرعی وظیفہ سمجھتے ہوئے اس نیک عمل کو انجام دیا۔

آئی ایس او نے شہید کے پیغام کو جو کربلا کے پیغام کا تسلسل تھا کسی بھی مرحلے میں نظر انداز نہیں کیا۔ شہید عارف حسین الحسینیؒ کی شہادت کے بعد سے آج تک آئی ایس او کے ہر رکن کے لیے شہید حسینی اور ڈاکٹر محمد علی نقوی کے افکار و نظریات، نصب العین رہے ہیں اور یہ دونوں شہداء آئی ایس او کی پہچان ہیں۔

آئی ایس او نے کارِ زینبی کو جاری رکھتے ہوئے شہید حسینی کے پیغام کو آئندہ نسلوں کے لیے ایک لائحہ عمل اور روڈ میپ قرار دیتے ہوئے اپنے تنظیمی اور تربیتی سلسلے سے جوڑ دیا۔ آج جہاں آئی ایس او کا ذکر ہوتا ہے وہاں شہید حسینی کا نام نامی ضرور آتا ہے۔

آئی ایس او کے نوجوانوں کے اندر قرآن و اہل بیتؑ سے شدید وابستگی اور کربلائی راستے پر چلنے کی خواہش و امنگ شہید عارف کے افکار سے وابستگی کا نتیجہ ہے۔

آج آئی ایس او اپنے اصولی مؤقف پر ڈٹ کر اندرونی و بیرونی سامراج کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتی تو اس کی بنیادی وجہ بھی شہید حسینی و شہید ڈاکٹر نقوی جیسے شہداء سے فکری و نظریاتی قربت ہے۔

آئی ایس او نے شہید حسینی کی شہادت سے جو پیغام خود وصول کیا اور اسے دوسروں تک بھی پہنچایا وہ یہ تھا کہ ''شہادت ہمارا ورثہ ہے جو ہماری ماؤں نے ہمیں دودھ میں پلایا ہے'' شہید حسینی کا یہ پیغام ایک ایسا ابدی پیغام ہے جو بدر و اُحد و خندق و کربلا سے ہوتا ہوا قیام امام مہدیؑ تک فضاؤں میں گونجتا رہے گا۔

آئی ایس او نے شہید حسینی کے قتل کی سازش اور قاتلوں کو بے نقاب کرنے نیز شہید کے افکار و نظریات کی ترویج و تشہیر میں اپنا حصہ ضرور ڈالا ہے لیکن ذمہ داری شاید اس سے بھی زیادہ تھی۔ آئی ایس او کے ماضی کے دوستوں کو جتنی توفیق نصیب ہوئی انہوں نے کسی حد تک اُسے انجام دیا لیکن بقول شاعر ''غم شہید زیادہ ہے زندگی کم ہے'' کے مصداق اب بھی اس راستے میں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ماضی میں شہید حسینیؒ کے جانشینوں اور پیروکاروں کے درمیان اتنا فکری انتشار نہیں تھا جو اس وقت موجود ہے۔ شہید عارف کے جانشینوں نے شہید حسینی کے افکار و نظریات کی من مانی تفسیریں اور تشہیریں کیں۔ کوئی پاکستان میں رائج جمہوریت کو شہید حسینی کا راستہ قرار دے رہا ہے کوئی انتخابات میں شرکت کو شہید حسینی کے افکار کی روشنی میں حرام قرار دے رہا ہے کوئی سیکولر جماعتوں کے ساتھ اتحاد کو فکر حسینی کا حامل قرار دے رہا ہے۔ کوئی حلقہ ان تمام راستوں کو باطل قرار دے کر انقلاب کی باتیں کر رہا ہے۔ شہید حسینی کی برسیاں سب منا رہے ہیں۔ شہید عارف کا عاشق و پیروکار سب کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں لیکن شہید حسینی کے عمل و کردار کو جس طرح بیان کیا جا رہا ہے اس میں کھلے تضاد کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس صورتحال میں کچھ پرانے اور فعال کارکن تو گوشہ نشین ہوتے جا رہے ہیں۔ اس صورتحال میں حق کا پرچم بلند کرنے والوں کی جگہ خالی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک سنجیدہ حلقہ اپنے ذاتی، سیاسی اور تنظیمی مفادات کو پس پشت رکھتے ہوئے شہید حسینی کے متفقہ اور مستند افکار و نظریات کو سامنے رکھ کر پہلے مرحلے میں ان جانشینوں اور اگلے مرحلے میں تنظیمی کارکنان کو اس مجمع سے باہر نکالے۔ کچھ عرصہ پہلے ہم نے تشیع کے مرکز علم و اختصار حوزہ علمیہ قم کو ایک ثالث کے طور پر پیش کیا تھا لیکن بعض جانشینوں کے آبگینوں کو ٹھیس لگی تھی۔ اب بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ شہید عارف حسین الحسینی کے جانشینوں اور پیروکاروں کو قوم و ملت کو اتحاد و وحدت کا پیغام دینا چاہیئے اور خط امام خمینیؒ اور خط رہبر معظم پر چلنے کا عملی ثبوت فراہم کرنا چاہیئے اگر وہ یہ کام انجام نہیں دیتے تو انہیں اپنے من میں ڈوب کر یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ شہید حسینی کے راستے پر چل رہے ہیں یا اپنے نفس کے بچھائے جال میں گرفتار ہیں۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر کو ہم نے نہیں مروایا
دو راستے انتخاب یا انقلاب
قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ کا ایک تاریخی انٹرویو

ملک کے معروف میگزین ؛زنجیر؛ نے اکتوبر 1987ء کے شمارے میں قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی سے ایک تفصیلی انٹرویو لے کے شائع کیا ، جسے من وعن شائع کیا جا رہا ہے، اس انٹرویو میں شہید قائد نے بڑی تفصیل کیساتھ ہر قسم کے سوالات کے جوابات دیئے ہیں اس انٹرویو کو زنجیر کے نمائندہ جناب اکرم شیخ نے لیا، یاد رہے کہ زنجیر میگزین اس دور میں جب ضیا برسر اقتدار تھا اور پریس پہ سخت پابندیاں بھی تھیں ایک معروف میگزین تھا ،یہ دور اخبارات اور مجلوں کا دور تھا،اس وقت انٹرنیٹ،سوشل میڈیا،موبائل فونز نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی لہذا میگزینز ،اخبارات کی اہمیت ہوتی تھی،نئی نسل کیلئے یہ انٹرویو شہید کے سیاسی ،سماجی افکار سمجھنے اور ان کی روشنی میں قدم آگے بڑھانے میں بہت معاون و مددگار رہیگا۔ لیجئے زنجیر کے سوالات اور شہید قائد کے جوابات

س: تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے قیام کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟

ج: جب پاکستان وجود میں آیا تو اس کے بعد شیعہ برادری نے یہ احساس کیا کہ ایک ایسا پلیٹ فارم ہونا چاہئیے جس سے اہلِ تشیع کے حقوق کے لیے آواز بلند کی جا سکے۔لہٰذا تحفظ حقوق شیعہ کے نام سے ایک پلیٹ فارم بنایا گیا جس نے اپنے وقت میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ بعد میں شیعہ مطالبات کمیٹی کے نام سے ایک پلیٹ فارم بنا جس سے شیعوں کے حقوق کے لیے جدوجہد جاری رہی لیکن جب موجودہ مارشل لاء حکومت نے یہ احساس کیا کہ پاکستان کے عوام مسلمان ہیں اور اسلام کے احساسات و جذبات رکھتے ہیں تو انہوں نے پاکستان کے مسلمانوں کو خاموش کرنے کے لیے اسلام کا نعرہ لگایا بعد میں انہوں نے اسلام کے نام پر ایک خاص فقہ کا اعلان کیا۔

س: وہ فقہ کون سی ہے؟

ج: فقہ حنفی کا؛ طبعی طور پر اہل تشیع کی طرف سے ایکشن ہوا۔ پاکستان کے تمام علاقوں سے اہل تشیع مرکز میں جمع ہوئے اور وہاں بھرپور کنونشن منعقد ہوا جس میں مرحوم مفتی جعفر حسین کو قائد چنا گیا۔اس کے بعد انہوں نے اہل تشیع کے لیے خصوصاً فقہ جعفریہ کے حوالے سے جدوجہد کی۔ اس زمانے میں اہلِ تشیع کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ ہونا ہے۔ اولاً تو اس بارے میں ہمیں یقین ہے کہ حکومت مخلص نہیں ہے حکومت اسلام کے نام کو استعمال کر رہی ہے بہر حال اگر پھر بھی حکومت اسلامی نظام نافذ کرنا چاہتی ہے تو اگر حنفی بھائیوں کے لیے فقہ حنفی نافذ کرنا ہے تو اہل تشیع کے لیے فقہ اہل بیت اور فقہ جعفریہ نافذ ہونی چاہیئے۔ مفتی

جعفر حسین مرحوم کی کوششوں سے جو کنونشن منعقد ہوا اس کی روشنی میں حکومت اور شیعوں کے درمیان ۶ جولائی ۱۹۸۰ء کو ایک معاہدہ طے پایا جس میں حکومت نے معاہدہ کیا تھا کہ جو قوانین بن چکے ہیں اور ان میں فقہ جعفریہ کو نظر انداز کیا گیا ہے ان میں ترامیم کی جائیں گی بلکہ آئندہ بھی جو قوانین بننے والے ہیں ان میں بھی اہلِ تشیع کے لیے فقہ جعفریہ کا خیال رکھا جائے گا۔ انہوں نے صرف زکوٰۃ کی حد تک اس معاہدہ پر عمل درآمد کیا لیکن بعد میں انہوں نے اس معاہدہ کی مخالفت کی اور اب تک اس معاہدے پر عمل نہیں کیا۔ مفتی جعفر حسین جب اللہ کو پیارے ہو گئے تو اس کے بعد یہ ذمہ داری مجھے دی گئی۔ اس کے لیے مرکزی کونسل اور مجلس عاملہ جو دو بااختیار ادارے ہیں ان کا بعد میں اجلاس ہوا۔ لہٰذا دس فروری ۱۹۸۴ء کو یہ ذمہ داری مجھے سونپ دی گئی اگرچہ ہمارے آئین میں اغراض و مقاصد پہلے سے واضح ہیں لیکن ہم نے جب یہ ذمہ داری قبول کی تو یہ احساس کیا کہ ہم جہاں شیعہ ہیں وہاں مسلمان بھی ہیں اور پاکستان میں رہنے والے پاکستانی بھی ہیں۔ ہمیں شیعہ کے حوالے سے شیعہ حقوق کے لیے جدوجہد کرنی چاہیئے اور مسلمان ہونے کے حوالے سے اور اسلامی پیکر کا ایک جزو ہونے کے حوالے سے اتحاد بین المسلمین کے لیے بھی عندیہ دینا چاہیئے اور بین الاقوامی سطح پر بھی ہم مسلمانوں کے مسائل سے بھی الگ تھلگ نہیں رہ سکتے اور پاکستانی شہری کی حیثیت سے ہم پاکستان کے مسائل خواہ وہ اجتماعی ہوں، سیاسی ہوں یا جس قسم کے بھی ہوں ان سے ہم علیحدہ نہیں رہ سکتے۔ ہم نے مفتی جعفر حسین کے شروع کئے ہوئے کام کو ذرا وسعت دے دی اور تحریک کو صرف شیعہ مطالبات تک محدود نہیں رکھا بلکہ بالاتر ہو کر بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کے مسائل ہوں یا ملکی مسائل ان میں بھرپور حصہ کا ہم نے اظہار کیا ہے اور اس کے ساتھ ہم نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ فرقہ واریت پر مبنی تحریک نہیں ہے بلکہ ہم فرقہ واریت کو ملک کے لیے مضر سمجھتے ہیں جہاں ہم قومیت کے مسئلے کو رد کرتے ہیں اسی طرح فرقہ واریت بھی ملک کے لیے مہلک ہے۔

س: اقلیتی فقہ کو اکثریتی فقہ پر کیسے نافذ کیا جائے گا؟

ج: ہم نے اپنے منشور میں اس طرف واضح اشارہ کیا ہے اولاً یہ کہ مسلمانوں میں اخلاقی مسائل ہیں وہ کچھ زیادہ نہیں۔ بنیادی مسائل پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے درمیان جو مسائل متفق ہیں ان کو پبلک لاء کا رنگ دیا جائے اور جن مسائل پر اتفاق نہ ہو ان پر ہر مکتب فکر کو اپنے مکتب فکر کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دی جائے۔

س: موجودہ نظام حکومت میں تحریک کی کامیابی کے امکانات ہیں؟

ج: موجودہ حکومت کے متعلق تو ہم نے پہلے کہہ دیا ہے کہ جب ضیاء الحق نے طاقت کے ذریعے اپنے آپ کو ملک پہ پانچ سال کے لیے مسلط کر دیا۔ جب بنیاد غلط ہو جائے تو اس کے بعد ان کے جتنے بھی کام ہوں گے وہ بھی غلط ہوں گے پھر ضیاء الحق نے یہ انتخابات کروائے پھر انہوں نے جس طریقے سے یہ حکومت قائم کی ہے اس کو ہم غیر آئینی سمجھتے ہیں خصوصاً اس حوالے سے کہ ضیاء الحق صدر بھی ہے اور چیف آف سٹاف بھی۔ یہ ہم نہیں سمجھتے کہ کس طرح ممکن ہے لیکن انہوں نے اس کو ممکن بنایا ہوا ہے۔ تحریک کے اغراض و مقاصد میں ملک میں اسلامی نظام کو صحیح طور پر نافذ کرنا ہے۔ یہ جو مغربی نظام اور تہذیب ہے اس کے خلاف جدوجہد کرنا ہے اور خصوصاً ملک کو امریکی تسلط سے آزاد کرانا اور جمہوریت کے لیے جدوجہد کرنا تحریک کے اس وقت مدنظر ہے ہمیں اس سے غرض نہیں کہ یہ حکومت کیا ہے۔ ہماری نظر میں جو کام ہے اس کے لیے ہم اپنے طریقے سے کام کر رہے ہیں۔ خواہ وہ ملک میں اسلامی نظام کے لیے کام ہو یا بین الاقوامی سامراج کے خلاف جدوجہد ہو یا اتحاد بین المسلمین کے لیے کام کرنا ہو یا جمہوریت پسند جماعتوں کے ساتھ تعاون کرنا ہو اس کے لیے ہم اپنے پلیٹ فارم سے جدوجہد کر رہے ہیں۔

س: تحریک آئندہ انتخابات میں اپنے نمائندے کھڑا کرے گی؟

ج: اس سلسلے میں ہم نے اعلان تو کیا ہے کہ ہم پاکستان کے سیاسی اور اجتماعی مسائل سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ اب سوال صرف حکمت عملی کا ہے

کہ تحریک سیاسی اور ملکی مسائل میں کسی طریقے سے حصہ لیتی ہے، ہمارے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک انتخابات کا اور دوسرا انقلاب کا۔ مرکزی کونسل کے آئندہ اجلاس میں اس حکمت عملی اور لائحہ عمل پر منشور کے حوالے سے بات کی جائے گی اور اس میں فیصلہ کیا جائے گا کہ ہمیں ملک کے سیاسی مسائل میں کس طرح حصہ لینا چاہیئے۔

س: آپ نے انتخاب اور انقلاب کی بات کی ہے، آپ فرمائیں کہ انقلاب کی کونسی شکل آپ کے ذہن میں ہے؟

ج: ہمارا انقلاب اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا۔ انقلاب میں ہم وہ طریقہ اختیار کریں گے جن کی اسلامی اصول اور طریقے اجازت دیتے ہیں۔

س: اگر تحریک انقلاب کے لیے اپنے لوگوں کو سڑک پر لاتی ہے تو پھر دوسرے لوگ بھی بالمقابل آ گئے تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

ج: ہم جب انقلاب کی بات کرتے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انقلاب کے لیے مراحل ہوتے ہیں جن میں پہلا مرحلہ لوگوں کو فکری طور پر تیار کرنا ہوتا ہے اور لوگوں کو تربیت دینا ہوتا ہے اس سلسلے میں ہم جو بات کریں گے وہ صرف اہل تشیع کے حوالے سے نہیں ہوگی بلکہ دوسرے فرقے کے لوگوں سے جو اسلامی نظام کے حوالے سے کام کرنا چاہیئے ہیں ان کے ساتھ مکمل تعاون کرتے ہوئے انہیں خود سے متفق کریں گے پھر لوگوں کو تعلیم دی جائے گی۔ ابتدائی مراحل میں سڑکوں پر آنا کبھی ہمارے مدِ نظر نہیں رہا۔

س: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ انتخابات ۱۹۹۰ء سے پہلے ممکن ہو سکتے ہیں؟

ج: حکومت کے پہلے وعدوں کے مطابق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت پھر اپنے وعدے سے وفا نہیں کرے گی اور انتخابات ۱۹۹۰ء میں بھی نہیں ہوں گے لیکن اگر سیاسی جماعتوں کی طرف سے ان پر دباؤ آ گیا تو ہو سکتا ہے کہ ۱۹۹۰ء سے پہلے یا ۱۹۹۰ء میں یہ انتخابات منعقد کروائیں۔

س: آل پارٹیز کانفرنس کے سامنے آنے والے انتشار سے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سیاست دان حکومت پر دباؤ ڈالنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟

ج: جو آل پارٹیز کانفرنس مولانا فضل الرحمٰن نے نیک نیتی سے بلائی تھی ہمیں ان کی نیت پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیئے۔ دوسرا یہ کہ کانفرنس کس حد تک کامیاب ہوگی واضح ہے کہ جو بھی کانفرنس ہو اس کے نتائج فوری طور پر سامنے نہیں آتے ہو سکتا ہے اس کے نتائج دور س ہوں جس طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کانفرنس ناکام رہی ہم ایسا نہیں سمجھتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ گو ممکنہ توقعات اس سے پوری نہیں ہوئیں لیکن مجموعی طور پر یہ کانفرنس کامیاب رہی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہم سیاسی پارٹیوں کے رہنماؤں سے خواہش کرتے ہیں کہ وہ چھوٹے چھوٹے مسائل اور باتوں کو شہرت نہ دیں جس کے نتیجے میں لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کا موقع ملتا ہے کیونکہ اس طرح آئندہ کوئی جرأت نہیں کرے گا کہ ایسی کانفرنس منعقد ہو۔ باقی حکومت پر دباؤ ڈالنے والی جہاں تک بات ہے تو ہمارے خیال میں اگر سیاست دانوں میں وقتی طور پر کوئی بدگمانی پیدا ہو جائے تو انہیں فوری طور پر دور کر لینی چاہیئے۔ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ دور نہیں ہو سکتیں۔ ان شاء اللہ یہ جلد ختم ہو جائیں گی۔ یہ لوگ دوبارہ مشترکہ ہدف کی طرف یعنی ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لیے متحد ہوں گے اور پھر ان شاء اللہ یہ حکومت پر دباؤ ڈالنے میں کامیاب ہوں گے۔

س: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آل پارٹیز کانفرنس ایم۔آر۔ڈی کو توڑنے کی سازش تھی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

ج: جیسا کہ پہلے ہم نے کہا کسی بھی چیز کے منفی پہلو کو ہی سامنے نہیں رکھنا چاہیئے۔ دوسرا یہ کہ اگر کوئی اس قسم کی باتیں کرتے ہیں تو اگر ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور اگر نہیں تو صرف ان کے مفروضوں اور احتمالات کی بناء پر اس قسم کے بیانات مناسب نہیں۔ ہمارے پاس اس بات کا ثبوت یا شواہد نہیں کہ آل پارٹیز کانفرنس کا مقصد ایم۔آر۔ڈی کو توڑنا تھا۔

س: بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ ایم۔آر۔ڈی چونکہ ناکام ہو گئی تھی

اس لیے آل پارٹیز کانفرنس بلائی گئی؟

ج: مولانا فضل الرحمٰن نے جو کانفرنس بلائی تھی ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی نیت صاف تھی ان کی کوئی بدنیتی نہیں تھی۔

س: ایم۔آر۔ڈی کے دو واضح گروپوں میں تقسیم ہونے کے بعد تحریک نفاذِ فقہ جعفریہ کس گروپ کا ساتھ دے گی؟

ج: ہم پہلے ایم۔آر۔ڈی میں نہیں تھے اور اب بھی ہم دونوں فریقوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ آپس میں متحد اور متفق ہو جائیں کیونکہ انتشار اور نفاق سے بنیادی مقصد کو نقصان پہنچے گا۔

س: آئندہ انتخابات میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کس جماعت سے الحاق کرے گی؟

ج: جب تک مرکزی کونسل میں لائحہ عمل اور حکمت عملی کا فیصلہ نہیں ہوتا ہم انتخاب کے حوالے سے کوئی بات نہیں کر سکتے اگر فیصلہ ہو گیا اس پر عمل کیا جائے گا۔

س: انتخابات کبھی تو ہوں گے؟

ج: یقیناً ہوں گے۔ہم جو بھی کام کریں گے مرکزی کونسل کے فیصلے کے بعد کریں گے۔

س: شریعت بل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: شریعت بل پر ہمیں دو قسم کے اعتراضات ہیں۔ایک تو یہ کہ اس شریعت بل کا جو مقدمہ انہوں نے بنایا ہے اس سے مارشل لاء کی حکومت کو تقویت ملتی ہے۔یہ صحیح نہیں ہے۔جنرل ضیاء نے جو کام اور فیصلے کیے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہیں۔مارشل لاء بھی اپنی بنیاد سے ہی غلط تھا۔دوسرا یہ کہ شریعت بل میں اہل تشیع کو نظر انداز کیا گیا ہے اسی لیے ہم نے ترامیم و تجاویز پیش کی تھیں کہ اگر شریعت بل والے شریعت کے حوالے سے مخلص ہیں تو ان کو سب مکاتب فکر کو اعتماد میں لینا چاہیئے اور اگر انہوں نے اہل تشیع کی پیش کردہ ترامیم کو ملحوظ رکھا تو ہم تعاون کریں گے لین اگر انہوں نے ہماری تجاویز کو نظر انداز کیا تو ہم بھرپور مخالفت کریں گے۔

س: اسلام نافذ ہونے کے بعد عدم اعتماد کا طریقہ کیا ہوگا؟

ج: اگر صحیح معنوں میں اسلام نافذ کیا جائے تو اسلامی نظام میں جمہوریت کاملاً ہوتی ہے۔اس کی ایک مثال ایران کی ہے وہاں جب سے اسلامی نظام نافذ ہوا ہے جنگ بھی جاری ہے ان کے صدر اور وزیر اعظم بھی دھماکوں میں شہید ہو چکے ہیں لیکن کبھی بھی انہوں نے یہ بہانہ نہیں بنایا کہ ملک میں انتشار ہے اس لیے انتخابات نہیں ہونا چاہئیں۔اس کے بالمقابل آئین کے مطابق صدارتی انتخابات بھی بروقت ہوتے ہیں اور پارلیمنٹ کے انتخابات بھی ہوتے ہیں۔ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر پاکستان میں صحیح طور پر اسلامی نظام نافذ ہو گیا تو جمہوریت بھی اس کے ساتھ ہوگی پھر کسی قسم کے خدشے کا امکان نہیں رہے گا۔

س: یہ بات تو واضح ہے لیکن کچھ چیزیں جو تاریخ میں موجود ہیں؟

ج: میں تاریخ دور جانے کی بجائے آپ کو بالکل نزدیک کا حوالہ دیتا ہوں۔وہاں بروقت انتخاب ہو رہے ہیں کوئی خلاف قانون عمل نہیں ہو رہا۔کوئی زور اور دھاندلی نہیں ہو رہی۔

س: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تحریک کے قیام کا مقصد پاکستان میں ایرانی مفادات کی نگرانی کرنا ہے؟

ج: یہ بالکل جھوٹ ہے بلکہ یہ تحریک پر تہمت ہے میں نے ابھی مختصر طور پر تحریک کے قیام کا مقصد بتایا ہے کہ جس میں واضح ہوتا ہے کہ انقلاب ایران سے پہلے بھی تحریک موجود تھی صرف نام تبدیل ہوتے رہتے تھے کبھی اس کا نام تحفظ حقوق شیعہ تھا کبھی مطالبات کمیٹی تھا۔جب ضیاء الحق نے اسلامی نظام کا شوشہ چھوڑا تو پھر شیعوں نے بھکر میں جمع ہو کر مفتی جعفر حسین کو قائد چنا اور یہ تحریک وجود میں آئی۔ہم البتہ اسلامی مفاد کی ضروریات کرتے ہیں۔

س: کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تحریک کو ایران کا تعاون حاصل ہے؟

ج: کوئی کچھ بھی کہتا رہے اس کی اپنی مرضی ہے ہم جو ایران کی

حمایت کرتے ہیں وہ صرف اسلام کے حوالے سے کرتے ہیں۔ پھر یہ بات واضح ہے کہ ایران میں شیعہ انقلاب سے پہلے بھی رہتے تھے اور اب بھی رہتے ہیں لیکن انقلاب سے پہلے وہاں امریکی سامراج اور شہنشاہی نظام تھا۔ظلم و استبداد کا نظام تھا جس کی ہم بھرپور مخالفت کرتے تھے اور شاہ ایران کے خلاف ہم نے پاکستان میں مظاہرے کیے ہیں۔ آج جب وہاں اسلامی نظام آیا ہے ہم ان کی حمایت کرتے ہیں۔ مسئلہ شیعہ کا نہیں اور نہ ہی ایران کا ہے۔ مسئلہ اسلامی نظام کا ہے۔ جب وہاں اسلامی نظام نہ تھا تو ہم مخالفت کرتے تھے آج وہاں اسلامی نظام ہے تو ہم اس کی حمایت کرتے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر آج افغانستان، مصر، فلپائن اور سعودی عرب میں بھی اسلامی نظام قائم ہو جائے تو ہم ان ممالک کی بھی اس طرح حمایت کریں گے جس طرح ایران کی کرتے ہیں حالانکہ ان ممالک میں اکثریت اہل سنت کی ہے۔ جہاں تک ایرانی امداد کا تعلق ہے یہ سوائے جھوٹ اور الزام کے کچھ نہیں۔ ایران نے ہمارے ساتھ ایک پیسہ کی بھی مدد نہیں کی بلکہ ہم جو بھی کام کرتے ہیں اپنی شیعہ برادری سے چندہ جمع کر کے کرتے ہیں ابھی جو چھ جولائی کو لاہور میں قرآن وسنت کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں بھی ہم نے اپنے لوگوں سے چندہ جمع کیا تھا جس کا ریکارڈ ہمارے لاہور کے دفتر میں موجود ہے۔ ہم اہلِ تشیع میں اتنی سکت ہے کہ اپنے پروگرام خود کر سکیں۔ ہمیں الحمدللہ ضرورت ہی نہیں کہ ایران سے مدد مانگیں۔ البتہ جو پروگرام ہم اسلام کے حوالے سے کرتے ہیں جس میں ایران بھی مربوط ہو تو بھی ہم اپنے پیسے سے کرتے ہیں۔ یہ عجیب مسئلہ ہے کہ پاکستان میں جو بھی تنظیم خصوصاً اسلام کے حوالے سے سیاست کرے تو خواہ مخواہ اس پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اس کو ایران سے رقم ملی ہے حالانکہ ایران خود اس قدر اپنے مسائل میں پھنسا ہوا ہے جنگ میں نہ جانے اس کے کتنے لاکھ ڈالر روزانہ خرچ ہوتے ہیں پھر ان پر اقتصادی پابندی بھی عائد کی گئی ہے اور بھی مسائل ہیں۔ طاغوتی طاقتیں ان کی دشمن ہو چکی ہیں اس طرح وہ یہاں کس طرح مدد کر سکتے ہیں۔ یہ سب جھوٹ اور الزام ہے تا کہ ایران کو اسلامی ممالک میں بدنام کیا جائے کیونکہ دنیا بھر میں جہاں مسلمان آباد ہیں انہیں ایران کے اس انقلاب سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ امریکہ میں مقیم مسلمانوں کی توقعات بھی اس انقلاب سے وابستہ ہیں حتیٰ کہ لاطینی امریکہ میں غیر مسلموں کی توقعات بھی اس انقلاب سے وابستہ ہیں۔ اگر کوئی ان توقعات کے حوالے سے ان کی مدد کرتا ہے تو انقلاب دشمن ان پر الزام لگاتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب پاکستان اور بھارت کی جنگ ہوئی تھی تو شیعوں نے بھی زخمیوں کی امداد کے لیے دوائیاں فراہم کی تھیں۔ پاکستان کے غریب علاقہ یعنی بلتستان سے عورتوں نے اپنے زیور بیچ کر ایران کے لیے بارہ تیرہ لاکھ روپے کی امداد بھیجی ہے۔ ایران ہم کو نہیں بلکہ ہم ایران کو مدد دے رہے ہیں۔ ہمارے غریب لوگ ان کے زخمیوں کے لیے مدد بھیج رہے ہیں۔

س: لاہور میں ۶ جولائی کے کنونشن سے ایک روز قبل ہونے والے دھماکوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ قرآن وسنت کانفرنس کو ناکام بنانے کے لیے لوگوں میں خوف و ہراس پھیلانے کی ایک سازش تھی۔ دھماکے ریلوے سٹیشن اور بس اسٹینڈ پر ہوئے تھے اس لیے کہ باہر سے آنے والے لوگ ڈر جائیں۔

س: قرآن وسنت کانفرنس کو کون لوگ ناکام بنانا چاہتے تھے؟

ج: اس پر واضح بات تو کوئی نہیں کہی جا سکتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن و سنت کانفرنس کو ناکام بنانے میں حکومت بھی ملوث تھی۔

س: کیا یہ دھماکے حکومت نے کرائے تھے؟

ج: ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ کچھ افراد نے اخبارات میں اشتہارات بھی دیئے تھے چونکہ ہمارے پاس مکمل شواہد نہیں ہیں اس لیے ہم کسی پر واضح الزام نہیں لگا سکتے لیکن یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ قرآن وسنت کانفرنس کو ناکام بنانے کے لیے کچھ لوگوں نے یہ دھماکے کرائے تھے۔

س: بہت پہلے ایک اعلیٰ شخصیت نے اہل تشیع کو اقلیت قرار دینے کی

خواہش کا اظہار کیا تھا؟

ج: اس کا مجھے علم نہیں اور مجھے یہ توقع نہیں کہ ملک کی اعلیٰ شخصیت اس قسم کی خواہش کا اظہار کرے۔

س: پاکستان میں امریکی سامراج کے اثرات سے آزادی کس طرح ممکن ہوگی؟

ج: آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایران اور فلپائن میں امریکہ کا تسلط پاکستان سے زیادہ تھا۔ اگر ایران اور فلپائن کے عوام کھڑے ہو کر امریکی سامراج کو اپنے ملکوں سے نکال سکتے ہیں تو پاکستان کے مسلمان اگر اس مسئلے کی طرف متوجہ ہو جائیں اور امریکہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو ان شاء اللہ بہت جلد امریکہ کا جنازہ نکل سکتا ہے۔

س: آپ بھی امریکہ کے خلاف ہیں اور بائیں بازو کی جماعتیں بھی امریکی سامراج کی مخالفت کرتی ہیں پھر آپ مذہبی جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنے کی بجائے بائیں بازو کی جماعتوں کے ساتھ مل کر جدوجہد کیوں نہیں شروع کرتے؟

ج: ہم پاکستان میں جس طرح امریکی سامراج کے مخالف ہیں اسی طرح روسی سامراج کے بھی مخالف ہیں۔ ہم پاکستان کے لیے امریکہ اور روس دونوں کو دشمن سمجھتے ہیں اور تاریخ نے یہ بات ثابت کر دیا ہے کہ امریکہ اور روس کبھی بھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ یہ صرف اپنے مفادات کے لیے کام کرتے ہیں۔ اب یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ جب سے ایران میں اسلامی انقلاب کامیاب ہوا ہے اس کے اثرات دوسرے ممالک میں بھی پھیلنے لگے ہیں تو امریکہ اور روس دونوں کو اس کا احساس ہوا ہے اور یہ بات اخبارات میں آ چکی ہے کہ سابق امریکی صدر نکسن نے گورباچوف ریگن ملاقات سے پہلے کہا تھا کہ امریکہ اور روس کو اپنے اختلافات بھلا کر ایران کے اسلامی انقلاب کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ ہم پاکستان میں یہ بات کرتے ہیں کہ پاکستان کو امریکی تسلط سے آزاد کرانے کے لیے جدوجہد کرنی ہوگی۔ دوسرا یہ کہ روسی سامراج کو امریکہ کی جگہ یہاں مسلط ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہیئے۔ اب بات یہ ہے کہ پاکستان میں کوئی روسی نواز ہے تو کوئی امریکہ نواز۔ وہ بھی طبعی طور پر ہمارے خلاف جدوجہد کریں گے لیکن ہم اپنی جدوجہد کو ان کے لیے نہیں روکیں گے چونکہ پاکستان کے عوام مسلمان ہیں اور جب وہ یہ سمجھ جائیں گے اور ہماری آواز کو سن لیں گے تو وہ اسلام کے نام پر اٹھ کر امریکہ اور روس کی بھرپور مخالفت کریں گے پھر روس نواز یا امریکہ نواز لوگوں کی کوئی حقیقت نہیں رہے گی۔

س: پاکستان میں کرسی کی تبدیلی ہمیشہ امریکہ سے ہوتی ہے۔ خواہ وہ مارشل لاء کی تھی یا جمہوریت کی۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ انتقال اقتدار کبھی عوام کی خواہش کے مطابق بھی ہوگا؟

ج: ہم اقتدار کی منتقلی کی بات نہیں کرتے ہم نظام کی تبدیلی کی بات کرتے ہیں۔ اگر نظام میں تبدیلی آ گئی امریکی سامراجی نظام تبدیل ہو گیا تو امریکہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا جائے گا۔ اس میں اصل کردار تو عوام ادا کریں گے۔ البتہ عوام کو رہنمائی کی ضرورت ہے۔

س: عوام تو ابھی کسی جدوجہد کے لیے تیار نظر نہیں آتے؟

ج: اس لیے کہ انہیں کچھ پتہ نہیں۔ انہیں بتانا ہوگا۔

س: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کو اہل تشیع نے مروایا ہے؟

ج: اس سلسلے میں ہم نے پہلے بھی کہا تھا کہ ہمارا احسان الٰہی ظہیر کے قتل کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے جس طرح دوسرے لوگوں نے مذمت کی تھی ہم نے اس وقت بھی اس واقعہ کی مذمت کی تھی اب بھی ہم مذمت کرتے ہیں بلکہ دوسروں سے زیادہ کرتے ہیں اس لیے کہ مذہبی جلسے میں ایسی کاروائی کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ پاکستان میں سب سے زیادہ مذہبی جلسے اور پروگرام شیعوں کے ہوتے ہیں۔ اس طرح کوئی شیعہ ایسا کام نہیں کر سکتا جس سے سب سے زیادہ نقصان خود اسی کو پہنچنے کا خدشہ ہو۔ یعنی اگر مذہبی جلسوں میں تخریب کاری کا دروازہ کھل گیا تو سب سے زیادہ نقصان اہل تشیع کو ہی ہوگا۔ تیسری بات یہ

ہے کہ ہم نے بہت پہلے کہہ دیا تھا شریعت بل کے حوالے سے علامہ احسان الٰہی ظہیر بھی مخالف تھے ہم بھی مخالف تھے۔ اگر چہ وہ اس کی مخالفت اپنے حوالے سے کرتے تھے لیکن وہ بھی مخالف تھے ہم بھی مخالف تھے۔ جب شریعت بل کا مسئلہ زوروں پر تھا ان دنوں میں یہ واقعہ رونما ہوا۔ جب دو آدمی ایک مورچے میں بیٹھے ہوں تو کوئی بھی اپنے ساتھی کو قتل نہیں کرتا۔ خصوصاً جب وہ ایک ہی محاذ پر لڑ رہے ہوں اور اس میں شکست کا خطرہ بھی ہو۔ احسان الٰہی ظہیر کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ہیں جو شیعوں کے خلاف ہر قسم کی باتیں کرتے ہیں لیکن ہم گالی دینے اور بُرا بھلا کہنے پر یقین نہیں رکھتے۔ قتل کرنا، مارنا پیٹنا ان لوگوں کا کام ہے جن کے پاس دلیل نہ ہو۔ ہم اپنے مذہب کو دلیل و برہان کا مذہب سمجھتے ہیں اور احسان الٰہی ظہیر نے اپنی کتابوں میں کوئی نئی بات نہیں کی تھی ان کے جوابات ہمارے علماء پہلے ہی دے چکے ہیں ان باتوں کے الحمدللہ ہمارے پاس ٹھوس اور دندان شکن جوابات موجود ہیں لیکن یہ کہ اس کے جوابات پہلے ہی دیئے جا چکے ہیں۔ ہم نے اور بات کرنا مناسب ہی نہیں سمجھی۔ دوسری بات یہ کہ ہم پاکستان میں فرقہ واریت کو ہوا دینے کو ملک کے لیے خطرناک اور مضر سمجھتے ہیں۔ صرف یہ کہنا کہ احسان الٰہی ظہیر شیعوں کے خلاف باتیں کرتا تھا یا کتابیں لکھتا تھا تو اس سے بڑھ کر بھی لوگ ہیں۔ ہم نے ان کے خلاف نہ تو کوئی قدم اٹھایا ہے اور نہ ہمارا ایسا کوئی ارادہ ہے۔ بنابراین احسان الٰہی ظہیر کے قتل کو شیعوں پر ڈالنے کا مقصد یہ ہے کہ اس واقعہ کے اصل ملزموں کو چھپانا ہے۔ ہم اہل حدیث سے مل کر حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس واقعہ کی تحقیقات میں سستی نہ کی جائے اور ان میں تیزی آنی چاہیئے تا کہ اصلی مجرم سامنے آئیں اور اہل حدیث بھائیوں کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔

س: آپ کی نظر میں اس کے مجرم کون ہو سکتے ہیں؟

ج: ہمیں اگر پتہ ہوتا تو ہم بتاتے۔ یہ تو حکومت کو چاہیئے کہ وہ تحقیقات کرے۔ لیکن حکومت نہیں چاہتی۔ پتہ نہیں کتنے دھماکے ہو گئے۔ دھماکوں کے بعد حکومت نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم عنقریب اصل مجرموں تک پہنچ جائیں گے لیکن کچھ بھی نہیں ہوا اس لیے ہمارے خیال میں حکومت خود نہیں چاہتی کہ اصل مجرموں کو سامنے لایا جائے۔

س: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علامہ مرحوم نے عراق میں ایران کے خلاف تقریریں کی تھیں جن کے ردعمل کے طور پر انہیں قتل کیا گیا ہے؟

ج: جہاں تک عراق جا کر تقریر کرنے کی بات ہے تو شیعوں میں بھی کچھ نام نہاد افراد ہیں جن کے سر پر عمامے بھی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ احسان الٰہی ظہیر نے عراق میں ایران کے خلاف یا امام خمینیؒ کے خلاف اتنی سخت باتیں نہیں کی تھیں جتنی پاکستان کے ایک نام نہاد شیعہ جس کا نام لینا پسند نہیں کرتا اس نے عراق میں حضرت امام خمینیؒ کے خلاف وہ بکواس کی جسے وہاں کے اخبارات نے خوب اچھالا تھا۔ اب اگر اس کا ردعمل ہوتا تو میرے خیال میں پہلے اس نام نہاد شیعہ کے خلاف بھی ہوتا لیکن اسے کچھ نہیں کہا گیا۔ وہ اب بھی تقریریں کرتا ہے یہ صرف اسلامی ایران کو بدنام کرنے کے لیے امریکی سازش ہے۔

س: تحریک نفاذ فقہ جعفریہ موجودہ حکومت سے کن اصولوں پر مفاہمت کر سکتی ہے؟

ج: حکومت سے مفاہمت صرف ایک صورت میں ہو سکتی ہے وہ یہ کہ امریکہ کی نوکری سے دستبرداری کا اعلان کرے اور صحیح معنوں میں پاکستان کے عوام کی خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

س: ایران اور پاکستان کے موجودہ تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟

ج: پاکستان اور ایران کے عوام کے تاریخی، تہذیبی اور مذہبی روابط بہت گہرے ہیں لیکن پاکستان کی حکومت امریکہ کو چاہتی ہے اور امریکہ چاہتا ہے کہ کسی طریقہ سے ایرانی اسلامی انقلاب کے خلاف استعمال کیا جائے لیکن حکومت کے بیانات کے مطابق اب تک امریکی مطالبات پر مثبت جواب نہیں دیا گیا ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت کو اس مسئلے کی نزاکت کا احساس ہے اس لیے وہ کوئی ایسا قدم اٹھانے سے گریزاں ہے اگر خدانخواستہ کبھی ایسا ہو گیا تو اس کے اس حکومت کے لیے بہت برے نتائج

سامنے آئیں گے۔ باقی یہ کہ کشیدگی کس حد تک ہے۔ ہوسکتا ہے جزوی طور پر ہو گی مثلاً جس طرح ہمیں پتہ چلا ہے کہ امریکی سوچ والے لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ ایران کے خلاف یہاں فضا قائم کی جائے لیکن مجموعی طور پر فضا کشیدہ نہیں ہے۔ ہمیں امید ہے کہ پاکستانی حکومت کبھی خود کو بھی اس حوالے سے امریکی جال میں نہیں پھنسائے گی۔

س: پاراچنار میں جو کچھ ہوا اس کے اصل حقائق کیا ہیں؟

ج: پاراچنار میں جو کچھ ہوا وہ استعماری سازش ہے۔ دنیا بھر میں سامراج مختلف ناموں پر مسلمانوں کو آپس میں لڑایا جاتا ہے اس زنجیر کی ایک کڑی پاراچنار کے واقعات ہیں۔ یہ واقعات شیعہ سنی فسادنہیں تھے اور نہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس علاقہ میں جو شیعہ سنی لوگ رہتے ہیں وہ مل کر حملہ کرنے والوں کا مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ پھر شیعوں کے ساتھ سنیوں نے بھی جانیں قربان کی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ بعض مقامات پر کچھ لوگوں نے شیعہ کی آبادیوں کے لوگوں کو تحفظ فراہم کیا ہے۔ اگر یہ مسئلہ شیعہ سنی کا ہوتا تو پھر ایک دوسرے کو تحفظ دینے کا کیا مطلب تھا۔ کچھ شر پسند افراد نے یہ جنگ شروع کی تھی اور وہاں کی انتظامیہ بھی ملوث تھی جبکہ افغان مہاجران کو بھی اس میں ملوث کر دیا گیا۔

س: وہ حملے افغان مہاجرین کی طرف سے نہیں تھے۔

ج: نہیں! جب وہ لوگ ملوث ہوئے تو انہوں نے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا۔ مثلاً خرلاچی محاذ پر جو افغانستان کے ساتھ ہے وہاں باقاعدہ ان لوگوں نے حملے کیے۔ کئی اور علاقوں پر بھی اسی طرح کیا گیا۔ صدہ محاذ پر بھی وہ لوگ مقامی لوگوں کے ساتھ تھے۔

س: فقہ جعفریہ کے تحت عورت کی قیادت جائز ہے یا نہیں؟

ج: میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں جمہوریت قائم ہونی چاہئیے۔ پھر جمہوریت کے تحت جب انتخابات ہو جائیں تو جو پارٹی بھی جیتے اس پارٹی کے لیڈر خواہ عورت ہو یا مرد اسے برسراقتدار آنے کا حق حاصل ہے۔

س: میں نے فقہ جعفریہ کے حوالے سے بات کی تھی؟

ج: آپ اس وقت جمہوریت قائم ہونے دیں۔ جمہوریت کے قیام کے بعد جب صحیح طور پر انتخابات ہوں گے جو پارٹی جیتے گی اس پارٹی کا صدر یا جو بھی ہو خواہ عورت یا مرد وہ ملک کا سربراہ ہوگا۔

س: بھٹو کی موت کے پاکستان کی سیاست پر کیا اثرات نمایاں ہوئے۔

ج: بھٹو کی پھانسی کے حوالے سے یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ عدلیہ کس حد تک بااختیار تھی اور انہوں نے جو فیصلہ کیا وہ انصاف کے مطابق تھا یا کسی دباؤ کے تحت فیصلہ دیا۔ یہ بات واضح ہے ہر مسئلہ جو بھی ہوتا تھا مارشل لاء کے تحت ہوتا تھا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ان کے کیا اثرات مرتب ہو گئے ہیں۔ اس کے بارے عوام سے رابطہ کرنے اور سیاسی پارٹیوں کے عوام سے رابطہ کے بعد ہی صحیح پتہ چل سکے گا اور بیرونی ممالک سے ہمارے تعلقات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ میں خود اس پوزیشن میں نہیں کہ اس ملک کے اندر کے اثرات پر تفصیل سے بات چیت کرسکوں۔

س: ابھی نواب زادہ نصر اللہ نے کہا تھا کہ سندھیوں نے پنجابیوں سے بھٹو کی پھانسی کا بدلہ لینا شروع کر دیا ہے؟

ج: یہ بات تو اس وقت واضح ہوسکتی ہے جب تک سندھیوں سے جا کر خود بات نہ کی جائے تو پھر اس حوالے سے پتہ چل جائے گا البتہ اثرات یقیناً ہوئے ہیں۔ کیا اثرات ہوئے ہیں میں ان کے بارے ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

س: آپ کی بے نظیر سے کبھی ملاقات ہوئی ہے؟

ج: جی نہیں

س: کیا اس کے آئندہ امکانات ہیں؟

ج: یہ بات قبل از وقت ہے اگر ضرورت ہوئی۔

قائد شہید!
اخلاق و کردار و قائدانہ صلاحیتیں

علامہ سید جواد ہادی

میں نے پہلی باران کے متبسم چہرے کی زیارت کی۔ یہ اپریل 1971ء کا واقعہ ہے۔ جو رہبر انقلاب امام خمینیؒ کی ایران سے جلاوطنی اور آپ کے نجف اشرف میں قیام کا زمانہ تھا۔ رہبر انقلاب کے نجف اشرف میں قیام کے دوران مدرسہ آیت اللہ بروجردی میں نماز مغربین آپ کی اقتداء میں ادا کی جاتی تھی اور شہید علامہ عارف حسین الحسینیؒ باقاعدگی سے اس نماز جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ میری ان سے یہ اولین ملاقات اسی جگہ نماز مغربین کے بعد ہوئی تھی۔ پہلی ملاقات میں ہی ان کی شخصیت نے مجھے متاثر کیا اور وہیں سے تعلق خاطر پیدا ہوگیا۔ اخوت و برادری کے ایک عہد کا آغاز ہوا، ان کے صافی ضمیر کے شفاف آئینے نے مجھے اپنے میں جذب کرلیا، وہ میرے مطلع افکار پر آفتاب جہانتاب کی طرح طلوع ہوکر اوج عظمت کے مکین بن گئے جو پیمان وفا ہم نے باندھا تھا زمانے کے سرد وگرم حالات میں نہ صرف اس میں کبھی دراڑیں پڑیں بلکہ ہر آن مزید پختگی آتی گئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کاروان عقیدت کے ہم رکاب رشتہ اخوت و محبت میں صمیمیت پیدا ہوتی چلی گئی۔ جب میں اس منارہ عظمت کی بلندیوں پر نگاہ کرتا اور ان کی عظیم شخصیت وک اپنے فہم وادراک کی میزان پر تولتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ زمانے کی کروٹوں سے ظہور پذیر ہونے والے بدلتے حالات میں ہر پیش آنے والے چیلنج اور نت نئے ابھرنے والے تقاضوں کے بالمقابل اکثر قائد کی شخصیت کے جوہر کھلتے اور ان کی بے نظیر صلاحیتوں کو نمایاں کرتے چلے گئے لیکن ابھی معاشرے کی نگاہوں سے پھر بھی ان کی شخصیت کے عرفان کی بہت ساری منزلیں اوجھل ہی رہیں۔ انہوں نے خداوند کریم کے بے پایاں لطف و کرم سے ودیت کئے گئے اپنی شخصیت کے پرانوار جوہروں کو اپنی ریاضت شاقہ اور ہمت مردانہ سے مزید تابدار بنا کر اپنی تابندہ صلاحیتوں کو جو جلا بخشی اور اپنے خصائص میں جو نکھار پیدا کیا اس سے وہ بلاشبہ ایک مجموعہ فضائل اور گلدستہ کمالات شخصیت بن گئے تھے۔

اپریل 1971ء میں ان سے شناسائی کے ساتھ ہی اخوت ومحبت کے جس عہد کا آغاز ہوا تھا وہاں سے 5 اگست 1988ء کی صبح تک، پرمحیط عرصے کا یہ طویل سفر پلک جھپکنے میں گزر گیا، اس دوران میں اخوت وموانست، محبت، سچائی، خلوص وتقویٰ، شرافت وکرامت، جانثاری اور احساس ذمہ داری کے جو عملی مظاہر میں نے اس ملکوتی انسان میں دیکھے وہ مجھے اور کہیں بھی نظر نہ آئے۔ میری زندگی میں حصول سعادت کا سفر اس عظیم انسان کی بے شمار احسانات کا رہین منت ہے۔ میں مکمل یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر میری ان سے ملاقات نہ ہوتی اور ان کی سرپرستی، محبت اور ہمدردیاں نصیب نہ ہوتیں تو نہ جانے آج میں کیا ہوتا اور کس دنیا میں حیران وسرگردان۔۔۔۔ مارا مارا پھرتا۔ شہید نے زندگی کے پرپیچ اور نشیب وفراز سے معمور راستوں میں میرا ہاتھ تھاما اور بڑی احتیاط اور فراست کے ساتھ اس وادی پرخار میں سفر کرنا سکھایا، میں نے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے یہ سب ان کی محبت اور رہنمائی کی بدولت حاصل کیا ہے، میں کم سنی کے عالم میں تحصیل علم کی غرض سے ملک سے باہر گیا تھا اور نجف اشرف میں باب مدینۃ العلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تھا اور اسی در کا فیض تھا کہ مجھے بے سہارا ہوکر بھٹکنے نہیں دیا بلکہ

میرے لیے ایک ایسی مشفق اور عمدہ سیرت شخصیت کا انتظام کردیا جس نے مجھے اپنے چھوٹے بھائی کی حیثیت سے قبول کر کے بڑے بھائی کی طرح زندگی کے ہر شعبہ میں میری مدد اور رہنمائی کی ۔ یہی وجہ ہے کہ حوزہ علمیہ میں نئے آنے والے طلباء کو جن مسائل و مشکلات کا سامنا ہوتا ہے مجھے بہت کم ایسے مسائل کا سامنا ہوا۔ شہید نے مجھے مدرسے میں کمرہ لے کر دیا، وظیفے کا انتظام کیا اور سب سے اہم چیز یہ کہ درس خود پڑھانا شروع کیا اور ڈھائی سال تک میں تمام دروس انہی سے پڑھتا رہا اور پھر بعد از ان ان کے معین کردہ اساتذہ سے، جب آپ نے 1973ء میں نجف اشرف میں ساڑھے چھ سال قیام کے بعد بغرض ترویج پاکستان مراجعت فرمائی تو خود میرے لئے اساتذہ معین کئے تاکہ میں ان کی وطن سے واپسی تک مذکورہ اساتذہ سے پڑھتا رہوں۔ ان کی وطن واپسی میرے لیے ان سے جدائی اور فراق کا پہلا تجربہ تھا جس کا تحمل میرے لیے خاصا دشوار تھا۔ اس وقت میرے نجف میں ڈھائی سال پورے ہو رہے تھے۔ اس کے بعد مزید دو سال تک میں نجف میں رہا اور اس دوران خط و کتابت سے میرا ان سے مسلسل رابطہ رہا۔ 1975ء میں جب بعثی حکومت نے ہمیں عراق سے نکال

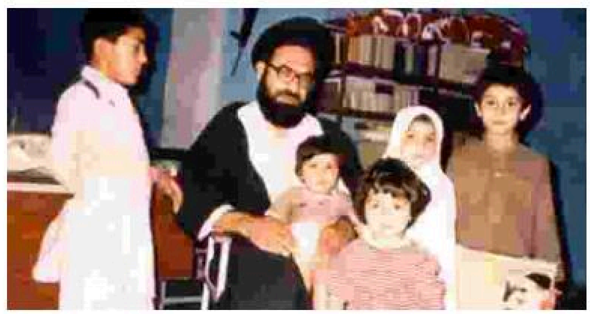

دیا تو میں تقریباً ڈیڑھ ماہ شام اور لبنان میں رہا اور پھر وہاں سے حوزہ علمیہ قم (ایران) میں آ گیا۔ شہید بھی سال بھر سے کچھ عرصہ پہلے پاکستان سے قم عزیمت فرما چکے تھے اور وہیں مقیم تھے۔ قم پہنچنے پر اخوت و رفاقت کے اس عہد و پیمان میں ایک نہایت عزیز بھائی اور گراں قدر شخصیت کا اضافہ ہوا وہ شخصیت برادر عزیز حجۃ الاسلام آقائے عابد حسین الحسینی حفظہ اللہ کی ہے۔ ہمارے درمیان اخوت و موانست کے رشتے اس قدر مستحکم اور پائیدار تھے کہ جن کے بارے میں ایک مرتبہ شہید بزرگوار نے ایک شخص سے (جو کسی مسئلہ میں ہمارے درمیان اختلاف ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا) یہ کہا تھا کہ "ہم یک جان سہ قالب ہیں" یعنی اگرچہ ہمارے بدن تو تین ہیں لیکن روح و جان ہم تینوں میں ایک ہی ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس کا صحیح اور مکمل

طور پر احساس مجھے شہید کے بعد ہو رہا ہے۔ اب میں خود کو نامکمل پاتا ہوں، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرا آدھا دھڑ بالکل مفلوج ہو گیا ہو، مجھے سید الشہداءؑ کے اس جملے کی حقیقت کا صحیح معنی میں اندازہ اب ہو رہا ہے جو آپ نے حضرت ابوالفضل العباسؑ کی شہادت کے وقت فرمایا تھا، امامؑ کے دہن اقدس سے یہ جملہ ادا ہوا: "اب میری کمر ٹوٹ گئی"

شہید قائدؒ کی شہادت سے اب میری زندگی کی کیفیت کیا سے کیا ہو گئی ہے، اسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے، مسائل و مشکلات سے معمور اس وادی پر خار میں زخمی دل، شکستہ کمر اور ٹوٹے ہوئے بازوؤں کے ساتھ تنہا رہ گیا ہوں اور خود کو اُٹھا کر چلنے کی کوشش میں مصروف ہوں، اپنے زندہ ہونے کا جو تاثر دینے کی کوشش کر رہا ہوں اسے میری زندگی کا ایک بڑا کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کارنامے میں بھی اس شہید بزرگوار کی تربیت ہی کا اثر کارفرما ہے چونکہ ان سے ہونے والا عہد و پیمان یہ تھا کہ جب تک جان میں جان رہے مقصد کے لیے کام کرتے رہیں گے اور دشمن کے لیے کبھی میدان خالی نہ چھوڑیں گے، یہی عہد و پیمان میرے مردہ جسم میں عزم و ارادے کی روح پھونک کر مجھے زندگی بخش رہا ہے اور ان سے کیا ہوا عہد مجھے اب بھی یاد ہے اور اس وقت تک یاد رہے گا جب تک کہ اپنے خون کو ان کے مقدس خون سے ملا نہ دوں۔ مجھے وہ مشن جاری رکھنا ہے اور اس شہید بزرگوار کے ہاتھوں منتقل ہونے والے عظمت قرآن و اسلام کے خون آلود پرچم کو اپنے کمزور کاندھوں پر اُٹھا کر چلنا ہے۔ اگرچہ میر کارواں نہیں رہا لیکن اس کا دیا ہوا عزم سفر باقی ہے، اس نے خمینی بت شکن کے راستے کا عرفان عطا کر کے اپنے خون سے عہد وفا نبھانے کا سبق، منزل شہادت سے ہمکنار اور اوج سعادت پر سرفراز ہو کر ہمیں دیا ہے۔ میں یہ بات نہایت اطمینان اور وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ اٹھارہ سال پر محیط عرصے میں، میں شہید بزرگوار کے نہایت قریب رہا ہوں اور ہمارے درمیان کوئی بات راز نہیں تھی، میں نے انہیں جلوت و خلوت میں دیکھا، انہیں عنفوان شباب میں ایک وظیفہ شناس

طالبعلم کی حیثیت سے بھی اور پھر قوم کے سرپرست اور دردمند قائد کی حیثیت سے بھی دیکھا، زندگی کے ان تمام مراحل میں انہیں نہایت متقی، نیک سیرت اور پرہیزگار پایا، میں اپنی زندگی میں کبھی کسی شخص سے اس قدر متاثر نہیں ہوا جس قدر اس عظیم ہستی سے متاثر ہوا ہوں۔ میرے دل و دماغ پر اس عظیم شخصیت کی صداقت، ایمانداری، خلوص، تقویٰ، احساس ذمہ داری اور ہمدردی و جانثاری کے بے شمار واقعات ثبت ہیں۔ شاید ہی مجھے پھر کبھی ایسا پاک و پاکیزہ انسان مل سکے، میں کوشش کروں گا کہ اپنے مفلوج ذہن پر زور دے کر زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق اٹھارہ سالہ رفاقت کے دوران میں پیش آنے والے بعض واقعات کو حیطۂ تحریر میں لاسکوں تا کہ اس ملکوتی انسان کی شخصیت پہنچانے میں کسی قدر آسانی ہو۔

عبادت و بندگی:۔

میں نے ہمیشہ ان کو ذوق عبادت سے سرشار اور بندگی و اطاعت گزاری میں مستعد پایا۔ شہید نماز جماعت کے سختی سے پابند تھے اور حوزہ ہائے علمیہ (نجف اشرف اور قم المقدسہ) میں کوشش کرتے تھے کہ نماز پنجگانہ جماعت سے ادا کریں۔ نجف میں قیام کے دوران نماز صبح امیر المومنینؑ کے حرم مطہر میں جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے اور نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اپنے ایک ساتھ کے ساتھ اپنے درس کو دہراتے تھے (جسے وہاں کی زبان میں مباحثہ کہتے ہیں) مباحثہ کے بعد مدرسہ (ہاسٹل) واپس آتے ہوئے ناشتہ کے لیے بازار سے روٹی اور کوئی دوسری چیز لے کر آتے اور ناشتہ کے بعد دوبارہ درس کے لیے نکلتے، نماز ظہرین مسجد شیخ انصاری میں باجماعت (رہبر انقلاب امام خمینیؒ کی اقتداء میں) ادا کرتے اور پھر وہاں سے واپس مدرسے کو لوٹتے جبکہ نماز مغربین اکثر مدرسہ بروجردی میں امام خمینیؒ کی اقتداء میں یا پھر صحن مقدس میں آیت اللہ سید یوسف حکیم طباطبائی کی اقتداء میں ادا کرتے تھے۔ شہید مستحبات کثرت سے بجالاتے، آپ نماز شب کے پابند تھے، قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت آپ کا معمول تھا، اکثر روزے سے رہتے اور بغیر مجبوری کے کبھی نماز جماعت ترک نہ کرتے، البتہ اگر کبھی کوئی ضروری مطالعہ درپیش ہوتا تو فرادیٰ نماز پڑھ کر فوراً مطالعہ شروع کردیتے۔ میں نے بارہا آپ سے یہ سنا کہ فقہ کے درس و مطالعہ کے لیے نماز جماعت کو ترک کر کے فقہ کے درس و مباحثہ سے جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔ شب ہائے جمعہ میں دعائے کمیل ضرور پڑھتے اور نجف اشرف میں اکثر شب جمعہ کو زیارت امام حسینؑ کے لیے کربلا جایا کرتے تھے، آپ زیارت کے بھی نہایت پابند تھے۔ نجف سے کربلا کے لیے بیس مرتبہ سے زیادہ پیدل زیارت کا شرف حاصل کرچکے تھے۔ عراق میں لوگ تیرہ رجب، تین شعبان، پندرہ شعبان، اٹھارہ ذوالحجہ، عاشورہ محرم اور بیس صفر کو اکثر مقامات سے خاص طور پر نجف سے لوگ زیارت کے لیے پیدل کربلا جاتے ہیں۔ اربعین کے موقع پر خصوصیت کے ساتھ بڑی تعداد میں لوگ قافلوں کی صورت میں نجف سے کربلا جاتے ہیں۔ شہید مظلوم جب تک نجف میں رہے سال میں کم از کم چار مرتبہ ضرور پیدل جایا کرتے تھے۔ جب آپ ساتھیوں کے ہمراہ ہوتے تو راستہ بھر ان کے آرام و سہولت کا خیال رکھتے، کھانے پینے وغیرہ کا انتظام و انصرام خود ہی کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی ساتھی کمزور ہوتا تو اس کا سامان خود اُٹھا لیتے، دوستوں کے کھانے پینے کا سامان اور جوتے وغیرہ اکثر اپنے کاندھوں پر اُٹھا لیتے۔ نجف اشرف سے کربلا کے لیے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ دریائے فرات کے کنارے سے ہو کر جاتا ہے جو تقریباً تین دن کی پیدل مسافت ہے، اس راستے پر جو لوگ پیدل سفر کرتے ہیں وہ آرام و اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر قیام کرتے ہوئے کربلا جاتے ہیں۔ راستے میں آباد عرب زائرین کے لیے کھانے پینے بہترین سہولتیں فراہم کرتے ہیں اور مہمان نوازی کا شایان شان طریقے سے حق ادا کرتے ہیں۔ دوسرا راستہ وہ پختہ سڑک کا عمومی راستہ ہے جس پر عام ٹریفک چلتی ہے یہ تقریباً اسی کلومیٹر ہوگا، اس راستے میں پانی، سائے اور کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ نجف اشرف اور کربلائے معلّیٰ کے تقریباً وسط میں چند دو کانیں ہیں، شہید مظلوم جب تنہا (پیدل) جاتے تو اسی راستے سے جاتے تھے، صبح کی نماز نجف میں پڑھ کر تن تنہا نکل کھڑے ہوتے اور نماز مغربین تک کربلائے معلی پہنچ جاتے۔ یہ اسی کلومیٹر کا فاصلہ دن کے کھانے اور نماز کے علاوہ رکے بغیر طے کرتے، ہم لوگ جب کبھی کربلا پیدل جاتے تو ایک دن تک اٹھنے کے قابل نہ ہوتے لیکن شہید بزرگوار بلا فاصلہ زیارت کی غرض سے سیدھے حرم سید الشہداء پہنچ جایا کرتے اور کہتے کہ زائر

کو چاہیے کہ وہ راستے کے گردوغبار سے اٹے ہوئے چہرے کے ساتھ اپنے مولاؑ کی بارگاہ میں زیارت کی غرض سے حاضر ہوجائے۔

1974ء سے لے کر 1978ء تک قم المقدسہ میں تقریباً اپنے چار سالہ قیام کے دوران باقاعدگی کے ساتھ حرم معصومہ میں نماز پنجگانہ آیت اللہ مرعشی نجفی کی اقتداء میں ادا کرتے رہے۔

ولایت اہلبیتؑ:۔

شہید مظلوم میں محبت وولائے آل محمدؑ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔آپ سراپا عشق تھے،فضائل ومصائب آل محمدؑ، سننے اور پڑھنے کا بہت شوق تھا۔نجف اشرف میں اپنے دوستوں کی محفل میں ایک مرتبہ یہ کہا کہ،اگرچہ آل محمدؑ کے بارے میں غلو کرنے اور ان کے فضائل کا انکار کرنے والے دونوں گمراہ ہیں لیکن مجھے اہل بیتؑ کے فضائل کے انکار کرنے والوں سے بہت زیادہ نفرت ہے۔ ۲۵ رجب کو کاظمین (بغداد) میں امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے موقع پر شبیہ تابوت برآمد ہوتی ہے جس میں عراق کے دور دراز شہروں سے لوگ شرکت کے لیے جاتے ہیں۔شہید بزرگوار نہایت ذوق و شوق سے اس جلوس میں شرکت کے لیے نجف اشرف سے جایا کرتے تھے ،نہایت رفیق القلب تھے ،مصائب اہلبیتؑ سن کر بے قرار ہوجاتے اور بہت زیادہ گریہ کرتے ،نجف اشرف اور قم المقدسہ میں قیام کے دوران محرم اور صفر میں منعقد ہونے والے عزاداری کے پروگراموں میں بہت شوق سے نوحہ پڑھتے اور ماتم کیا کرتے تھے ،ان کے ماتم اور زنجیر زنی کے فوٹو اب بھی میرے پاس محفوظ میں شہیدؒ کے قائد منتخب ہونے کے بعد جب بعض جاہل اور نادان لوگ ان کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کرنے لگے کہ عارف حسین کے عقائد کی پاکیزگی اور ولائے اہلبیتؑ میں از خود گزشتی کی کیفیت سے نہایت قریب سے واقف تھا۔ان باتوں پر بہت کڑھتا تھا اور سوچتا تھا کہ اگر عارف حسین الحسینی وہابی ہیں اور ان کے عقائد درست نہیں ہیں تو پھر اس ملک میں محب اہلبیتؑ اور عاشق آل محمدؑ کون ہے۔

شہید مظلوم عزاداری سید الشہداء کے بہت دلدادہ تھے ،خدا نے انہیں نہایت پرسوز اور دلکش آواز دی تھی۔آپ مصائب آل محمدؑ اور دعائے کمیل ،اس قدر رقت آمیز انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے بے اختیار رو دیا کرتے تھے۔عزاداری سید الشہداء کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ " عزاداری ہماری شہ رگ حیات ہے "،آپ کو عزاداری سید الشہداء سے والہانہ لگاؤ تھا۔

اخلاق واقدار:۔

شہید بزرگوار کو خداوند تعالیٰ نے اخلاق ومحبت کے اعلیٰ ترین جوہروں سے آراستہ کیا تھا۔یہ آپ کی خلیق شخصیت ہی کا اثر تھا کہ آپ نہایت ہر دلعزیز شخصیت بن گئے تھے ہر انسان کی کچھ واضح اور نمایاں صفات وخصوصیات ہوتی ہیں جو بسا اوقات اس کی شخصیت کے تعارف اور پہچان میں سرفہرست قرار پاتی ہیں۔خندہ روئی،خوش اخلاقی اور تواضع کے جوہر شہید کی شخصیت میں سب سے زیادہ نمایاں تھے،اسی بنا پر جو بھی شخص آپ سے ملنے جاتا آپ اس سے اس انداز سے ملتے کہ ہر ملنے والا یہ محسوس کرتا کہ گویا وہ ایک عرصے سے اس سے آشنا ہیں۔ ملنے جلنے کے دوران ہمیشہ سلام کرنے میں دوسروں پر سبقت لے جاتے ،اس عمل میں آپ چھوٹے بڑے اور امیر غریب کے درمیان کسی قسم کی تفریق روا نہ رکھتے ،جو بھی ملاقات کے لیے آتا اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہوجاتے شہید میں ایک خصوصیت جو بہت نمایاں تھی وہ آپ کی سخاوت اور بخشش کی روش تھی۔آپ کے پاس جو کچھ بھی ہوتا کبھی اس کو اپنا نہ سمجھتے ،آپ کوشش کرتے کہ جو کچھ بھی پاس ہے دوسروں کو اس میں شریک کرلیں،گھر میں کوئی خاص چیز پکتی تو کوشش کرتے کہ کسی نہ کسی کو کھانے میں شامل کرلیں،آپ نے کبھی شکم پرستی کو اپنا شعار نہ بنایا،کھانا بہت کم کھایا کرتے تھے،کوئی حادثہ پیش آجاتا تو سخت متاثر ہوتے مثلاً کہیں فساد ہوجائے یا کہیں ظلم ہوا ہو یا مومن کو کوئی صدمہ پہنچتا تو آپ اس کا بہت زیادہ اثر لیتے اور جو کچھ مدد امکان میں ہوتی اس میں کبھی کوتاہی ہرگز نہ کرتے ،شہید بزرگوار میں یہ بات بڑی واضح تھی کہ آپ ہر لحاظ سے معاشرے کے دردوغم میں برابر کے شریک تھے خصوصاً قیادت کی ذمہ داری سر پر آنے کے بعد آپ میں یہ احساس بہت زیادہ شدت اختیار کرگیا تھا پاکستان کے کسی گوشے میں مومنین کو جو بھی تکلیف پہنچتی اکثر مقامات پر بنفس نفیس جا کر ان کی دل جوئی واشک شوئی فرماتے ،اسی بنا پر آپ اکثر اوقات گھر سے باہر سفر میں رہتے ،آپ نے اپنے آرام کا کبھی خیال نہ رکھا،حقیقت میں عوام میں آپ کی زبردست مقبولیت اور ہر دلعزیزی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی اور کہ لوگوں نے ساڑھے چار سال کے دوران ہر کٹھن مرحلے پر آپ کو ہمیشہ اپنے درمیان پایا،شہید کو خداوند متعال نے نہایت بلند حوصلہ عطا فرمایا اور تحمل و بردباری کی دولت سے بھی نوازا، حالات جس قدر بھی ناموافق ہوتے وہ نہ تو کبھی گھبراتے اور نہ کبھی جذبات سے مغلوب ہوکر جلد بازی میں کوئی قدم اُٹھاتے،سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتے اور پھر اس پر آہنی عزم وارادے کے ساتھ ڈٹ جاتے۔

شہید بزرگوار میں صلۂ رحمی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔آپ جب

بھی پاراچنار جاتے اپنے تمام عزیز واقارب اور دوستوں کی خبر گیری کرتے ۔ چنانچہ آخری بار جب آپ پاراچنار گئے تھے تو تقریباً اپنے سب رشتہ داروں کے پاس گئے اور ہر ایک کی احوال پرسی کی، سب دوستوں سے ملے اور اس آخری سفر میں آپ کی طبیعت میں ایک خاص قسم کی تبدیلی محسوس ہو رہی تھی ۔ آپ بہت خوش نظر آرہے تھے اور دیکھنے والوں کو آپ کے چہرے پر ایک خاص قسم کی رونق نظر آتی تھی۔

قائدانہ صلاحیتیں:۔

شہید بزرگوار نے ساڑھے چار سال کے مختصر عرصے میں جو جدوجہد کی اس پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا کسی قدر اندازہ ہوسکتا ہے ۔ جب کہ انہیں ایسے مسائل کا سامنا تھا کہ ساڑھے چار سالہ قیادت کے دور میں دو سال کا عرصہ صرف اس وضاحت اور حقیقت کے بیان کرنے اور ظالموں اور استعمار کے ایجنٹوں کے اس زہریلے پروپیگنڈے کے منفی اثرات زائل کرنے پر صَرف ہوا کہ قائد بھی ایک حقیقی شیعہ، موالی اہلبیتؑ اور عقیدے کے لحاظ سے پکے مومن اور عزاداری کے قائل اور حامی ہیں اور آپ نے کئی مرتبہ بڑے افسوس سے اس کربناک صورتحال کا تذکرہ بھی کیا اور کہا کتنا ظلم ہے کہ میں ایک عاشق اہلبیتؑ اور عزادار حضرت امام حسینؑ ہوں اور اپنا سارا وقت اور ساری صلاحیتیں اس بات پر خرچ کر رہا ہوں کہ ان ظالموں اور خدا کے دشمنوں کے اس پروپیگنڈے کا اثر زائل کروں جو ہمارے بارے میں ہر جگہ کہتے ہیں کہ گویا میں عزاداری کا مخالف ہوں، میرا عقیدہ شیعوں والا نہیں ہے وغیرہ وغیرہ اور وہ بھی کن لوگوں نے یہ بات ہی ہے، وہ جو کل تک شیعہ بھی نہ تھے، نہ ان کا باپ شیعہ تھا نہ دادا جو پتہ نہیں کسی مصلحت اور مفاد کے لیے شیعوں کی صفوں میں داخل ہوگئے ہیں۔ پتہ نہیں کیا کرنا چاہتے ہیں، یا وہ جاہل و نادان جو برائے نام شیعہ تو ہیں لیکن مکتب تشیع اور عقائد شیعہ کا ان کو ذرہ برابر پتہ تک نہیں ہے۔لہٰذا کئی مقامات پر تقریر کے دوران فرمایا کہ میں ان سب سے زیادہ مولائی ہوں، عزادار ہوں، عاشق اہلبیتؑ ہوں۔

ہم میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ وہ اپنی باتوں کے صرف زبانی مدعی ہیں۔ نہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے نہ ثبوت ہے لیکن ہم ولایت علی، عزاداری اور شیعہ عقائد پر ٹھوس اور مضبوط دلائل بھی رکھتے ہیں۔ اہل بیت اور مولا علیؑ سے توسل اور مدد مانگنا، عزاداری کا نہ صرف یہ کہ میں قائل ہوں بلکہ اس کے لیے مضبوط دلائل بھی پیش کرسکتا ہوں۔

آپ کے یہ معروف جملے کہ " عزاداری ہماری شہ رگ حیات ہے " یا " عزاداری شعائر اللہ میں سے ہے " ان ظالم اور جاہل لوگوں کو بتانے کے لئے تھے کہ جو یہ پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ عارف حسینی عزاداری کے مخالف ہیں۔ یا اس قسم کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے تھے۔شہید کو ان باتوں کا کس قدر افسوس تھا، ہمیشہ کہتے رہتے کہ کتنا ظلم ہے کہ ماحول کو اتنا خراب کردیا گیا ہے کہ اب ہمارا قیمتی وقت جس سے فائدہ اُٹھا کر شیعہ قوم کے لیے مثبت اور مفید کام کرسکتے تھے ان لایعنی وضاحتوں میں صرف ہو رہا ہے۔

بہرحال دو سال کا قیمتی اور لمبا عرصہ ان جیسے مسائل کو حل کرنے اور سمجھانے میں گزارنے کے باوجود باقی عرصہ میں جو شہید کو موقع ملا تو وسائل کے نہ ہونے کے باوجود آپ نے مندرجہ ذیل اہم شعبوں میں قوم کو بہت آگے پہنچایا۔

۱۔ قومی وملکی وقار میں اضافہ کیا۔

۲۔ قوم وملت میں سیاسی شعور پیدا کیا۔

۳۔ مذہب کو اس کی حقیقی صورت میں متعارف کرایا۔

۴۔ دین وسیاست کی جدائی کے غلط تاثرات کا ازالہ کیا۔

۵۔ قوم کو مضبوط مرکزی پلیٹ فارم مہیا کیا۔

۶۔ قوم میں موجود تنظیموں، اداروں اور انجمنوں کو مرکزی پلیٹ فارم سے وابستہ کیا۔

۷۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے پلیٹ فارم سے اپنی انتھک کوششوں کی بنا پر ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ملت جعفریہ پاکستان کے تشخص کو قائم کیا اور منوایا۔

۸۔ تحریک کو محدود مدت سے نکال کر اعلیٰ اہداف اور مقاصد کے حصول کے راستے پر لگایا۔

۹۔ اپنے کردار وعمل سے ملت پر علماء کا صحیح مقام اجاگر کیا۔

۱۰۔ اپنی پرجوش اور ولولہ انگیز قیادت سے قوم وملت کو نا امیدی اور مایوسی کی دلدل سے نکال کر ان کے احساس کمتری کو ختم کیا اور قوم وملت کو اس کی حیثیت کا صحیح اندازہ کرایا۔

۱۱۔ ملت جعفریہ پاکستان کو بین الاقوامی اسلامی تحریکوں سے وابستہ کیا۔

۱۲۔ نئی اور تعلیم یافتہ نسل کو اپنے عمل وکردار سے علماء صالح کی زندہ مثال اور تقدس عملی پیش کرکے ان کے اذہان سے علماء کے بارے میں بہت سارے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا۔

☆☆☆☆☆

دورہ برطانیہ
شہید قائد عارف حسین الحسینی

ڈاکٹر عابد علی شاہ

قائد شہید سید عارف حسین الحسینیؒ کی معیت میں گزرنے والا لمحہ قیمتی اور بیش بہا سعادتوں سے بھرپور ہوتا تھا۔ اور خصوصاً سفر یا اندرون ملک دوروں میں ذمہ داری کے علاوہ روحانی فیوضات بھی میسر رہتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوا صبح کا ناشتہ کراچی میں اور مغرب وعشا دور دراز پہاڑی وادیوں میں پڑھی جاتی تھی۔ وہ انتھک اور روحانی توانائیوں سے بھرپور قائد تھے۔ سفر میں بھی ان کی دعاؤں اور عبادات کے معمولات میں فرق نظر نہیں آتا تھا۔ جون 1986 دو دعوت نامے موصول ہوئے۔ ایک حسینی مشن نیوپورٹ انگلینڈ تھا اور دوسرا حج کے دوران مکہ میں امام خمینیؒ کی فلسفہ حج ابراہیمی پر منعقد ہونے والے سیمینار میں شرکت کا تھا

اس پر برکت سفر پر مجھے بھی ہمراہی کا شرف ملا۔ اس وقت تحریک کے نائب صدر سید ساجد علی نقوی ہمراہ تھے۔ دونوں دعوت ناموں کی تاریخیں قریب تھیں۔ 19 جولائی کو لندن کے اندر استقبال کیا اور باہر علامہ سید صفدر حسین نجفی سید ضیا الدین اور سیٹھ نوازش علی کے علاوہ بہت سارے لوگوں نے استقبال کیا۔ اور ایک بھرپور جلوس کی صورت میں وہاں سے نیوپورٹ پہنچے۔ اگلے دن اسی شہر میں نوتعمیر مرکز حسینی مشن کا افتتاح کیا۔ اور اپنے خطاب میں کچھ اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا اور وہاں کے مومنین سے کہا کہ آپ دو باتوں کا خیال رکھیں ایک تو اپنے مذہب کے سفیر کے طور پہ یورپ میں رہیں اور اہم یہ کہ اس معاشرے کی صحیح درست تصویر مثبت اور منفی دونوں پہلو ہمارے ملک میں بیان کیا کریں ہم یورپ کے بارے میں افراط وتفریط میں مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ یورپ کو بے دینی کا مرکز اور کچھ لوگ یورپ کو انصاف پر مبنی معاشرہ قرار دیتے ہیں۔ آپ لوگ دونوں پہلوؤں میں مبالغے سے کام نہ لیں یہاں کی ٹیکنالوجی کے حصول میں شیعہ نوجوانوں کی مدد کیا کریں۔ واضح رہے کہ اس تقریب میں ایران کے ایک عالم شاہ آبادی اور عراق کے سید خلیل طباطبائی بھی شریک تھے

انگلینڈ کا یہ دورہ 27 جولائی تک تھا۔ اس دوران لندن اور نیوپورٹ کے علاوہ سکاٹ لینڈ برمنگھم اور دوسرے شہروں میں مومنین سے ملاقاتیں کیں اور مختلف شیعہ انجمنوں کی طرف سے منعقدہ استقبالیہ پروگراموں میں شرکت کی۔ مرکز الخوئی کے علاوہ دیگر انٹرنیشنل مراکز ورلڈ اہل بیت لیگ اور بہت سارے مقامی انجمنوں اور شخصیات سے تبادلہ خیالات کرتے رہتے تھے۔ جناب مہدی الحکیم اور دیگر شخصیات بھی شہید کے میزبان رہے اور ان سے طویل اور مفید نشستیں ہوئیں۔

جو میں نے محسوس کیا اس دورے کا مدعا بالکل الگ تھا۔ وہ ہر نشست نجی

دعوتوں اور ملاقاتوں میں یورپ میں نوجوانوں کو زیادہ مخاطب کیا کرتے تھے ۔ اور کوشش یہ تھی کہ یورپ میں پلے بڑھنے نوجوانوں کو دینی حوزوی تعلیم کیطرف مائل کریں۔ شہید کو بتایا گیا تھا اور والدین بھی یہی ذکر کرتے کہ بچے بڑے ہوتے ہیں تو آزاد ہوتے ہیں اور والدین کا اختیار ختم ہوتا ہے اس لیے دین کیطرف رغبت نہیں رہتی ۔ اس لیے قائد شہید نے شدت سے اس کمی یا کمزوری کو محسوس کیا مقامی علما اور اداروں نے کہا کہ آپکی سب بڑی خدمت یہ ہوگی کہ یہاں سے لڑکوں لڑکیوں کو حوزہ علمیہ

جانے کی رغبت دلادیں ۔ ان کا خیال تھا کہ مقامی نوجوان اگر عالم بن جائیں تو علم کے علاوہ زبان اور یہاں کے کلچر اور یوتھ کے ٹرینڈ کو بہتر سمجھ سکتے تھے، اور بنیادی اصلاحات لے آئے گا۔ 25 جولائی کو جمعے کا دن تھا۔ ساؤتھ لندن کی ایک مرکز میں جہاں مولانا جان علی شاہ کاظمی میزبان تھے جو خود بھی اس وقت معمم نہیں تھے۔ ان سے اور وہاں دوسرے مومنین سے سیر حاصل گفتگو ہوئی اور انھوں نے جان علی شاہ کاظمی کو بھی حوزہ علمیہ جانے کی ترغیب دلائی

میں نے بعد میں دیکھا کہ شہید قائد نے حوزہ علمیہ قم کے ذمہ داران سے کالجوں یونیورسٹوں کے گریجویٹس اور خاص کر یورپ کے نوجوانوں کیلئے خصوصی شرائط وضع کرنے کا کہا اور اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے ۔ بر صغیر خاص کر پاکستان سے بہت سارے یونیورسٹیوں کے طالب علموں نے حوزہ علمیہ کا رخ کیا اور یورپ امریکہ کے جوان بھی پیچھے نہ رہے ۔ آج یورپ اور امریکہ میں انگریزی بولنے والے علما کی موجودگی شہید قائد کے اس دورے کا نتیجہ ہے

اگلے دن یعنی 26 جولائی کو برمنگھم جانے کا پروگرام تھا۔ اس سے قبل عربی میگزین العالم سے تفصیلی انٹرویو کیا۔ جس میں پاکستان کے حالات اور انقلاب اسلامی ایران کے اثرات پر بات ہوئی ۔ وہاں پر موجودہ عرب صحافیوں اور دیگر شخصیات کو شاید پہلی بار پتہ چلا کہ پاکستان انقلاب اسلامی ایران سے کتنا قریب ہے وہ لوگ جنرل ضیاالحق کو اسلام کے ہیرو اور نشاط ثانیہ سمجھ رہے تھے ۔ اس محفل میں اس پر بھی سیر حاصل گفتگو ہوئی اور بہت ساری غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا

برمنگھم کے پروگرام میں پاکستان کے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ میں اختلاف اور دوگروہوں کو بعض لوگوں نے شدت سے مشخص کیا اور کافی سوالات اُٹھائے گئے ۔ شہید قائد نے بڑے صبر اور حوصلے اور پوری وضاحت سے صورت حال اور اپنے ارادے کو بیان کیا ۔ اور انہوں نے لوگوں کو یہ بھی بتایا ہم تحریک کو ملت کے سیاسی اور مذہبی حقوق حاصل کرنے کا ایک موثر پلیٹ فارم بنائینگے ۔ آج تک شیعہ قوم کا مطالبہ صرف یہ رہا ہے کہ ہمیں عزاداری کی آزادی ہو جو کہ در حقیقت مطالبہ نہیں ایک شہری حق ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری ملت جعفریہ کا ملکی امور میں سیاسی رول ہو ۔ ملک میں شیعہ لبرل ذہن ہے جو سیاسی پارٹیوں میں نمایاں ہے ہم کیوں نہ ملت کے ان سارے طبقوں کو اکٹھا کر کے ایک پولیٹکل فورس میں تبدیل کریں جس کے ذریعے ہماری موثر پارلیمانی نمائندگی ہو ۔ شہید قائد کی زبان سے یہ باتیں سن کر بہت سے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو پہلی بار یہ سوچ دیکھ رہے ہیں ۔ بہت سارے لوگوں نے بڑی داد بھی دی اور تعاون کا یقین دلایا

اتوار 27 جولائی اس دورے کا آخری دن تھا اور کراچی میں ملت جعفریہ نامی تنظیم نے پروگرام بنایا تھا ۔ اس نشست میں مومنین کے اقتصادی صورت حال اور خاص پاکستان میں منصوبہ بندی پر بات ہوئی ۔ بڑی تجاویز بھی قائد کے سامنے رکھی گئیں ۔ شہید قائد نے ان تجاویز پر بڑی خوشی کا ارادہ ظاہر کیا ۔ لیکن شہادت نے بہت جلد اس گوہر نایاب کو چھین لیا اور ملت کی بہبود کے یہ منصوبے حقیقت نہ بن سکے

انگلینڈ کے اس دورے کا آخری عشائیہ لندن کے معروف بخاری برادران کے ہاں رہا ۔ جہاں اپنے وعظ ونصیحت کا دریا بہایا ۔ یورپ میں وسائل کی فراوانی اور پاکستان میں ملت جعفریہ کے اقتصادی اور فکری فقر وغربت پر بات کی ۔ اسطرح برطانیہ کا دس روزہ دورہ اختتام پذیر ہوا اور جولائی کی اٹھائیس تاریخ کو حج کی خاطر جدہ پہنچے

شہید علامہ عارف حسین الحسینیؒ

اور ان کے سیاسی افکار و اقدامات

سید ثاقب اکبر

10 اپریل 1984ء سے 5 اگست 1988ء تک چار برس اور چار ماہ سے چند دن کم کی مدت بنتی ہے۔ شہید علامہ عارف حسین الحسینیؒ کی مدت قیادت بس اتنے مختصر عرصے پر محیط ہے لیکن اُن کی شخصیت ہے کہ ابھی تک دل و دماغ پر جلوہ افگن ہے۔ ان کا پیغامِ دلنشیں ابھی تک دلوں کو فتح کیے جا رہا ہے۔ ان کے دور کے جوان یا چل بسے یا ضعیف ہوگئے۔ کوئی کوئی ابھی تک فعال ہے۔ نوجوان ادھیڑ عمر ہو گئے اور تیسری نسل ان کے افکار کا مطالعہ کر رہی ہے یا ان کی صوت وصورت کو آڈیوز اور ویڈیوز میں دیکھ رہی ہے اور راہ پا رہی ہے، ولولے حاصل کر رہی ہے، فکر کو نورانی کر رہی ہے۔ وہ آج بھی بیداری کے پیامبر اور حوصلے کی نوید ہیں۔ وہ للّٰہیت کے بیج بو رہے ہیں۔ نیکی و پرہیز گاری کی راہ دکھا رہے ہیں۔ دوست و دشمن کے مابین حد فاصل کھینچ رہے ہیں۔ وہ شہادت کے بعد اپنے خون آلود چہرے کے ساتھ نور بانٹ رہے ہیں، آگے بڑھ رہے ہیں اور قیادت کر رہے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو کسی منصب پر اس سے طویل مدت کے لیے آتے ہیں لیکن بس بھاری عناوین و القاب کے سہارے کسبِ تقدس کرتے ہوئے باقی رہتے ہیں، انھیں اس امر کا اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ ان کی نشست گاہ اور ماحول برکتوں سے عاری ہو چکا ہے۔ کھڑا پانی جو کبھی دوسروں کو پاک کرتا تھا اب آلودہ ہو چکا ہے۔ جھیل جوہڑ میں بدل چکی ہے۔ تاہم ایسے بھی ہیں کہ جن کا ہر دن ایک نیا پھول کھلاتا ہے اور جو آخر کار گلستان آباد کرتے ہیں اور بقول امیر المومنین حضرت علیؑ کے جن کا ہر دن گزرے ہوئے کل سے بہتر ہوتا ہے۔ شہید قائد کی یادوں سے سینہ آباد ہے۔ بہت عرصے سے بہت کچھ کہنے اور لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ لیکن بقول مرزا غالب:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دَم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

پہلی دفعہ شہید کی زیارت 1978ء میں پارہ چنار میں نصیب ہوئی۔ میں اس وقت آئی ایس او کا مرکزی صدر تھا۔ وہاں ہم آئی ایس او کے سالانہ تربیتی کیمپ کے سلسلے میں گئے تھے۔ ملک بھر سے آئی ایس او کے نمائندگان

ہمارے ساتھ تھے۔ شہید اس وقت جامعہ جعفریہ پارہ چنار میں استاد تھے۔ علامہ عابد حسین الحسینی بھی وہیں پر استاد اور امام جمعہ و جماعت کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ شہید نے کئی دروس کہے۔ ان سے ملاقاتیں اور نشستیں ہوتی رہیں۔ وہ بولتے تو ان کی بات دل میں اتر جاتی۔ انھیں دیکھتے تو ان کے وجود کا عکس دلنشیں ہوجاتا۔ واپسی پر میں نے اپنے ایک ساتھی سے بس میں بیٹھے بیٹھے کہا کہ کیا یہ اتنی بڑی شخصیت انھیں پہاڑوں میں رہ جائے گی اور ہم ان سے استفادہ نہیں کرسکیں گے؟ تاہم ایک روز آیا جب اللہ تعالیٰ نے دل سے ابھرنے والی اس آرزو کو پورا کردیا۔

1979ء میں مفتی جعفر حسین قائد مرحوم کا بھکر کے عوامی کنونشن میں انتخاب ہوا۔ اسی موقع پر ٹی این ایف جے معرض وجود میں آئی۔ اس کے بعد تحریک کا تنظیمی ڈھانچہ بننے لگا اور اس کا دستور شکل اختیار کرنے لگا۔ گوجرانوالہ کے ایک اجلاس میں تحریک کی سپریم کونسل کے لیے اراکین کی نامزدگی ہو رہی تھی۔ ہم نے ایک دوست کے ذریعے سے شہید علامہ عارف حسین الحسینی کا نام رکنیت کے لیے پیش کیا جو منظور ہوگیا۔ اس طرح سے وہ ایک ملک گیر پاپولر عوامی شیعہ تحریک کے مرکزی قائدین میں شامل ہوگئے۔

جولائی 1980ء میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والے عظیم الشان تاریخی کنونشن کے انعقاد اور پھر اس کی کامیابی میں شہید کا کردار بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ جب اس کنونشن کے لیے اہم ترین اجلاس مدرسہ آیت اللہ الحکیم راولپنڈی میں منعقد ہو رہے تھے تو شہید کا کردار ان میں فیصلہ کن تھا۔

ان تمام امور کی بڑی دلچسپ تفصیلات ہیں لیکن اس نشست میں ان کی گنجائش نہیں ہے، پھر ساری باتیں کہی بھی نہیں جاسکتیں کیونکہ گاہے آبگینوں کو ٹھیس لگ جاتی ہے۔ نیز بقول آزاد انصاری:

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

10 اپریل 1984ء کو مرحوم مفتی جعفر حسین کی زندگی میں منظور شدہ تحریک کے دستور کی روشنی میں مرکزی کونسل اور سپریم کونسل کا اجلاس قصر زینب بھکر میں منعقد ہوا جس میں محسن ملت مولانا سید صفدر حسین نجفی مرحوم اور دیگر علمائے کرام کی کوششوں اور اصرار کے نتیجے میں علامہ سید عارف حسین الحسینی مفتی جعفر حسین مرحوم کے جانشین کی حیثیت سے اتفاق رائے سے منتخب ہو گئے۔ اس دن سے قوم ان کی شخصیت سے متعارف ہونا شروع ہوئی۔ انھیں پہلے داخلی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کردارکشی اور بدتمیزی کا ایک طوفان تھا جس کا مقابلہ انھوں نے بڑی ہمت و جرأت اور خندہ پیشانی سے کیا۔ ساتھ ساتھ وہ قومی اور ملکی مسائل کی طرف متوجہ ہوئے۔ ضیاء الحق کا دور استبداد و آمریت تھا۔ کم ہی کسی کو اس کے مقابلے میں بولنے کی جرأت تھی۔ البتہ شہید نے علامہ مفتی جعفر حسین کی وراثت پائی تھی جو ضیاء الحق کی منافقت اور ظلم کے خلاف اس ملک کی پہلی بھرپور آواز بن کر ابھرے۔ انھوں نے اس وقت ضیاء الحق کو للکارا جب اس ملک میں خوف و وحشت کے بھیانک سائے ہر طرف منڈلا رہے تھے۔ شہید نے جب معرکہ کارزار میں قدم رکھا تو ضیاء الحق کے خلاف سیاسی تحریک منظم ہونے لگی تھی۔ اس موقع پر انھوں نے جس طرح سے سیاسی حوالے سے اقدامات شروع کیے اور پھر آہستہ آہستہ پیش رفت کرتے رہے، اس کے بارے میں برادر عزیز سید نثار علی ترمذی نے گذشتہ دنوں چند قسطوں میں ضروری ضروری مطالب لکھ دیے ہیں۔ ہم انھیں کے مطالب سے چند سطریں اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

''مفتی جعفر حسین مرحوم نے اپنی رحلت سے قبل روزنامہ جنگ لاہور کو ایک انٹرویو دیا تھا جس میں دیگر معاملات کے علاوہ تحریک بحالی جمہوریت MRD کی حمایت کا اعلان کیا تھا۔ شہید علامہ عارف حسین الحسینی نے قیادت کا منصب سنبھالتے ہی بھکر میں پریس کانفرنس سے

خطاب کیا اس میں بھی دیگر مطالبات کے علاوہ 1973 کے آئین اور جمہوریت کی بحالی کے مطالبات شامل تھے۔ بھکر کے انتخاب کے فوراً بعد شہید لاہور تشریف لائے۔ یہاں مال روڈ لاہور، لارڈز ہوٹل جہاں اب مسجد شہداء کے ساتھ پلازہ بن گیا ہے، میں پریس کانفرنس سے خطاب کیا، اس میں بھی 1973 کے آئین اور جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ کیا۔ شہید نے جنرل ضیاء کے ریفرنڈم کی سخت مخالفت کی اور اس حوالے سے ضروری نشر و اشاعت بھی کی۔ یہ وہ دور تھا کہ جب تقریباً تمام مذہبی جماعتیں جنرل ضیاء کے ریفرنڈم کی حمایت میں یکجا تھیں۔ جنرل ضیاء کے مطابق ریفرنڈم کی مخالفت اسلام کی مخالفت سمجھی جائے گی۔ دیگر سیاسی جماعتیں شدید دباؤ میں ہونے کی وجہ سے مؤثر آواز بلند نہ کر سکیں۔ اس دور میں شہید ہی کی توانا آواز تھی جو گونج رہی تھی اور بی بی سی نے اس خبر کو یوں نشر کیا: پاکستان کے عوام نے صدارتی ریفرنڈم کا مکمل بائیکاٹ کر دیا اور بمشکل پانچ فیصد عوام نے ووٹ ڈالے۔ شہید کے اس حوالہ سے جرأت مندانہ موقف کو ہر جگہ سراہا گیا۔ شہید کے بیان کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے شہید سے منسوب ایک جھوٹا بیان جاری کروایا گیا جس کی فوراً تردید کی گئی۔ شہید کے اس موقف کی وجہ سے انھیں تحریک بحالی جمہوریت میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ اس میں تحریک کی طرف سے سید منیر حسین گیلانی شرکت کرتے رہے۔ ''لارڈز ہوٹل کی پریس کانفرنس کے انتظام و انصرام سے لے کر اس میں شہید کی طرف سے پیش کیے گئے مطالب کو سپرد قلم کرنے تک تمام امور میں راقم شریک رہا ہے۔ اس کے بعد بھی تحریک کے اہم ترین اقدامات کا فکری اور عملی حصہ رہنے کی وجہ سے بہت سے حقائق اور تاریخ کے بہت سے گوشے ابھی تک میرے حافظے میں صاف و شفاف آئینے کی طرح موجود ہیں۔ مذکورہ بالا مطالب سے جو نتائج یا اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ شہید قائد فوجی آمریت اور استبداد کی کسی بھی شکل کو قبول نہ کرتے تھے۔

۲۔ پاکستان میں وہ آئین اور قانون کی بالادستی کے علمبردار تھے اور انھوں نے 1973ء کے آئین کی بحالی کا مطالبہ کیا۔

۳۔ شہید نے جمہوریت کی بحالی کا بھی مطالبہ کیا اگرچہ جمہوریت کے حوالے سے ان کا جامع نظریہ مختلف مواقع پر سامنے آتا رہا ہے، تاہم اصولی طور پر وہ پاکستان میں عوام کی منتخب حکومت کے حامی رہے ہیں جسے وہ قرآن و سنت کی حدود میں رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بعد ازاں جو بیانات دیے اور جو اقدامات کیے ان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔

۴۔ شہید حسب ضرورت دوسری جماعتوں کے ساتھ اشتراک عمل کے بھی

قائل تھے جس کے لیے انھوں نے اقدامات بھی کیے۔

شہید علامہ عارف حسین الحسینیؒ شورائی نظام کے قائل تھے چنانچہ انھوں نے اپنی جماعت میں بھی تمام امور میں شورائی حکمت عملی کو اختیار کیا۔ سیاسی اقدامات کے لیے انھوں نے جماعت کے مختلف اداروں اور قوم کے اہل رائے کو شریک مشورہ کیا۔ شہید نے علامہ مفتی جعفر حسین کے دور میں منظور ہونے والے دستور کی بنیادوں کو بھی ملحوظ رکھا۔

شہید قائد کے زمانے میں تحریک کے منعقدہ کنونشن (18 و 19 اپریل 1985ء، رجوعہ سادات، چنیوٹ) میں تحریک کے ذمہ دار اداروں نے تحریک کے دستور میں عصری تقاضوں کے مطابق ضروری ترامیم کیں جن سے تحریک کے مقاصد پوری جامعیت کے ساتھ سامنے آئے۔ یہ مقاصد تحریک کے پاکستان کے اندر اہداف کے علاوہ عالمی مسائل میں موقف کا بھی احاطہ کرتے ہیں۔ ان پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس وقت تحریک کا نام ''تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان'' تھا۔ نیز یہ تحریک ضیاء الحق کے دور میں شیعوں کو نظر انداز کر کے مذہبی مسائل پر قانون سازی کے

ردعمل میں معرض وجود میں آئی تھی۔ لہذا بنیادی طور پر تو یہ ایک شیعہ تنظیم تھی لیکن شیعہ قائدین نے اپنے آپ کو ملکی معاملات اور عالم اسلام کے امور کے ساتھ وابستہ رکھا۔ لہٰذا اس ساری تحریک کو اس وقت کے زمینی حقائق اور زمان ومکان کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ہم تحریک کے نصب العین اور اغراض ومقاصد میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں جو اس دور میں فکری اور نظریاتی پیش رفت کو واضح کر رہے ہیں

: نصب العین؛ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ایک متقی، مدبر عالم دین کی قیادت میں انسانیت کے لیے دین اسلام کی صداقتوں کو اجاگر کرنا، نیز نظام زندگی کو اسلامی عدل کی بنیادوں پر استوار کرنا۔

اغراض ومقاصد* اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تمام مروجہ اور آئندہ نافذ ہونے والے دستور وقوانین میں شیعیان حیدر کرارؑ پاکستان کے لیے فقہ جعفریہ کے نفاذ کی جدوجہد نیز تمام قانون ساز اداروں میں ہر سطح پر فقہ جعفریہ اور شیعہ نقطہ نظر کے تحفظ اور ترجمانی کا اہتمام*

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اہل تشیع کے دینی، مذہبی، معاشی، تمدنی، سیاسی، تعلیمی اور دیگر جملہ حقوق کا تحفظ*

سامراجی اور استعماری قوتوں کے خلاف جدوجہد نیز تمام برسرپیکار تحریکوں

اور تنظیموں سے تعاون جو تحریک کے مقاصد کے حصول میں معاون ومددگار ہوں*

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعے تمام سماجی برائیوں کے خلاف جہاد، اسلامی اقدار کا فروغ اور ذرائع ابلاغ کی اصلاح*

طبقاتی تفاوت، اقتصادی استحصال کے خاتمہ کے لیے اسلامی اقتصادی نظام کے قیام کی جدوجہد۔

اس پس منظر کو سامنے رکھ کر اگر 6 جولائی 1987 کو لاہور میں منعقد ہونے والی قرآن وسنت کانفرنس میں جاری کیے گئے منشور "ہمارا راستہ" کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کتنے مختصر عرصے میں کتنی اہم منزلیں کس سرعت سے طے کی گئیں۔ آج جب ہم پلٹ کر اس دور کو دیکھتے ہیں اور اس میں ہونے والی پیش رفت کی رفتار کو دیکھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے۔ یہ تمام کام اداروں کے اندر انجام دیا گیا۔ متعلقہ افراد اور اداروں کے مشوروں سے ہر قدم اٹھایا گیا۔ اس کے لیے ضروری کمیٹیاں بنیں۔ جنھوں نے اپنا کام طے شدہ مدت میں خوش اسلوبی سے انجام دیا، یہاں تک کہ تاریخ کو نیا موڑ دینے کا دن آپہنچا، یعنی 6 جولائی 1987۔ یہی وہ دن تھا کہ جب دشمن کے سامنے شہید قائد کی قابلیت، ہنرمندی اور فکری جہت کے علاوہ عوام میں مقبولیت ومحبوبیت کھل کر سامنے آئی۔ تحریک علامہ حسینی کی قیادت میں جو رخ اختیار کر رہی تھی اس پر اسلام، پاکستان اور انقلابی فکر کی دشمن طاقتوں نے گہرا غور وفکر کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ اگر علامہ عارف حسینی کو روکا نہ گیا یا انھیں راستے سے ہٹایا نہ گیا تو ایران کے بعد پاکستان بھی استعمار کے ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ عارف حسین الحسینی جس انداز سے اپنے نظریات پاکستان کے عوام کے سامنے پیش کر رہے تھے وہ ان کے دلوں میں گھر کیے جا رہا تھا۔ تحریک نے جو منشور پیش کیا وہ بھی ایک انقلابی اور اسلامی پاکستان کا وجد آفریں خاکہ تھا۔

کچھ یادیں کچھ باتیں

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید اسد رضا بخاری

طہارت گفتار اور شرافت کردار کا عملی نمونہ، نگاہوں نے بارہا ان کے چہرے کی تلاوت کی اور کانوں نے بارہا ان کی دل میں اتر جانے والی گفتگو سنی، ان کی نشست و برخاست کا اپنا انداز تھا، ان میں وہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں جو روایات اور احادیث کی کتابوں میں ان علماء کے بارے میں بیان کی گئی ہیں جن کو وارثین انبیاءؑ کہا گیا ہے۔

قائد محترم کے بارے میں بہت سے افراد لکھ رہے ہیں میرا بھی فریضہ ہے کہ میں بھی کچھ لکھوں کہ ملاقاتوں کے سلسلے اور افکار و کردار کے حوالے سے بہت ساری یادیں اور باتیں ایسی ہیں جنہیں قائد شہید سے والہانہ عقیدت رکھنے والے اور ان فیض پانے والے برادران ایمانی تک پہنچانا از بس ضروری ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ احباب کے بار بار کے تقاضوں کے باوجود اور اندرونی احساس کے باوصف سردست کچھ لکھ نہیں پا رہا۔ اس لیے بھی کہ ان کی شہادت کے عظیم ترین سانحے پر جو کیفیت مرتب ہوئی ہے اس کے زیرِ سایہ کام ڈھب سے ہنوز ہو نہیں پا رہا۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سب کچھ بکھر کے رہ گیا ہو۔ طبیعت ذرا سنبھل جائے تو تفصیلاً کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا ویسے بھی اتنی بڑی شخصیت پر کچھ لکھنا انتہائی مشکل کام ہے۔

وہ پاکستان ہی کی نہیں بلکہ عالم اسلام کی بڑی اور معدودے چند شخصیات میں سے ایک تھے لیکن اس کے باوجود مجھے ان کی جس چیز نے متاثر کیا اور جس چیز نے مجھ پر ان کی شخصیت کو اجاگر کیا وہ اس قدر بڑی شخصیت ہونے کے باوجود ان کی منکسر المزاجی تھی۔ وہ عام آدمیوں میں ایسے بیٹھے تھے جیسے انہی میں سے ایک ہوں، وہ کارکنوں سے اس قدر شفقت سے پیش آتے تھے کہ ہر کارکن یہ سمجھتا تھا کہ قائد کی اس پر خاص شفقت ہے اور پھر عجیب بات ہے کہ وہ یہ سمجھنے میں حق بجانب بھی تھا۔

شہید محبوب اپنی ذات کو محبت الٰہی میں اس طرح فنا کر چکے تھے اور انہیں اپنے مشن سے اس قدر والہانہ لگاؤ تھا کہ طعن و تشنیع کے تیروں کے زخم کھا کے مسکرا دیتے تھے اور کسی کی جانب سے معاندانہ طرز عمل اگر ان کی ذات کے بارے میں ہوتا تھا۔ تو اس قدر وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے نظر انداز کر دیتے تھے کہ دیکھنے والا حیران ششدر رہ جاتا تھا وہ کسی مسئلے کو اپنی ذات کے خول میں رہ کر دیکھنے کے عادی نہ تھے۔ ان کی سوچ عالمی سطح پر مسائل کے تجزیئے میں صرف ہوتی اور ان کی نگاہ مسلمانوں کے مسائل پر جمی رہتی۔ اتحاد بین المسلمین کے لیے کام کرنا اور اس راستے پر

جان تک نثار کر دینا ان کی زندگی کا مقصد تھا اور یہی مقصد ان کی زندگی کے آخری سانس اور آخری قطرہ خون تک ان کے پیش نظر اور ان کی مساعی جمیلہ کا محور رہا اور اسی مقدس مشن کے لیے سرگرم عمل رہے جس نے انہیں اہل اسلام کی آنکھ کا تارا اور دشمنان اسلام کی آنکھ کا کانٹا بنا دیا۔ وہ خطرات کا ادراک رکھتے ہوئے بھی اس پر خطر راستے پر مکمل استقامت کے ساتھ چلتے اور اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔ شب و روز کی انتھک جدوجہد اپنے اثرات ونتائج کے اعتبار سے امید افزاء ہو کر ان کے عزم وعمل کی قوتوں کو مزید مجتمع کر کے ہر روز اس میں اضافہ کرتی رہی۔

انکسار وتواضع شہید قائد کی ذات کا وہ عظیم جوہر تھے کہ جس نے ان کی بلند و بالا شخصیت کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے جس کسی سے ملتے اس کا دل موہ لیتے اپنے دفتر میں آنے والے، ملاقاتیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے، کھانا انتہائی سادہ اور لذیز ہوتا۔ اگر سالن دو قسم کا ہوتا (جو عام طور پر دال اور گوشت پر مشتمل ہوتا تھا) تو خود دال کھاتے اور ساتھیوں کو اصرار کے ساتھ گوشت کی آخری بوٹی تک تقسیم کر دیتے، بات کرنے والا جب تک بات کرتا نہایت خندہ پیشانی سے سنتے اور پھر نہایت مشفقانہ انداز سے اپنی بات سمجھاتے، مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب کے سوال پر کسی قدر جواب میں سختی پیدا ہوگئی اور اس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ مزاج میں قدرے برہمی ہے۔ آپ نے سختی کے ساتھ پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے اور شیعہ سنی اتحاد پر دلائل دیتے ہوئے افغانستان کے مسئلے پر اپنے مؤقف کا اظہار کیا اور یہ حقیقت ہے کہ ان امور میں شہید قائد رضوان اللہ علیہ کا مؤقف انتہائی دو ٹوک اور واضح تھا ان کی مدبرانہ قیادت اور زبردست جدوجہد سے شیعہ قوم میں ایک عظیم تبدیلی پیدا ہوئی اور قوم نے اپنے مذہبی نقطہ نظر کو بین الاقوامی حالات و وسائل کے تناظر میں دیکھنا شروع کیا، روایتی طرز فکر کی جگہ انقلابی طرز فکر نے لے لی اور شہروں کا تو کیا ذکر دور دراز دیہات کے کم تعلیم یافتہ لوگ بھی اس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق کہ

”جو شخص اس حال میں اپنے دن کا آغاز کرے کہ اسے اپنے مسلمان بھائیوں کے امور سے کوئی دلچسپی نہ ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے“۔

سوچنے لگے، طرز تفکر میں زبردست تبدیلی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ایران کے اسلامی انقلاب نے شیعہ سنی اتحاد کا جو نعرہ دیا اسے معاشرتی حوالے سے عملی شکل دینے میں آپ نے فکر وعمل کی بیش بہا صلاحیتوں کا صحیح موقعہ پر صحیح استعمال کر کے اختلافات کی آگ بھڑکانے والوں کو مایوس کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ یہی وجہ تھی کہ مکتب تشیع پر کفر کے الزامات کے جواب میں الزامی طریق کار کی بجائے اصلاحی طریق کار نے رواج پکڑا۔ کافر کافر کے نعروں کے جواب میں ”تم کافر“ کا نعرہ نہیں لگایا گیا اور جوابی الزامات کا ذکر کرنے کی بجائے تصنیفات وتالیفات میں یہ طریق کار اپنایا گیا کہ عائد شدہ الزامات کے تجزیئے اور ان کے بودے پن کو ظاہر کرنے کے بعد اس الزام تراشی کی صورتحال کے پس پردہ کارفرما ہاتھ کا ذکر اور اس سے فائدہ اٹھانے والے دشمنان اسلام کا ذکر کیا گیا۔

قائد شہید نے قوم کو صحیح خطوط پر سوچنے اور درست راستے پر عمل کرنے کی قوتوں کو مجتمع کر کے پاکستان کی تاریخ میں ایک نئی صورتحال پیدا کر دی۔ تحریک کے عام کارکن کو سیاسی سوچ (جو کہ مذہبی سوچ سے کسی صورت میں جدا نہیں ہو سکتی) کا گہرا شعور عطا کر دیا۔ میرا عقیدہ ہے کہ شہید قائد نے جو چراغ جلائے اور پھر انہیں روشن رکھنے کے لیے خون دیا تو شہید قائد کے نظریاتی فرزند انہیں بجھنے نہیں دیں گے اور نہ ہی ان کی روشنی کم ہونے دیں گے۔ ان کی شہادت نے جذبوں کو مزید توانائی اور عزم وعمل کو مزید استحکام بخشا ہے اس طرح انہیں شہید کر کے اس شمع کو خاموش کرنے والے ناپاک دشمنوں کو مزید شکست اٹھانا پڑی ہے۔

(شہید مظلومؒ کے چہلم کے موقع پر ہفت روزہ رضا کار لاہور کی خصوصی اشاعت سے)

سانحہ کوئٹہ پریس کانفرنس
قائد شہید عارف حسین الحسینیؒ

مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۸۵ بمقام پشاور

ہم آپ کے ازحد شکر گزار ہیں کہ آپ نے اسقدر زحمت فرمائی کہ حقائق کو جاننے کیلئے یہاں تشریف لائے۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے زیر اہتمام ٦ جولائی ١٩٨٠ کو اسلام آباد کے کنونشن کے موقع پر صدر مملکت جنرل ضیاالحق صاحب نے حجتہ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلام کے نام پر نافذ ہونے والے تمام قوانین میں اہل تشیع کیلئے قوانین فقہ جعفریہ کے مطابق اجرا کئے جائینگے۔ اور یہ طے ہو چکا ہے کہ صدر مملکت ایک بنیادی اصولی آرڈینس جاری فرمائینگے۔ جس کا انہوں نے تحریری معاہدہ کیا تھا۔ یاد رہے کہ اس کنونشن کے موقع پر لاکھوں شعیان نے اسلام آباد میں اپنے حقوق کیلئے مظاہرہ کیا تھا اسمیں شورکوٹ کا ایک نوجوان محمد حسین شاد شہید ہوا تھا

۵ سال گزر گئے حکومت کو مسلسل یاد دہانی کروائی گئی۔ اور ملت جعفریہ میں بے چینی بڑھتی گئی۔ مگر حکومت نے اپنے وعدے کی تکمیل نہ کی۔ بلکہ بنیادی اور اصولی آرڈینس جاری کرنے کی بجائے ہی پس و پیش سے کام لیا چنانچہ گزشتہ چار سال کی طرح اس سال بھی ٦ جولائی کو حسب سابق یوم نفاذ فقہ جعفریہ قرار دیا گیا۔ جسکا بنیادی مقصد حکومت کو اس کا وعدہ یاد دلانا اور ٦ جولائی ١٩٨٠ کے معاہدے پر عمل درآمد کرنے کا مطالبہ کرنا تھا نیز حضرت مولانا مفتی جعفر حسین کی خدمات اور شہید فقہ جعفریہ محمد حسین شاد کی قربانی کو خراج تحسین پیش کرنے کے سوا کچھ اور قطعاً مقصود نہ تھا یہ روائتی انداز میں ملک کے صوبائی صدر مقامات پر یک روزہ پُرامن مظاہرے کا پروگرام تھا۔ جو ملت جعفریہ اپنے جائز حقوق کے حصول کیلئے کر رہی تھی۔ یہ مظاہرے پشاور اور لاہور میں انتہائی پُرامن اور باوقار انداز میں ہوئے اور اختتام پذیر ہوئے

ہماری حیرانگی میں انتہا نہ رہی جب ہم نے ٦ جولائی کو پشاور میں یکا یک سنا کہ کوئٹہ میں پُرامن جلوس پر فائرنگ کی گئی ہے۔ اور نہتے شہریوں کی جان و مال کا شدید نقصان کیا گیا ہے اور کثیر تعداد میں نہایت قیمتی جانیں ظلم وستم کا نشانہ بنیں۔ پشاور میں عین اُس وقت امام بارگاہ علمدار کربلا میں جلسہ برپا تھا اور ہزاروں لوگ اس موقع پر جمع تھے۔ ہمیں خود اُس جلسے سے خطاب کرنا تھا۔ مگر کوئٹہ کے بارے میں افسوسناک خبر سنتے ہی حالات سے آگاہی کیلئے فوراً لاہور روانہ ہو گئے کہ جلد از جلد پہنچ سکیں اور تحقیقات کرا سکیں

٦ جولائی کو ہم اپنے تین رفقا کو لے کے کوئٹہ پہنچے۔ مگر ہمیں کوئٹہ میں داخلہ سے منع کر دیا گیا اور مجبوراً ہمیں کراچی جانا پڑا ہم حالات کا صحیح رُخ جاننے

کیلئے بے چین رہے۔ کراچی سے ۸ جولائی کو ہم اسلام آباد پہنچے تا کہ اپنے دیگر رفقا کار سے مشورہ کر سکیں اور کوئٹہ کے حالات معلوم کر کے معمول پر لاسکیں، مگر ہمیں ایک بار پر شدید حیرت سے دوچار ہونا پڑا جب شام ۷ بجے اسلام آباد کی انتظامیہ نے مجھے اسلام آباد چھوڑنے پر مجبور کیا۔

حالات اور واقعیات کے مطابق ہمیں اطلاعات حاصل ہوئیں کہ پُر امن مذہبی جلوس پر حملے آنسو گیس استعمال کی گئی پھر اس کے ساتھ ہی پولیس کی جانب سے فائرنگ کا آغاز ہُوا جس میں کئی افراد موقع پر ہی شہید ہو گئے۔

ان بے رحمانہ اور ظالمانہ اقدامات پر حالات بگڑتے ہی چلے گئے جو یقیناً انتظامیہ کی فہم وفراست سے کام نہ لینے اور جان بُوجھ کر حالات خراب کرنے کی وجہ سے ہوئے ان معاملات کی تہہ میں کونسے عناصر کارفرما تھے ہمارے فہم میں نہیں آ رہے ہیں۔ وزیر داخلہ نے سینٹ کے اجلاس میں انتہائی بُزدلانہ انداز میں بے بنیاد اور غیر مُصدقہ سنگین نوعیت کے الزمات کی ملت جعفریہ پر بوچھاڑ کر دی ان غیر حقیقی تہمتوں کا حقائق سے دُور کا بھی تعلق نہیں البتہ اس کے بارے میں یہ تہمتیں ارباب اختیار کی انتہائی بدنیتی اور مستقبل قریب میں ایک ظالمانہ رویہ اپنانے کی غمازی کرتی ہیں اس سے پورے ملک میں ہر شیعہ شہری کا ذہنی سکون متاثر ہوا ہے اور یہ صورت حال انتہائی افسوسناک ہے اور ضروری ہے کہ فی الفور حقائق کو بے نقاب کیا جائے تا کہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔

ہم وزیر کے الزامات کا جواب آپ کی وساطت سے اپنی قوم اور دُنیا کے ہر حق شناس فرد تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ وزیر داخلہ کے بیان میں یہ بھی الزام تراشی کی گئی ہے کہ کوئٹہ کے واقعات میں بیرونی ہاتھ ہے۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے ایک مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ یہ کہ بعض سیاستدانوں کی پُشت پناہی حاصل کی گئی یہ کہ مطالبات کا مذہب کے ساتھ تعلق نہیں بلکہ صرف ملکی سیاست سے تعلق ہے یہ کہ موسوی گروپ کے سابقہ حکومت کے ۲۱ مئی کے معاہدے کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ کہ یہ محض قیادت کے حصول کیلئے رسہ کشی ہے

آپ خود اندازہ فرمائیں کہ ہماری تنظیم پر حکومت کی طرف سے اس سے زیادہ اور کیا الزام تراشی ہو سکتی ہے بیرونی سازش سے لیکر اندرونی شرانگیزی اور قیادت کے حصول تک کے بے بنیاد الزامات کی بوچھاڑ کی گئی ہے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ الزام تراشی سینٹ کے ذریعہ قوم کو غلط اور من گھڑت اطلاعات فراہم کر کے مختلف فرقوں میں نفرت پھیلانے کی ذلت آمیز کوشش کی گئی ہے

یہ دروغ گوئی مملکت کے مفاد میں نہیں ہے۔ یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت حکومت کو میسر ذرائع ابلاغ کے ذریعے ایک طرفہ طور پر فتنہ پروری اور شرانگیزی کی گئی ہے

اسکا بنیادی مقصد قوم کے مختلف طبقوں میں اور مکاتیب فکر میں عداوت پیدا کر کے خانہ جنگی کی صورت پیدا کرنا ہے تا کہ مارشل لا کو طول دینے کا جواز پیدا کیا جا سکے اور اس طرح عوام کے حقوق بدستور سلب کئے جائیں

وزیر داخلہ نے الزام لگایا ہے کہ کوئٹہ کے واقعات میں بیرونی سازش کا ہاتھ ہے اور پھر اخبارات میں اور سُرخ خون کے ساتھ اُس کا اظہار کر کے ہم پر کیچڑ اچھالنے اور بے بنیاد سنگین الزامات عائد کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا کردار عالمی برادری پر عیاں ہے۔ ہم اپنے نیک عزائم میں جو عبادت الٰہی ہے کسی قسم کی سازش میں ملوث ہونا گناہ عظیم سمجھتے ہیں۔ ہم تقاضا کرتے ہیں کہ وزیر کے اس بیان کی تحقیقات کرائی جائے اور کسی قسم کا ثبوت مہیا ہونے کی صورت میں ذمہ دار افراد کو قرار واقعی سزا دی جائے دوسری صورت میں وزیر داخلہ کو فی الفور سبکدوش کیا جائے اور یہ کہ قومی پیمانے پر اس قدر دروغ گوئی کر کے ملک کی ایک عظیم جمیعت کے احساسات پر نمک پاشی کرنے پر اس کا قرار واقعی مواخذہ کیا جائے

اس مقام پر ہم اپنے خدشات کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ حکومت از خود بعض بیرونی طاقتوں بالخصوص امریکہ کے ایما پر ملت تشیع کو شدید زک پہنچانے کے درپے ہے اسکا ثبوت مغربی ذرائع ابلاغ کا مسلسل پراپیگنڈہ

ہے جس میں وہ ملت شیعہ کو مغربی تہذیب اور استعماری نظام کیلئے ایک حقیقی خطرہ گردانتے ہیں اور جلد از جلد بیخ کنی کے خواہش مند ہیں

دوسرا الزام یہ کہ ہم نے مسلح جدوجہد کا آغاز کیا ہے۔ کیا ایک روزہ مظاہرہ مسلح جدوجہد سے تعبیر ہوسکتا ہے جس کیلئے پہلے سے دعوت عام دی گئی ہو اور اخبارات میں اشتہارات کے ذریعے شرکا کو مدعو کیا گیا ہو ہمیں اپنے بھائیوں کی ان شہادتوں پر شدید رنج والم ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ کوئٹہ میں ہونے والے اس وحشیانہ قتل کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے

وہ قندھاری امام بارگاہ سے ملحقہ ملت کی بچیوں کیلئے ایک مدرسہ ہے جس میں زیادہ تر ہزارہ خاندان کی دختران تعلیم حاصل کرتی ہیں ٦ جولائی کے روز یہ مدرسہ بدستور کُھلا تھا اور بچیاں پڑھ رہیں تھیں اگر مسلح جدوجہد کا شائبہ تک بھی ہوتو اس دن ہزارہ خاندان کی یہ بچیاں کم از کم اسکول نہ آتیں اور پولیس کے تشدد میں نہ گھر جاتیں

پولیس کی اولین فائرنگ سے یکا یک تین شیعہ مومن شہید ہوگئے۔ اس کے ایک گھنٹے بعد کسی طرف سے کوئی فائرنگ نہ ہوئی۔ بلکہ شہدا کے ورثا رنج وغم اور جذبات سے مغلوب ہوکر گھروں کو واپس گئے اپنا ذاتی اسلحہ لے کر آئے۔ اگر مسلح جدجہد کا خیال بھی ہوتا تو ایک گھنٹہ تک پولیس کی فائرنگ کا کوئی جواب تو دیا جاتا۔

پولیس نے جلوس پر امام بارگاہ کے نزدیک حملہ کیا مگر اسکا کوئی سپاہی بھی امام بارگاہ کے نزدیک مارا نہیں گیا۔ بلکہ بہت دیر بعد امام بارگاہ سے دُور انتقامی طور پر صرف شہدا کے ورثا نے بالمقابل لڑائی کی جس میں طرفین کے آدمی گولیوں کا نشانہ بنے

٦ جولائی کو شدید فائرنگ ہوئی اور ٧ جولائی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا ٨ جولائی کو انتظامیہ اور پولیس نے باقاعدہ منصوبہ بندی کرنے کے بعد تشدد کا آغاز کیا اور لوگوں کے گھروں کا کرفیو لگانے کے بعد محاصرہ کیا۔ اس سوچی سمجھی اسکیم کے تحت وزیر داخلہ نے سینٹ میں بیان دیا

وزیر موصوف نے کہا کہ مطالبات مذہبی نوعیت کے نہیں ہیں بلکہ سیاسی نوعیت کے ہیں۔ اس بیان کی بنیاد وزیر داخلہ نے ایک LEAFLET پر رکھی۔ اصول کے مطابق سینٹ کے باوقار اجلاس میں ایک باوقار اور پُر وزن بات کی جانی چاہئے تھی ایک LEAFLET کا سہارا لینے کی بجائے وزیر موصوف کو تحریک کے کسی ذمہ فرد یا ادارے سے کوئی دستاویز یا جاری شدہ بیان پیش کرنا چاہئے تھا

دوسرے یہ کہ ہم بھی اظہار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ بنیادی طور پر ہم ایک اپنی تنظیم میں اپنی ملت کے حقوق کیلئے سرگرم عمل ہیں اور ٦ جولائی ١٩٨٠ کے معاہدے پر عمل درآمد کے متقاضی ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ اس ملک کے محب وطن شہری ہونے کی حیثیت سے اور اپنی تنظیم کے راہنما کی حیثیت سے مُلکی سیاست پر اپنی خودساختہ رائے کا اظہار کرنا اور آئین اور قانون کے مطابق جمہوری اسلامی اقدار کیلئے تگ و دو کرنا ہمارا بنیادی حق ہے۔ اور ہم اسکے لئے اور خود ہر ممکن جدوجہد کرینگے

وزیر داخلہ نے اپنے قنوطی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اس واقعہ کو اہل تشیع کے دو گروہوں میں قیادت کے حصول کی رسہ کشی کا نتیجہ بھی قرار دیا ہے انہیں یاد رہے کہ ملت جعفریہ کا ہر فرد جہاں کہیں بھی ہو وہ اپنے مطالبات کیلئے تڑپ رکھتا ہے اور یہ مطالبات ایک ہیں اور قرآن و سُنت اور سیرت معصومین سے اہل تشیع اپنے راستہ میں قیادت کہ پہچاننے کے اسلوب سے آشنا ہیں مکتب شیعہ میں قیادت کیلئے رسہ کشی ناجائز ہے کہ بلکہ یہ صاحبان علم کیلئے ایک شرعی فریضہ ہے جو اپنے عوام کی راہنمائی اور خدمت کیلئے سرانجام دیتے ہیں۔

حکومت یہ بھی باور رکھے کہ ہم کسی نام نہاد نئے معاہدے کے ڈھونگ سے ٦ جولائی ١٩٨٠ کے کئے ہوئے بنیادی اور اصولی معاہدے کی رُوح کو کچلنے کی سازش کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جس کے تحت واشگاف الفاظ میں ارباب اختیار ایک اصولی اور بنیادی آرڈینس جاری کرنے کے پابند ہیں

ہم اس وقت سوگوار ہیں اپنے شہدا کیلئے۔ ہم اس وقت سوگوار ہیں اپنے وطن عزیز کی دگرگوں حالت پر کہ جہاں دُشمن کے آئے دن کے حملوں کا قومی

جمعیت کے مطابق جواب دینے کی بجائے جان نثاران مذہب وملت پر قبیح اور مذموم الزام تراشی کی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نفاذ اسلام کا دعوی بھی بدستور کیا جاتا ہے

ہم حکام سے مطالبہ کرتے ہیں کہ کوئٹہ کے بیگناہ شہریوں کا ظالمانہ محاصرہ فی الفور ختم کرایا جائے

تمام بیگناہ پس زنداں افراد کو رہا کیا جائے

نااہل، خطا کار اور ذمہ دار افسران کا مواخذہ کیا جائے اور وہ مطالبات جس کیلئے بیگناہوں نے اپنے خون کا نذرانہ دیا ہے کیلئے بنیادی آرڈینس جاری کیا جائے

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان ۱۴ جولائی ۱۹۸۵ کو بلائے گئے مرکزی کونسل کے ہنگامی اجلاس میں صورت حال کا جائزہ لے گی اور اپنے مستقبل کی راہ کا اظہار کرے گی۔ جو یقیناً اسلام کی اُن تعلیمات کے تابع ہوگا جو ایسے درپیش حالات میں ثابت قدمی اور صبر و رضا کے امور سے آشنا کرتی ہیں

قائد ملت جعفریہ پاکستان حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ السید عارف حسین الحسینی نے فوری طور پر بلائی گئی ایک پریس کانفرنس سے پشاور میں مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۸۵ کو خطاب کیا اور ملک میں موجودہ صورتحال پر اظہار خیال کیا اور صحیح حقائق سے اراکین پریس کو آگاہ کیا

آخر میں صحافی حضرات نے قائد ملت جعفریہ سے استفسارات کئے جو درج ذیل ہیں

سوال: آپ کی اطلاع کے مطابق کوئٹہ میں کُل کتنے افراد ہنگاموں کے دوران مارے گئے ہیں

جواب: ہماری اطلاع کے مطابق پہلے دن ۱۳ آدمی شہید ہوئے ان میں سے گیارہ آدمی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے کارکن اور دو اہل سنت والجماعت میں سے تھے۔ اس کے بعد دوران کرفیو کم از کم سات افراد قتل ہوئے یہ قتل ملیشا اور فوج کے ہاتھوں ہوئے

سوال: پولیس کے کل کتنے آدمی مارے گئے

جواب: پولیس کے آدمیوں کے بارے میں حتمی اطلاع نہیں البتہ ہمیں پولیس کے مقتولین کا بھی حد درجہ دکھ ہے کہ وہ بھی ہمارے بھائی ہیں

ہم جس طرح اپنے افراد کیلئے رنج وغم میں مبتلا ہیں اس طرح ان انسانی جانوں کے ضیاع پر بھی اس قدر غم ہے یہ ہمارے دشمن نہیں بلکہ ہمارے دشمن ارباب اختیار ہیں

سوال: حکومت کا الزام ہے کہ پہلے آپ کے آدمیوں نے فائرنگ کا آغاز کیا۔ کیا یہ درست ہے

جواب: یہ قطعی طور پر بے بنیاد الزام ہے جیسا کہ میں نے آپ کو حقائق سے آگاہ کیا ہے۔ پولیس کی فائرنگ کی ابتدا پر تین آدمی شہید ہوئے اور اس کے ایک گھنٹہ بعد تک تحریک کے کارکنان جواب نہیں دے سکے بلکہ شہدا کے ورثا اپنے گھروں کو لوٹے انہوں نے جذبات میں مغلوب ہو کر اپنے اعزا کو اٹھایا اور مسلح ہو کر پولیس پر حملہ کیا جسکا تحریک کے عمومی کارکنان کو شروع سے علم نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پولیس کا کوئی آدمی بھی امام بارگاہ کے نزدیک نہیں مارا گیا بلکہ دُور دُور باہمی لڑائی فائرنگ سے طرفین کا جانی نقصان ہوا

سوال: آپکا آئندہ کا کیا لائحہ عمل ہے۔ کیا آپ حکومت کی تجویز کردہ کمیٹی میں شامل ہونگے

جواب: اس کمیٹی سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ اس کمیٹی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ چھ ماہ کے اندر اندران وجوہات کا اندازہ کیا جاسکے جسکی وجہ سے ملت جعفریہ میں پاکستان میں بے چینی پائی جاتی ہے حالانکہ یہ اسباب پہلے سے معلوم ہیں لہٰذا ہمارے نزدیک یہ قابل قبول نہیں ظاہر ہے کہ اگر حکومت مخلص ہے تو ۶ جولائی ۱۹۸۰ کے موجودہ معاہدے پر عمل درآمد کیوں نہیں کرتی اور پھر ہم حکومت کے اس معاہدے کا کیسے اعتماد کر لیں جبکہ حکومت اپنے پہلے معاہدے کا احترام نہیں کرتی جو کہ صدر مملکت کے ساتھ براہ راست گفتگو کے بعد ضبط تحریر میں لایا گیا تھا اور اس پر مرحوم قائد مفتی جعفر حسین اور وزیر مذہبی امور کے دستخط ثبت ہیں اور ایک ایسی تحریر جس پر کسی ذمہ دار

حکومتی سربراہ کے دستخط کی بجائے محض ایک ایڈیشنل سیکرٹری کے دستخط ہوں ان کا کیسے اعتبار کرلیا جائے

سوال: آپ کے نزدیک مسئلے کا حل کیا ہے

جواب: مسئلے کا حل واضح ہے۔حکومت نے جو ملت جعفریہ کے ساتھ وعدہ کررکھا ہے اُس کو بلا تاخیر پورا کرے اس وقت جو انتظامی کاروائیاں کی جارہی ہیں ناقابل برداشت اور قرین انصاف نہیں سندھ اور پنجاب کے زمیندار جو فقہ جعفریہ کے مطابق عشر نہیں دیتے ان سے کئی گنا زیادہ مالیا وصول کیا جاتا ہے۔ پنجاب کی حکومت نے پولیس ایکٹ تیس (۳۰) میں ترمیم کر کے شیعوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے ان دنوں کوئٹہ میں وسیع پیمانے پر انتقامی کاروائیاں کی جارہی ہیں مقتولین کے ورثا کی قطعاً دلجوئی نہیں کی گئی تعزیت کرنے والوں کو ان کے گھروں تک جانے نہیں دیا گیا مسلسل کرفیو کی وجہ سے زخمیوں کو ہسپتال میں فوری طبی امداد اور تیمارداری حاصل نہ ہوسکی جسکی وجہ سے دو ۲ زخمی چل بسے۔لوگوں کو ناجائز خوف و ہراس میں مبتلا کیا گیا ہے نام نہاد ناجائز اسلحہ کے الزام میں گھروں کی تلاشی لی جارہی ہے بیگناہ افراد کو بھاری تعداد میں بغیر کسی جرم کے گرفتار کرلیا گیا ہے کرفیو لگا کر شیعوں کے گھروں کا کئی روز تک محاصرہ کیا گیا ہے اور ظلم کی انتہا یہ ہے کہ اس دوران کم از کم چھ ۶ افراد مزید شہادت سے ہمکنار ہوئے

سوال: ملک کے دیگر مسائل کے بارے میں آپکی کیا رائے ہے

جواب: میں سختی سے اتحاد بین المسلمین کا قائل ہوں ملک پاکستان اسی اتحاد کی بدولت معرض وجود میں آیا تھا ہمارا حکومت سے فقط یہ مطالبہ ہے کہ وہ ۶ جولائی ۱۹۸۰ کے معاہدے پر عمل درآمد کرے تاکہ بنیادی اصول فراہم ہوں۔ جہاں تک ملک کے دیگر مسائل کا تعلق ہے ہم خود اپنے اہل سنت بھائیوں کے ساتھ مل جل کر حل کریں گے اور اپنے مشترکہ دشمن کا مقابلہ کریں گے چاہے وہ اندرون ملک ہوں چاہے بیرون ملک

سوال: کوئٹہ میں اب کیا کیفیت ہے

جواب: انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ پچاس گھنٹے تک معصوم بیگناہ محصورین کو وقفہ تک نہیں دیا گیا بلکہ پانی اور بجلی تک کے کنکشن کاٹ دیئے گئے تھے

سوال: کیا حکومت نے آپ کی طرف بات چیت کیلئے رجوع کیا

جواب: نہیں

سوال: اسلام آباد میں کیا آپ کو گرفتار کرلیا گیا تھا

جواب: ۶ جولائی کو کوئٹہ کی افسوسناک خبر سننے کے بعد میں لاہور چلا گیا وہاں سے ۷ جولائی کو کوئٹہ پہنچا تو مجھے شہر میں داخلے کی اجازت نہ دی گئی بلکہ اس جہاز میں کراچی روانہ کردیا گیا۔ وہاں کوئٹہ سے زخمی آرہے تھے ہم اُن کے انتظام میں مصروف ہوگئے۔

۱۰ جولائی کو میں اسلام آباد جامعہ اہل بیت پہنچا وہاں پولیس بھاری تعداد میں موجود تھی۔مگر مجھے کوئی ایسا احساس نہیں ہوا۔انہوں نے مجھے غروب آفتاب کے وقت اسلام آباد سے چلے جانے کو کہا۔ میں اسلام آباد چھوڑنے کیلئے بعد از مغربین روانہ ہوا۔زیرو پوائنٹ پر انہوں نے روکا اور پوچھا آپ کہاں جارہے ہیں۔ میں نے جواب دیا آپ کے آرڈر کے موجب اسلام آباد چھوڑ کر راولپنڈی جارہا ہوں

اُنہوں نے کہا آپ روالپنڈی بھی نہیں جاسکتے۔ میں نے چکوال یا اٹک چلے جانے کی خواہش کا اظہار کیا حالانکہ ان کے پاس کوئی تحریری آرڈر نہیں تھا پھر بھی اُنہوں نے بلا جواز تکرار کی اور ہم کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک سڑک پر کھڑے رہے آخر میں نے اُن کے ساتھ چلنے کا فیصلہ کیا وہ مجھے کوہاٹ لے گئے اور وہاں سے مجھے پاراچنار پہنچ جانے کیلئے کہا گیا راتوں رات اسلام آباد میں میرے داخلے پر دوماہ کیلئے پابندی لگادی گئی اور دیگر مقامات پر جانے کیلئے کوئی تحریری حکم نامہ نہیں ملا مگر پولیس ہر جگہ مزاحم ہے

سوال: ان حالات میں پاراچنار کے عوام کا کیا ردعمل ہے

جواب: پاراچنار کے لوگ بہت مشتعل ہوگئے تھے۔تاہم میں نے اُن سے استدعا کی ہے کہ وہ میرے کہنے کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھائینگے

آخر میں قائد ملت نے صحافی حضرات کا پریس کانفرنس میں شرکت کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا

شہید قائد علامہ سید عارف حسین الحسینی

مکتب ولایت کے عظیم داعی

علامہ راجہ ناصر عباس جعفری

شہید قائد کی شہادت کو چونتیس برس بیت گئے، ان کے حوالے سے گفتگو کرنا باعث سعادت وخوشبختی ہے، شہید ہم سب کیلئے نمونہ عمل تھے وہ باپ کی طرح تھے، وہ سینے سے لگاتے تھے تو ساری زندگی ان کی خوشبو محسوس ہوتی تھی، ایک عجب کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جس کو بیان کرنا بھی مشکل ہے مکتب تشیع مختلف ادوار سے گذرا ہے، ہم ایک تاریخ رکھتے ہیں، طویل جدوجہد رکھتے ہیں، غیبت کبریٰ کے بعد ہم مختلف ادوار سے گزرے ہیں، جبکہ ایک دور تھا جب لوگ دینی معارف یا دینی احکام بارے سوال کرتے تھے تو قرآن وفرامین آئمہ کی روشنی میں انہیں جواب ملتا تھا یہ جواب دینے والے، قرآن و اہلبیت کی تعلیمات بیان کرنے والے محدثین کہلاتے تھے، دراصل یہ لوگوں کی رہنمائی اور تربیت تھی کہ کیسے امام سے مربوط رہنا ہے، پھر ایک دور آیا وہی محدثین اب فقیہ بن گئے، اس مرحلے میں فقہاء مراجع دین کہلائے، اور لوگ ان کی تقلید کرنے لگے۔ یوں لوگ فقہاء سے مربوط ہو گئے، فقہا کے زیر نظر ہو گئے، ان کی تقلید کرنے لگے، اس طرح ہماری مرکزیت بن گئی، دشمن ہمیں کمزور کرنا چاہتا تھا ہم مضبوط ہو گئے، ہم طاقتور بنتے گئے مرکزیت نے ہمیں طاقتور بنایا، پھر ایک اور مرحلہ آیا، اب جو عالم تھا، محدث تھا، فقیہ تھا، ہمارا مرجع بھی بن گیا تھا، اب ولی فقیہ ہو گیا یہ مرحلہ قیادت کا مرحلہ ہے، ہم قیادت کے مرحلہ سے گذر رہے ہیں بقول شہید حاج قاسم سلیمانی جب تک ہم تقلید نہیں کریں گے ہم قوم نہیں بن سکتے، ہم فقیہ کی اطاعت وتقلید کرتے ہوئے قوم بن گئے حاج قاسم کہتے تھے کہ پاکستان کی سرزمین پر ایک ہی کام کریں کہ لوگوں کو تقلید کروائیں، لوگوں کو مقلد بنائیں، جب آپ مقلد بن جائیں گے تو قوم بن جائیں گے اگر ایران میں لوگ مقلد نہ بنتے تو انقلاب نہیں آتا اگر عراق میں لوگ مقلد نہ بنتے تو داعش کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا، آج ولایت فقیہ کا دور ہے، فقیہ کی قیادت کا دور ہے، اب فقط رہنمائی نہیں اب قیادت ہے، To Guide کرنے والے ایک وقت میں کئی ہو سکتے ہیں، ولایت فقیہ To Lead ہے لیڈ کرنے والا فقط ایک ہوتا ہے اس لیئے ایک زمانے میں کئی نبی ہوتے تھے جب کہ ایک زمانے میں امام ایک ہی ہوتا ہے To Guide کرنے والا کہتا ہے جاؤ یہ کرو، To Lead کرنے والا کہتا ہے آؤ میرے ساتھ چلو، وہ آگے ہوتا ہے لہذا ہم اس مرحلہ میں ہیں جو ولایت فقیہ (یعنی فقیہ کی قیادت وحکومت) کا دور ہے اس دور میں جو شیعہ وجود میں آئیں گے، جو تربیت پائیں گے یعنی مکتب ولایت فقیہ میں جو پرورش پائیں گے ان میں عارف حسین الحسینی آپ کو ان لوگوں کی صف میں دکھائی دیں گے جو سب سے آگے ہیں، ان کے افکار وکردار کا گہرا تعلق مکتب ولایت فقیہ کیساتھ ہے، مکتب ولایت فقیہ غیبت کبری کے دور میں ہماری پولیٹیکل سائنس ہے، ہمارا نظریہ حکومت وقیادت ہے، یعنی جب امام غیبت میں چلے گئے حکومت کس کی ہوگی نظام کیا ہوگا؟ فقیہ کی قیادت

اورحکومت ہوگی۔

اگر فقیہ میسر نہ ہواتو عادل عالم کی اور اگر عادل عالم میسر نہ ہوتو مومن عادل کی ، ولایت فقیہ کے دور میں مکتب ولایت فقیہ کی پروردہ شخصیات میں شہید مرتضی مطہری رہ جیسے لوگ، شہید باقر الصدر رہ جیسے لوگ، شہید عباس موسوی رہ جیسے لوگ، شہید قاسم سلیمانی رہ جیسے لوگ، سید مقاومت سید حسن نصر اللہ جیسے لوگ اور شہید قائد جیسے لوگ وجود پاتے ہیں۔ مکتب ولایت فقیہ میں دین و دنیا کی جدائی نہیں بلکہ یہ اکٹھے ہیں، ولات فقیہ ضد ہے سوشلزم کی، کمیونزم کی، سیکولرزم کی، لبرل ازم کی ، ہمارا مکتب مکتب امامت ہے ، ہماری دشمن شناسی ولی فقیہ کی دی ہوئی بصیرت کی روشنی میں ہے ، امریکہ سب سے بڑا شیطان اور دشمن ہے، اس میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے اسرائیل ہمارا کھلا دشمن ہے مکتب ولایت فقیہ میں دوست و دشمن کی پہچان واضح ہے جن کو ولایت فقیہ و مکتب ولایت کی معرفت ہوتی ہے وہ یہی کہتے ہیں کہ میں ولایت فقیہ اور ولی فقیہ کے راستے سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا، ہمارے شہید قائد نے یہی فرمایا کہ میں تیار ہوں کہ اپنی جان، مال اولاد سب کچھ قربان کر دوں مگر مکتب ولایت فقیہ سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا، شہید قائد ہمیشہ لوگوں کو اپنی طرف نہیں بلکہ ولی فقیہ کی طرف دعوت دیتے تھے، وہ لوگوں کو امام خمینی رہ کی طرف دعوت دیتے تھے، پاکستانی قوم کو امام خمینی رہ مربوط کرتے تھے، شہید ہمیشہ کہتے تھے کہ میرا نعرہ نہیں لگائیں ، امام خمینی کا نعرہ لگائیں، اور امام خمینی نے بھی اہل پاکستان کو شہید حسینی سے مربوط رہنے کو کہا ، ملت پاکستان کو امام خمینی (رح) نے تاکید فرمائی کہ شہید کے افکار کو زندہ رکھیں، جو در حقیقت مکتب ولایت سے ہی پاکستانی قوم کو جوڑنا ہے۔ اگر ہم خلاصہ کریں تو ولایت فقیہ اصل ہے حکومت کے حوالے سے ، قیادت کے حوالے سے بھی ، یہ وہ قیادت ہے جو ہمیں متصل رکھتی ہے نظام ولایت سے، یاد رکھیں ولایت فقیہ دروازہ ہے ولایت اہلبیتؑ کا، جیسے مولا علیؑ شہر علم کا دروازہ ھیں ، ایسے ہی ولایت فقیہ ولایت اہلبیتؑ کا دروازہ ہے، اسی دروازے سے داخل ہو کے ہی ہم اہلبیتؑ کی سیرت کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ان کے راستے پر چل سکتے ہیں، آج جب مقابلہ ہے طاغوتی قوتوں کیساتھ، امریکہ کیساتھ، اسرائیل کیساتھ ، ولایت سے عہد نبھانے کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہے، جس کا بوجھ اٹھانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اس میں عوام سے، قوم سے رابطہ رکھنا ہوتا ہے، علماء سے رابطہ رکھنا ہوتا ہے، مدارس سے رابطہ رکھنا ہوتا ہے، شیعہ سنی یونٹی کیلئے نکلنا ہوتا ہے، داخلی وحدت کیلئے کام کرنا ہوتا ہے، گویا طاقت ور بننا ہوتا ہے میں کہتا ہوں کہ مکتب ولایت فقیہ میں طاقتور بننا شاید اوجب واجبات ہو، اور کمزور رہنا گناہ ہے اسی طرح تفرقہ پیدا کرنا، باہمی اختلافات کو ہوا دینا جرم عظیم ہے، شہید قائد کی یہ روش تھی کہ وہ وحدت کیلئے کس بھی حد تک جانے کو تیار رہتے تھے، انہوں نے اپنے دور میں داخلی وحدت کیلئے بھی بہت کوششیں کیں، اور اتحاد بین المسلمین کیلئے بھی مخلصانہ جدوجہد کی، جہاں تک داخلی وحدت کی بات ھے، ایک عام کارکن ایک عام پیرو چاہے اسکی عمر پندرہ برس بھی ہو اس قدر پختہ یقین ہوتا تھا کہ وہ اپنے طور پہ کسی کو بھی چیلنج کرتا تھا کہ میں عارف حسین حسینی کو بلاتا ہوں آپ اپنی قیادت کو بلائیں، اسے یقین ہوتا تھا کہ وہ شہید کو لے آئے گا۔ اور ایسا ہی ہوتا تھا، شہید پہنچ جاتے تھے دوسری طرف والے نہیں پہنچتے تھے۔ قائد شہید کو جب قیادت کیلئے منتخب کیا گیا تو ہم اس وقت قم میں مدرسہ رسالت میں تھے، جسے جواد ہادی صاحب نے بنایا تھا، اس وقت انہوں نے شہید کا جو تعارف کروایا اس کے بعد شہید سے ملنے کی تڑپ پیدا ہوئی، سید جواد ہادی نے فرمایا کہ ہم نے یہ مدرسہ آغا صاحب (علامہ شہید عارف حسین الحسینی) کیلئے ہی بنایا تھا کہ اس میں ایسے علما کی تربیت کریں گے، جو آئندہ شہید کے دست و بازو بنیں گے، یہ مرحلہ ہم سوچتے تھے کہ چودہ برس بعد آئے گا، مگر یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا مصلحت الٰہی ہے کہ یہ بہت پہلے آگیا ہے، اب ہمیں بہت کام کرنا ہوگا، استاد محترم سید جواد ھادی صاحب کی شہید قائد کے بارے گفتگو نے مدرسہ میں سب طلاب کو بہت متاثر کیا، سب کے دل میں شھید قائد کو دیکھنے کا شوق اور ان سے ملنے کی تڑپ واضح دکھائی دیتی تھی، لہذا میں شھید قائد کی زیارت کرنے پ 17 جولائی کو تہران ایران سے کراچی، پاکستان آیا، شہید قائد کا کراچی کا دورہ تھا اسی دوران، ایئر پورٹ کے مناظر ناقابل فراموش ہیں، آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہیں، نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد شہید کے نعرے لگاتے جوش و جذبہ کا ایک نا تھمنے والا طوفان ہو جیسے، شہید نے کراچی میں استقبالیہ اجتماعات سے خطاب کیے، پریس کانفرنس سے خطاب کیا، اتنا

متاثر کن کہ صحافی کہتے تھے کہ اس سے پہلے ہم نے اتنا معلوماتی اور ویژنری خطاب بھٹو سے سنا تھا، مزار قائد پہ فاتحہ خوانی کیلئے بھی ہم شہید کیساتھ گئے،، مجھے اس دورہ میں شہید کا خوبصورت دلنشین نورانی چہرہ کبھی نہیں بھولتا، شب جمعہ، شاہ خراسان (یا عزاخانہ زہرا) میں شہید کی دلنشیں آواز میں دعائے کمیل کی محفل میں شرکت، اور مسحور کن روحانی فضا کبھی نہیں بھلائی جاسکتی، شہید اہل دعا و مناجات تھے، ہر بندے کو اپنے اندر جذب کرتے تھے، شہید کی جاذبیت اور کشش انسان کو انکا دیوانہ بنا دیتی تھی، ہمارا شہید سے تعلق عاشقانہ تھا شہید ہمارا عشق تھے، ان پہ جان فدا کرنا سعادت سمجھتے تھے، اسی لیئے قم میں ہمیں ان لوگوں سے سختی کرنا پڑتی تھی جو امام خمینی و شہید حسینی کے خلاف طلبا میں غلط باتیں پھیلاتے تھے

، پاکستان سے قم میں گئے طلبا امام خمینی و شہید حسینی سے متاثر ہو کے گئے تھے اس لیئے ان ہی کے خلاف گفتگو برداشت سے باہر ہوتی تھی، ہماری دوستیاں و دشمنیاں امام خمینی کی ذات سے وابستہ تھیں، امام خمینی اصل تھے، ہم انقلاب و امام کے شیدائی تھے، جنگ کے زمانے میں جب قم پہ میزائل گرنا شروع ہوئے تو قم خالی ہو رہا تھا، ہر ایک قم سے نکل رہا تھا، مشہد بھاگ رہے تھے، لیکن ہمارے مدرسہ رسالت میں درس مسلسل جاری رہے، ایک دن بھی چھٹی نہ ہوئی، ہمارے مدرسہ کے ساتھ میزائل آ کے گرا، دیواریں گر گئیں، زخمی بھی ہوئے مگر قم نہیں چھوڑا جبکہ بڑے بڑے دعوے کرنے والے، جو آج اپنے آپ کو "فرزند انقلاب" کہتے ہیں خوف کے مارے قم مقدسہ سے فرار کر گئے تھے، اور مشہد مقدس جا کر دم لیا تھا۔ مکتب ولایت فقیہ ہی ثابت قدمی کا نام ہے۔

شہید قائد کی سحر انگیز اور کشش والی شخصیت در اصل ان کی روحانی منازل کی بدولت تھی، وہ قلبی طور پہ اس قدر پاکیزہ تھے کہ اللہ کریم نے لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دی تھی لوگوں کو ان کا دیوانہ بنا دیا تھا، شہید ایک دردمند قائد تھے، انہیں فقط چار سال اور چند ماہ کی مختصر فرصت ملی، مگر وہ ایسی جگہوں پہ بھی گئے جہاں کوئی نہیں جاتا، مجھے بھی پاکستان بھر میں جانے کا موقعہ ملا، میں بلوچستان کے ایک دور دراز علاقے میں ایک چھوٹی سی مسجد میں بیٹھا تھا، شہید کا ذکر ہوا تو دوستوں نے بتایا شہید قائد اس جگہ تشریف لا چکے ہیں، واقعی حیرت کا شکار ہو جاتا ہے بندہ، کہ جب وسائل میسر نہیں تھے، اچھی گاڑی، مناسب راستے اور سڑکیں نہ تھیں اس دور میں شہید کا ایسے علاقوں تک پہنچنا مکتب ولایت کے ایک دردمند کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ شہید قائد واقعی لوگوں میں شعور بانٹنے آئے تھے، وہ روحانیت پھیلانے آئے تھے، وہ درد بانٹنے آئے تھے، وہ بصیرت کے دیئے جلانے آئے تھے، وہ حکمت کے چراغ روشن کرنے آئے تھے، وہ بیدار کرنے آئے تھے، انہوں نے خوابیدہ ملت کو بیدار کیا، انہوں نے مایوس دلوں میں امید کی لو بڑھائی، انہوں نے علم وعمل اور تقوی و ورع کی پہچان کروائی، انہوں نے انقلاب و امام اور ولایت کے علم کو سر بلند کیا، انہوں روحانیون، علما و فضلا کی شان بڑھائی، انہوں نے قوم کو ایک سوچ، ایک فکر، ایک راستہ دکھایا جو سر بلندی کا راستہ تھا، جو عزت کا راستہ تھا جو حمیت و غیرت کا راستہ تھا جو شجاعت و دلیری کا راستہ تھا، ان کے نشان قدم ہمارے لیئے روشن راستہ کی حیثیت رکھتے ہیں، حضرت امام راحل امام خمینی بت شکن نے ان کے افکار کو زندہ رکھنے کی جو تاکید فرمائی ہے، ہماری ذمہ داری ہے کہ اس کو کبھی نا بھولیں اور اپنی فکر و سوچ، کردار و عمل میں ان پاکیزہ افکار کو پیش نظر رکھیں، اسی میں قوم کی عزت ہے، اسی میں قوم کی سر بلندی ہے، اسی میں قوم و ملت کو اوج حاصل ہو سکتی ہے، اسی راستہ سے ہم کامیاب ہو سکتے ہیں، اپنی مشکلات پہ قابو پا سکتے ہیں، پروردگار سے دعا ہے کہ وہ ہمیں شہید کے افکار و کردار اور راستہ پہ قائم رکھے ہمارا ہر قدم شہید قائد کے بتائے اور دکھائے ہوئے راستہ اور راہ پہ رہے۔

خدا رحمت کنید این عاشقان پاک طینت را

تجھ کو کس پھول کا کفن ہم دیں
تو جدا ایسے موسموں میں ہوا جب درختوں کے ہاتھ خالی تھے

۱۹۷۹ سے ۱۹۸۹ کی دہائی شیعان پاکستان کیلئے مسائل اور مصائب کے طوفان لائی وطن عزیز کی اندرونی تبدیلیاں مثلاً وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی ۔ جنرل ضیا الحق کا مارشل لا اور بد ترین آمریت نفاذ نظام مصطفیٰ کی سیاسی آڑ میں مُلا ازم کی خطرناک منصوبہ بندی، جہادی تنظیموں کی صف بندی وغیرہ اور خارجی سطح پر شمالی سرحد پر روس کی افغانستان میں مداخلت پر امریکہ کا ردعمل اور پاکستان کو جہاد افغانستان کے نام پر مورچہ زن کرنا مغربی سرحد پر انقلاب ایران کی رونمائی کے بعد اس کے اثرات کو پاکستان میں روکنے کی امریکی منصوبہ سازی وغیرہ ایسے عوامل تھے جنہوں نے شیعیان پاکستان کیلئے سیاسی اور مذہبی مسائل پیدا کئے

اس سے قبل شیعہ سیاسی طور پر پیپلز پارٹی کا ایک غیر اعلانیہ حصہ تھے۔ مذہبی امور پر عزاداری کے آزادانہ قیام اور ملکی اسکولوں میں شیعہ دینیات کے اجرا کی حد تک محدود تھے گویا ایک قوم تو تھے مگر قومی تقاضوں سے کما حقہ واقف نہ تھے۔ حالات کی سنگینی وقت کی ستم ظریفی اور قومی ضرورتوں نے شیعہ قوم کو بیدار کر کے اس ضرورت کا احساس دلوایا کہ ایک نئی تاریخ لکھی جا رہی ہے اُٹھو قومی کردار ادا کرو ورنہ

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ایسے میں سیاست کو شجر ممنوعہ اور عزاداری کو مکمل اسلام سمجھنے والی خوابیدہ قوم کے چند مخلص، ہمدرد، دور اندیش علما کرام اور سیاسی و مذہبی بصیرت رکھنے والے زعما اُٹھے اور حالات کی نزاکتوں اور قومی ضرورتوں میں اپنا کردار ادا کرنے کیلئے مل بیٹھے حالات کی شدت، مستقبل کی کروٹ، پاکستانی آمریت اور امریکی سامراجیت کے پیش نظر ہمدردان قوم یہ سوچنے پر مجبور ہُوئے کہ زمانہ قیامت کی چال چلنے جا رہے ایسے میں خوابیدگی یا خاموشی ہر چند نقصان دہ رہے گی طے پایا کہ ۱۲ اپریل ۱۹۷۸ کو بھکر پنجاب میں شیعان پاکستان کو اکٹھا کیا جائے قیادت کا انتخاب عمل میں لایا جائے اور قوم کو اعتماد میں لا کر تحریک کا آغاز کیا جائے۔ چنانچہ عظیم الشان شیعہ کنونشن میں ۱۳،۱۲ اپریل ۱۹۷۸ کو بزرگ متقی، مجسمہ علم وعمل اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے رُکن علامہ مفتی جعفر حسین کو شیعہ قوم کی قیادت سونپی گئی اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا قیام عمل میں آیا وقت کے حکمرانوں تک اسی پلیٹ فارم سے آواز پہنچا دی گئی کہ شیعان پاکستان کسی ایسے سیاسی اسلام کو پاکستان کا مقدر نہیں بننے دیں گے جس کی تشریحات فقہ جعفریہ سے متصادم ہونگی یا حقوق پامال کریں گی یعنی نظام گر نبی کا ہوگا تو فیصلہ علی کا ہوگا۔ المختصر شیعہ قوم نے انتہائی جذبہ کے ساتھ سفر شروع کیا اور قیادت نے علما و عوام کے تعاون سے نہ صرف جذبوں کو جلا بخشی بلکہ خلوص اور وفا کا حق

ادا کیا۔ یہاں تک کہ ۶ جولائی ۱۹۸۰ کو آمریت کیساتھ معاہدہ اسلام آباد عمل میں آیا جس میں طے پایا کہ اسلام کے نفاذ میں شیعہ مکتب فکر کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

دوم کسی فقہ پر دوسری فقہ کو مسلط نہیں کیا جائے گا۔۔۔

تحریک کا سفر جاری تھا کہ مخلص قیادت کا وقت وصال آ گیا آخر کا تب موت و حیات کا پروانہ آیا اور حضرت علامہ مفتی جعفر حسین اپنے کاروان سے جدا ہو کر ۲۹ اگست ۱۹۸۳ کو فرشتہ اجل کے ساتھ اپنی آخری منزل کی طرف چل پڑے

ہمارا بھی لہو شامل ہے تزئین گلستان میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

یہ وقت تھا جب شیعہ قوم کو مصائب سازشوں اور خطرات نے لپیٹ میں لے لیا۔۔۔ قائد کی بے وقت جدائی آمریت کی مضبوط گرفت، امریکی سامراجیت کا غلبہ اسلام کی آڑ میں سامراجی مقاصد کی تکمیل، مدارس میں جہادی سلیبس کا اجرا، خوارج مزاج مولویوں کی ضرورت سے زیادہ حوصلہ افزائی، لسانی، مذہبی اور علاقائی بنیادوں پر تنظیموں کا قیام Devide and Rule کی حکمت عملی کے سیاہ بادل ملک پر چھا چکے تھے

وقت کے ہر مورخ کو اعتراف کرنا پڑے گا اور زمانہ کے ہر منصف کو تاریخ کی گواہی تسلیم کرنا پڑے گی کہ کربلا سے درس انقلاب لینے والی قوم نے سامراجیت، آمریت، ملوکیت، خارجیت اور یزیدیت کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور میدان میں للکار کر مخالفین کی نیندیں حرام کیں فطری اور اصولی طور پر مسئلہ قیادت کا تھا حالات کربلا جیسے تھے۔ محبان حسین کو ضرورت ایک حسین کی تھی چنانچہ 10 فروری ۱۹۸۴ کو پھر بھکر میں ہمدردان قوم اکھٹے ہوئے اکثر اکابرین کا رجحان بزرگ علما کرام کو قیادت سونپنے کا تھا جن میں علامہ مفتی عنایت علی شاہ، علامہ صفدر حسین نجفی سرفہرست تھے مگر اسلوب سیاست سے واقفان، ملکی حالات کے خبر دان بزرگ علما کے راز دان اور نوجوانوں کے ترجمان راہنماؤں کا موقف تھا کہ مسئلہ صرف فقہ کا نہیں بلکہ بات بہت آگے نکل چکی ہے سیاست، آمریت، سامراجیت فرقہ واریت اور ملت جعفریہ کے خلاف کئی مسموم سازشیں جنم لے چکی ہیں جن کا وقت سے پہلے تدارک لازم ہو گیا ہے پس ان حالات میں تمام مطلوبہ تقاضوں پر پورا اترنے والے میر کارواں کا انتخاب ضروری ہے جو ایک مورچہ میں بیٹھ کر چہار اطراف کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ و ہنر رکھتا ہو خدا جانے ایسے میں الہامی مدد ہوئی یا کسی جوہری نے جوہر شناسی کا علم استعمال کیا کہ اچانک سید عارف حسین الحسینی کا نام قیادت کیلئے پیش کر دیا گیا

اعلان کا ہونا تھا کہ بصارتیں مرتعش، بصیرتیں متجسس ہوئیں کئی دل دھڑکے کئی نبضیں تھم گئیں کئی جسم بے حس اور دماغ سُن ہوئے مگر جوان جذبے بھرے واقفان حال تڑپے مایوس دلوں کو ڈھارس ملی، مضطرب سوچوں کو اطمینان ملا علما کرام کے چہروں پہ شادابیت آئی دعائیں ورد بن کر لبوں پہ معطر ہونے لگیں کہ ایسے میں آئی ایس او پاکستان کے ایک نوجوان نے نعرہ بلند کیا

عارف سا قائد ہوا ہے نصیب
نصر من اللہ فتح قریب

کربلائے پاکستان میں ایک حسینی قیادت کی خبر ہوا کے دوش پر پورے ملک میں خوشبو کی طرح پھیلی۔۔۔

سندھ والوں نے نعرہ لگایا تنجو سید منجو سید۔۔۔
عارف سید۔۔۔ عارف سید

] پختونوں نے نعرہ بلند کیا۔۔۔۔ راشہ راشہ۔۔۔ عارف راشہ

سرائیکی مومنین مچل اُٹھے
تیڈا سائیں میڈا سائیں
عارف سائیں عارف سائیں

بظاہر گمنام قیادت کے اعلان پر ہر مومن نے تعارف طلب کیا جو یوں تھا۔ نام سید عارف حسین۔۔۔ کنیت الحسینی یعنی عرفان بھی حسینؑ سے اور سلسلہ جسم و جان بھی حسینؑ سے ملتا تھا۔۔۔ جغرافیائی تعلق افغانستان سے متصل پاکستان کی آخری شمال مغربی ایجنسی کے شہر پاراچنار سے تھا۔۔۔ دراز قامت، چوڑی پیشانی دور بین آنکھیں، مضبوط جسامت، گفتگو میں پاکیزگی لہجے میں درد، الفاظ میں سچائی لباس میں نفاست عمامہ میں تاجوری، چہرے پہ جلال، صلاحیتوں میں کمال، سراپا عجز، مجاہدانہ چال، علما کا قدر دان نوجوانوں کا علمدار

قوم کا حقیقی غم خوار ملکی حالات سے آگاہ امام خمینیؒ کا روحانی فرزند انقلاب ایران کا ترجمان، کربلا کا زخمی سپاہی، قرآن وسنت کا پاسبان نگاہ بلند سخن دلنواز جان پُرسوز قلب روحانی چہرہ نورانی حلقہ یاراں میں بریشم رزم حق و باطل میں فولاد آمریت کا دشمن سامراجیت کیلئے ننگی تلوار فرقہ واریت کا قاطع اتحاد بین المسلمین کا حقیقی علمبردار رب کی نعمت حسینی قیادت نہ پہلے کوئی اس جیسا قائد اور نہ بعد میں کوئی اسکا ثانی شیعوں کے دل کا چین واقعاً عارف حسین ۱۰ فروری ۱۹۸۴ سے ۵ اگست ۱۹۸۸ تک قیادت کی ذمہ داری نبھائی خیر سے کراچی مکران سے بلتستان تک طوفانی دورے کئے شیعوں کو حوصلہ دیا مخالفین کو للکارا، آمریت کو آدمیت اور سامراجیت کو انسانیت کا درس دیا قوم کو منظم کیا مسلمانوں کو وحدت کا احساس دلوایا سر اُٹھاتی سازشوں کا پردہ چاک کیا لاشرقیہ لاغربیہ اسلامیہ اسلامیہ مرگ بر امریکہ مرگ بر روسیہ کا نعرہ لگایا۔۔۔شیعہ حقوق کے تحفظ اور بازیابی کیلئے آمریت پر مسلسل دباؤ بڑھایا، امریکی سامراج کی پاکستان میں بڑھتی ہوئی مداخلت کو للکارا فرقہ واریت پھیلانے اور اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والوں کو خبردار کیا اور اسلامیان پاکستان کو وحدت کا احساس دلوایا

ملکی و غیر ملکی ایجنسیوں کی فرقہ وارانہ سازشوں کا شکار مولویوں نے اسلامی ایران کے انقلاب کے خلاف منظم تحریک چلائی اور شیعان پاکستان پر تکفیری فتووں کا آغاز کیا تو آپ نے قرآن وسنت کانفرنسز کا انعقاد کر کے حقیقی مسلمان ہونے کا ثبوت دیا۔۔۔ جب آمر نے شیعوں کے خلاف پارلمان میں آئینی سازشوں کی سوچی تو آپ نے ۶ جولائی ۱۹۸۷ کو مینار پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کو میدان سیاست میں اتار کر پارلیمان تک پہنچنے کا اعلان کیا آمریت کیلئے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پر قدغن لگانا ناممکن ہو گیا اور دیگر سیاسی جماعتوں کیطرح اپنے منشور کا اعلان کر کے ۱۹۷۳ کے آئین کی بحالی

کا مطالبہ کر دیا

امریکہ نے روس سے افغانستان میں جنگ لڑنے کیلئے پاکستان کو استعمال کیا جبکہ انقلاب اسلامی ایران کا پھیلاؤ روکنے کیلئے پاکستان میں سعودی عرب کو ملوث کیا پیسہ دونوں اطراف سے امریکہ کا تھا استعمال دونوں طرف سے پاکستان ہو رہا تھا نام نہاد مولویوں کو نفرت پھیلانے اور پھیلانے اور کلاشنکوف اُٹھانے کی آزادی تھی پارلیمنٹ میں ناموس صحابہ بل، اہل تشیع کے خلاف منظم سازشوں کو آئینی حیثیت دینے کی تیاریاں شروع تھیں تو آپ سیسہ پلائی دیوار کی طرح حائل ہو گئے، آمریت کی نیندیں حرام ہوئیں سامراجیت کے ناک میں دم آیا۔ فرقہ واریت کی سازشیں بے نقاب ہوئیں تو مخالف تین عناصر سر جوڑ کر بیٹھے اور علامہ عارف حسین الحسینی کو راہ سے ہٹانے کی سوچ لی آخر ایک اجرتی قاتل گروہ کے ذریعے 5 اگست کی صبح یہ سازش کامیاب ہو گئی اور یوں ملت جعفریہ پاکستان اپنے بے مثال قائد سے محروم ہو گئی ۔۔۔ قیادت کی شہادت اگرچہ ایک سعادت تھی مگر عاشقان کیلئے قیامت تھی

زمانہ آج بھی گواہ ہے کہ ہماری آنکھیں آج بھی شاہد ہیں کہ جس طرح سے عارف حسین الحسینی نے قیادت کا حق ادا کیا قوم نے اسی طرح سے وفاداری کا حق نبھایا۔ علمائے کرام کی حمایت زعمائے قوم کا تعاون نوجوانان قوم کی جانثاری سفیر نور سے سفیر انقلاب ڈاکٹر محمد علی نقوی کی فداکاری نے قائد کو احساس تنہائی نہیں ہونے دیا قائد کے فرمان پر جان بھی قربان کرنے والوں نے وفا نبھا کر قوم کو خون کا مقروض کیا اور ہر شہید کی مطمئن روح صدا دیتی ہے کہ

ہمارے بعد بھی رونق رہے گی مقتل میں
ہم اہل دل کو بڑے حوصلے میں چھوڑ آئے

امام خمینیؒ نے فرمایا میں اپنے فرزند سے محروم ہو گیا، قوم کا ہر فرد ماتم کناں تھا کہ ہم اپنے روحانی باپ سے محروم ہو گئے آخر کار پہاڑوں کی اوٹ سے طلوع ہونے والا قوم کی فکر کی روشنی عطا کر کے پہاڑوں کی گود میں یہ کہہ کر سو گیا

شہادت ہمارا ورثہ ہے جو ہماری ماؤں
نے ہمیں دودھ میں پلایا ہے

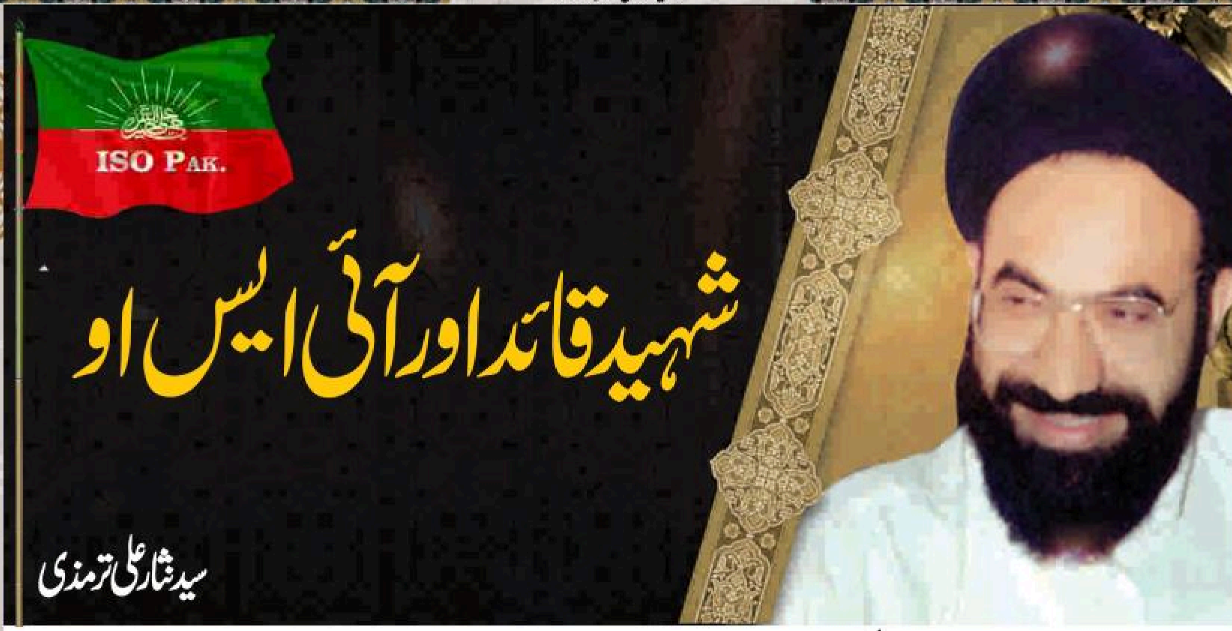

شہید قائد اور آئی ایس او

سید نثار علی ترمذی

شہید باقر الصدرؒ نے فرمایا کہ "ذابوا فی الامام الخمینی کما ھو ذاب فی الاسلام" امام خمینیؒ کی ذات میں اس طرح جذب ہو جاؤ، جس طرح وہ اسلام میں جذب ہو گئے۔ شہید علامہ عارف حسین الحسینیؒ اس فرمان کی عملی تصویر تھے۔ تاریخ تشیع پاکستان میں شہید کو جو منفرد مقام حاصل ہے، وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ ان پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ آیا اور چھا گیا۔ چار ساڑھے چار سال کے عرصے میں انہوں نے اپنے کردار، گفتار اور جدوجہد سے عوام کے دلوں میں جو جگہ بنائی ہے، اس کی مثال نہیں۔ ربع صدی گذرنے کے باوجود قیادت کا معیار اور مرتبہ جو آپ کی وجہ سے قائم ہوا تھا، لوگ اب کی قیادتوں کو اسی معیار پر جانچتے ہیں۔ یہ بات ایک حقیقت ہے کہ ابھی تک کوئی بھی آپ کے قریب بھی نہیں پہنچ سکا۔ آپ کی شہادت پر امام خمینیؒ نے جو پیغام دیا، اس نے آپ کی منزلت کو سمجھنے میں مدد دی اور اندازہ ہوا کہ اس قوم کا کتنا بڑا نقصان ہو چکا ہے۔ امام خمینیؒ نے پاکستان کی باشرف اور غیور عوام سے تاکید کی ہے کہ "وہ شہید راہِ حق (علامہ عارف حسین الحسینیؒ) کے افکار کو زندہ رکھیں۔" نیز انہوں نے فرمایا کہ "میں اپنے عزیز بیٹے سے محروم ہوا ہوں۔" امام خمینیؒ نے "عزیز فرزند" کہہ کر ان کے علاوہ صرف استاد مرتضٰی مطہری شہید کو یاد کیا ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے امام خمینیؒ کی نظر میں شہید کا کیا مقام تھا۔ شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ نے شہید عارف الحسینی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ "اپنی اس زندگی میں، ان میں سے جو شخصیت جس کا نام بڑے منفرد اور نمایاں انداز میں لیا جا سکتا ہے، جو امام خمینیؒ کی ذات میں کھو گئے تھے، ختم ہو گئے تھے، وہ شہید عارف الحسینی تھے۔" شہید عارف نے آئینے سے بھی زیادہ شفاف انداز میں یہاں انقلاب کو Reflect (منعکس) کیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ "اگر آپ کوئی نیا کام نہ کر سکیں، تو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے شہید حسینیؒ کو سمجھنے کی کوشش کریں اور یہ کافی ہے، اپنی زندگیوں کو اور آنے والی نسلوں کی زندگیوں کو راہ راست پر لانے کے لیے۔" شہید حسینی پر مزید لکھا جا سکتا ہے، مگر اپنے موضوع کی طرف آتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب شہید نے منصب قیادت سنبھالا تو تحریک کا کوئی باضابطہ ڈھانچہ موجود نہیں تھا، فقط اضلاع میں نامزدگیاں کر کے مرکزی کونسل کا اجلاس بلایا تھا، جس نے آپ کے سَر پر دستار قیادت سجائی تھی۔ اس وقت امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن اور امامیہ آرگنائزیشن منظم جماعتیں تھیں، آئی او جلد ہی کئی باہمی مسائل کا شکار ہو گئی، پھر اپنا علیحدہ تشخص رکھنے کے لئے احتیاط پر عمل کرنے لگی۔ یوں قومی دھارے سے دور ہوتی چلی گئی۔ اس وقت امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن ایک طلبہ تنظیم کے طور پر پورے ملک میں اپنے تنظیمی ڈھانچے کے ساتھ موجود تھی، نیز اس کے سابقین بھی معاشرے میں فعال

کردار ادا کرنے کے قابل تھے۔ شہید نے اسی سرمائے سے اپنے تنظیمی سفر کا آغاز کیا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انہیں شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی اور ان کے رفقاء پر مشتمل ٹیم دستیاب ہوگئی، جس کا سابقہ آئی ایس او ہی تھی۔ انہوں نے بہت جلد ہی ملک بھر میں تحریک کا ڈھانچہ کھڑا کر دیا۔ اس کا دستور بن گیا اور یہ اپنے پاوں پر کھڑی ہوگئی۔ شہید کا آئی ایس او سے اور آئی ایس او کا شہید سے جو تعلق اور محبت ہے، وہ ڈھکی چھپی نہیں اور نہ ہی کسی ثبوت کی محتاج ہے۔ آئی ایس او نے اپنے شعوری فیصلہ سے اپنی نظارت کے اختیار شہید عارف حسین الحسینی کے سپرد کر دیئے، کیونکہ وہ اس ملک میں نمائندہ ولی فقیہ تھے۔ یوں آئی ایس او نے اپنے آپ کو ولایت فقیہ کے زیر سایہ پروان چڑھانے کا انقلابی فیصلہ کیا۔ شہید بھی ایک سرپرست اور ایک باپ کی حیثیت سے آئی ایس او پر سایہ فگن رہے۔ آئی ایس او کے جوان دیوانہ وار شہید کے گرد جمع تھے اور شہید اپنی شفقت سے انہیں اپنے حصار میں لئے ہوئے تھے۔ آج بھی اس شعر کا مصداق ہیں: جب بھی کوئی پیار سے بلائے گا مجھ کو ایک شخص یاد آئے گا شہید نے آئی ایس او کے بارے میں جو فرمایا، وہ ان جذبات کی ترجمانی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ”برادران عزیز! میں آپ کے مبارک چہروں پر نظر کرتا ہوں تو مجھے آپ کے چہروں پر اسلامی عکس دکھائی دیتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں اگر صحیح معنوں میں مسلمان نوجوان ہیں، تو ہمارے یہی نوجوان ہیں، جو آئی ایس او کے پلیٹ فارم پر کام کر رہے ہیں، یہی صحیح مسلمان ہیں۔ یہ خدا، رسول (ص)، اسلام و قرآن اور اہل بیت اطہار (ع) کے لئے کام کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ نہ مجھ سے اور نہ کسی اور سے شاباش کہنے کی توقع بھی نہیں رکھتے ہیں۔“ (آئی ایس او کنونشن 1987ء سے خطاب۔ آداب کاروان، ناشر، العارف اکیڈمی لاہور۔ 1997ء، ص 54)

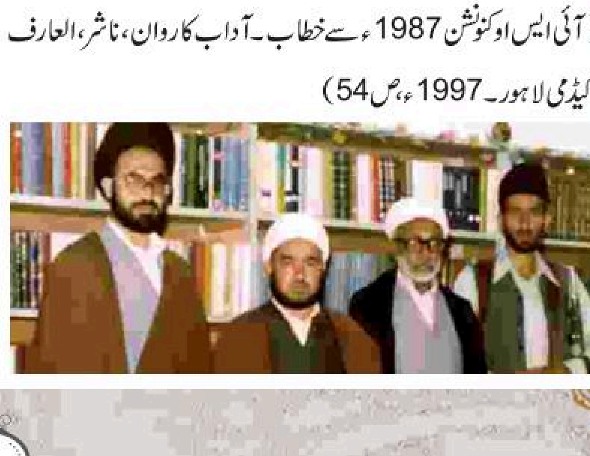

اس میں شہید نے آئی ایس او کے جوانوں کے ان اوصاف کا تذکرہ کیا، جو اس تنظیم کا طرہ امتیاز ہے۔ شہید حسینی سے مبالغہ کی توقع بھی نہیں کرنی چاہیے۔ انہوں نے جو حقیقت تھی وہ بیان کر دی۔ یہ اس بات کا اظہار بھی ہے کہ شہید آج کے جوانوں میں مذکورہ صفات کا جلوہ چاہتے ہیں۔ یہ فقط شہید سے مربوط نہیں ہے بلکہ اس تنظیم کے سرپرست علماء کی زحمات اور خدمات کا صلہ ہے۔ یہ یاد پڑتا ہے کہ حجۃ الاسلام علامہ مرتضٰی حسین صدر الافاضل مرحوم جب جمعیت کے نوجوانوں کو دیکھتے کہ وہ باریش، دین کے کاموں میں سرگرم اور منظم ہیں تو کہتے کہ کاش! ہمارے جوان بھی ایسے ہی ہوتے۔ جب آئی ایس او تشکیل پائی تو گویا ان کی دلی مراد پوری ہوگئی۔ شہید عارف الحسینیؒ آئی ایس او کے جوانوں سے خصوصی محبت کرتے تھے اور ہر جگہ اس کے دفاع میں پیش پیش رہتے تھے۔ اس محبت کا اظہار بہت جگہ پر کیا، مگر جو تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہوگیا وہ پیش ہے:

مجھے امامیہ اسٹوڈنٹس کے عموماً اور کراچی کے امامیہ اسٹوڈنٹس کے جوانوں سے خصوصاً محبت ہے۔ ہمارے دوسرے رفقاء ہمارے نزدیک نہیں آتے تھے تو انہوں نے رات ایک بجے تک، 2 بجے تک کام کیا اور دن کو بھی اس وقت تک (جب) ہم یہاں سے چلے گئے، یہ شب و روز کام کرتے رہے، تو میں نے ادھر بھی جا کر کہہ دیا کہ واقعاً کس خلوص کے ساتھ یہ کام کرتے ہیں، یہاں تک کہ کسی چیز کی توقع نہیں رکھتے، کام کرتے ہیں، اگر ہم ان جوانوں کے احساسات کی قدر نہیں کریں گے اور جس طرح خلوص کے ساتھ کام کرتے ہیں، ہم بھی اسی خلوص کے ساتھ، ان کے ساتھ نہیں چلیں گے، تو

ہم کس منہ کے ساتھ خدا کے سامنے کل حاضر ہوں گے۔" (آداب کارواں، ناشر العارف اکیڈمی لاہور، 1997ء، ص35)

شہید عارف الحسینیؒ نے اس میں جہاں آئی ایس او کے جوانوں کی خدمات، خلوص، جدوجہد اور لگن کا ذکر کیا ہے، وہیں انہوں نے تاریخ کی اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ جب دیگر لوگ شہید کا ساتھ دینے سے گریزاں تھے، تو یہی جوان تھے، جو اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ شہید کے ہم رکاب ہو گئے۔ اس کردار کو نہ تو چھپایا جا سکتا اور نہ فراموش کیا جا سکتا ہے۔ شہید نے آئی ایس او کے اس کردار کو زندہ و جاوید کر دیا۔ شہید عارف الحسینیؒ نے آئی ایس او کے سالانہ مرکزی کنونشن منعقدہ 1987ء سے خطاب کرتے ہوئے، آئی ایس او کے ایک اور کردار کو سراہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "آپ ہی نے پاکستان میں دوسری پارٹیوں کو برسرعام سڑکوں پر مردہ باد امریکہ، مردہ باد روس اور مردہ باد اسرائیل کے نعرے سکھائے ہیں اور آپ نے ہی انہیں یہ جرأت دی ہے۔ آپ نے پاکستان میں یوم مردہ باد امریکہ یا یوم القدس کے نام سے یہ ہفتہ وحدت کے نام سے پروگرام کروائے ہیں۔ یقیناً آپ کے ان اقدامات اور آپ کی ان سرگرمیوں کی وجہ سے امریکہ گھات لگا کر بیٹھا ہے اور اس انتظار میں ہے کہ کب اسے موقع ملے اور وہ آپ پر وار کرے۔" (آداب کارواں، ناشر العارف اکیڈمی لاہور، 1997ء، ص53)

اس میں آئی ایس او کے اس زندہ و جاوید کردار کا شہید نے تذکرہ کر کے آج کے دعوے داروں کو آئینہ دکھایا ہے۔ نیز اس بات کی بھی پیشن گوئی کی ہے کہ امریکہ اس کردار کا بدلہ لے گا۔ آج آئی ایس او پر جو مصائب و مشکلات ہیں، اس کا ایک سبب اس کی استعمار دشمنی اور دین سے محبت ہے اور اس تناظر میں آئی ایس او کو مزید مشکلات کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ یہ بات باعث حوصلہ بھی ہے کہ شہید کی پیشن گوئی جہاں ثابت ہو رہی ہے، وہاں یہ پیمانہ بھی منظر میں رہنا چاہیے کہ ہم حق پر ہیں، خواہ موت ہم پر جا پڑیں یا ہم موت پر۔ شہید نے آئی ایس او کے جوانوں کو نصیحتیں بھی کیں ہیں۔ آج کے نوجوان کو آگاہی اور عمل کی طرف بڑھنے کی سعی کرنی چاہیے۔ شہید مرکزی کنونشن 1987ء کے خطاب کے آخر میں فرماتے ہیں: "آپ اسلام و قرآن اور تعلیمات اہلبیت علیہم السلام کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ آپ اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کریں، آپ علماء کے ساتھ روابط کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں، آپ آپس میں اخوت، صحیح نیت اور برادری کے ساتھ مل کر کام کریں۔ یہ تنگ نظری ٹھیک نہیں کہ میں کہوں کہ میں ہوں اور آپ نہ ہوں۔ آپ کہیں کہ نہیں میں ہوں آپ نہ ہوں۔ نہیں! ہم سب مل کر کام کریں، اسلام ہمیں یہی تعلیم دیتا ہے، ایاک نعبد و ایاک نستعین، یہ نہیں، ایاک اعبد و ایاک استعین، بلکہ کہتا ہے، نعبد و نستعین، یعنی ہم مسلمانوں میں "میں: کا لفظ نہیں ہے، ہم کا لفظ ہے۔ ہم آئی ایس او والے خواہ وہ سندھ سے تعلق رکھتے ہوں یا بلوچستان سے، خواہ پنجاب سے ہوں یا شمالی علاقہ جات سے، خواہ آزاد کشمیر سے ہوں یا فرنٹیئر اور آزاد قبائل سے، ہم سب مل کر اس تنظیم کہ جس کے لئے ہمارے بھائیوں نے قربانیاں دی ہیں، اس کے لئے کام کریں۔" (آداب کارواں، ناشر: العارف اکیڈمی لاہور، 1997ء، ص61)

میرے خیال میں یہ خطاب شہید کا مرکزی کنونشن سے آخری خطاب ہے، کیونکہ 5 اگست 1988ء کو آپ درجہ شہادت پر فائز ہوگئے تھے۔ یوں اسے ایک لحاظ سے شہید کی وصیت کا درجہ مل چکا ہے۔ اس میں جہاں شہید نے ہر ایک نوجوان کے لئے ایک تربیتی اور تنظیمی چارٹر پیش کر دیا ہے، وہیں اس بات کی تلقین کی ہے کہ اس کو تنظیم کے لئے کام کرنے پر زور دیا ہے۔ شہیدؒ کے اس واضح فرمان کے بعد تنظیم اور تنظیم سازی کے خلاف جاری پروپیگنڈہ کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے، بلکہ تنظیم میں کام کرنے کو شہید کا حکم سمجھتے ہوئے ادا کرنا چاہیے۔ امامیہ مسجد گلگت میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے شہیدؒ نے آئی ایس او کے کردار کو ایک بار پھر واضح کیا ہے اور خوبصورت دفاع کیا ہے۔ پہلے شہید کے خطاب سے اقتباس پیش ہے وہ فرماتے ہیں

:"جس خلوص کے ساتھ، جس جذبے کے ساتھ یہ جوان کام کر رہے ہیں ہم تو شب وروز پاکستان کے ہر شہر میں جاتے ہیں، قسم بخدا! جس خلوص کے ساتھ ہمارے یہ نوجوان خصوصاً آئی ایس او والے لڑکے جس خلوص اور جذبے کے ساتھ اسلام وقرآن اور دین کے لیے کام کر رہے ہیں، کوئی دوسرا نہیں کر رہا ہے۔ اب اگر میں مسجد کا پیش نماز ہوں، یا خطیب ہوں، یا انجمن کا صدر ہوں، تو اگر اس طرح ان کی حوصلہ شکنی کریں، اور ان کے خلاف باتیں کریں، تو میری نظر میں یہ گناہ کبیرہ سے کم نہیں۔ البتہ اگر ان میں آپ نے کوئی اشتباہ دیکھ لیا، تو ہم نہیں کہتے کہ وہ لوگ معصوم ہیں۔ اگر کسی نے اشتباہ دیکھ لیا، تو آپ ان کی اشتباہات کی اصلاح کریں، درست کریں نہ کہ آپ ان کو گھر سے باہر پھینک دیں، تاکہ وہ دشمنان اسلام کے ہاتھ لگ جائیں۔" (آداب کارواں، ناشر العارف اکیڈمی لاہور، 1997ء ص301)

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آئی ایس او کو ہمیشہ سے مخالفت کا سامنا رہا ہے۔ وقت کے ساتھ کردار بدلتے رہتے ہیں، مگر ان کا مرکزی نقطہ آئی ایس او ہی رہی ہے۔ شہید کے دور میں بھی مخالفین کی کمی نہ تھی۔ جہاں شہید جاتے تو لوگ اپنا بغض لے کر آئی ایس او کے خلاف زبان درازی کرتے رہتے۔ اس میں ہر طبقے کے لوگ شامل ہیں۔ مگر شہیدؒ ایک سرپرست، ایک ذمہ دار اور آگاہ شخص کی طرح ہر موقع پر دفاع کیا ہے، اس میں تو شہید نے قسم اٹھا کر آئی ایس او کے کردار کی گواہی دی ہے۔ لگتا ہے کہ شہید کے دورہ گلگت کے موقع پر لوگوں نے جو مخالفانہ باتیں کی ہوں گی، اس کا مجمع عام میں جواب دے دیا۔ آخر میں شہید قائد کے آئی ایس او کے نام ایک پیغام سے اس مضمون کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ شہید فرماتے ہیں: امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان متدین وفعال طلبہ کی وہ واحد ملک گیر تنظیم ہے، جو عوام الناس اور خصوصاً یونیورسٹیوں کے پڑھے لکھے، نوجوانوں کو دین سے آگاہی کی بہترین خدمات سرانجام دیتے ہیں اور بھرپور توانائی کو بروئے کار لاتے ہوئے دین اسلام کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔ خداوند متعال سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارے نوجوانوں میں شعور و بصیرت پیدا کرے، تاکہ دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہیں۔" (آداب کارواں، ناشر العارف اکیڈمی لاہور، 1997ء ص351)

شہید کو جس قدر آئی ایس او کے جوانوں سے توقعات تھیں کوشش کرنی چاہیے کہ ان پر پورا اتریں، امام خمینیؒ کے فرمان اور شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کے بیان کی روشنی میں شہید علامہ عارف حسین الحسینیؒ کی تمام کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے، تاکہ یہ افکار نا فقط کتابوں میں زندہ رہیں، بلکہ معاشرہ میں چلتے پھرتے بھی نظر آئیں۔

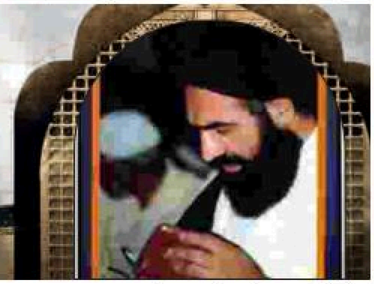

قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی کا مرکزی کنونشن پہ خصوصی پیغام

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کا ایک مرتبہ پھر لاہور میں سالانہ اجتماع باعث مسرت ہے کیوں اس قسم کے اجتماعات باعث خیر و برکت ہوتی ہیں اور یہی اجتماعات ہمارے عزیز جوانوں کی سطح فکری کی بلندی میں مدد و معاون ثابت ہوں گے آج کا طالب علم نہ صرف طالب علم ہے بلکہ معاشرے خاص کر یونیورسٹی میں اسلام ایک سپاہی ہے وہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے اعلی افکار کے رسالت کا بھی ذمہ دار ہے نہ فقط تحریر و تقریر کے ذریعے بلکہ اپنے عمل و کردار سے دوسروں کو خیر کی دعوت کا بھی ذمہ دار ہے دوسروں کو خیر کی دعوت دینے کی مسئولیت رکھتا ہے

مدتوں سے اسلام عزیز کو دشمنان اسلام کے نفوذ و پروپیگنڈے کی وجہ سے انحرافات و کج فہمیوں کا سامنا ہے اسلام جو دراصل ایک مبارز آسمانی مکتب ہے کو غیروں کے ایجنٹوں کے غلط تبلیغات نے دوسرے رنگ میں پیش کیا ہے قرآن کریم جو مشرکین مفسدین کے ساتھ جہاد اور سامراج و استعمار کے خلاف قیام کرنے کا حکم دیتا ہے کو غلط انداز میں پیش کر کے دوسرا رنگ دیا ہے اسی طرح اسلام کے نورانی اور نجات بخش احکام آہستہ آہستہ سامراج کے مزدوروں اور استعمار کے آلہ کاروں کے ذریعے اپنے فاسد اغراض و مقاصد کے لئے پامال ہوتے ہیں اسلام عظیم جو سامراجی تسلط کیلئے ایک بڑی رکاوٹ ہے بے ضمیر اور بے غیرت حکمرانوں کے ذریعے توڑا جا رہا ہے تاکہ سامراج کے غارتگری کیلئے راستے کھول دیئے جائیں مسلمانوں کے آپس میں اختلافات اور سہل انگاری کی وجہ سے استعمار سُرخ و سیاہ کا مسلمین کے مقدسات و مقدرات پر قبضہ روز بروز مضبوط ہوتا جا رہا ہے ایسے حالات میں ایک مسلم و غیرتمند جوان کا کیا فریضہ ہے آئے فرزندان توحید و اسلام! خداوند متعال نے آپ کو ہر قسم کے نعمات سے نوازا ہے آپ معنوی اور مادی قوت کے مالک ہیں۔ اپنی قوت اور خداداد صلاحیتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کیجئے اپنی ہمت و قوت کے ذریعے اسلام اور وطن اسلامی کو عظمت اور سرفرازی کی بلندیوں سے ہمکنار کیجئے۔ اپنے برادر اسلامی ممالک سے سامراج کے ہاتھوں کو کوتاہ کیجئے۔ کیونکہ جو قوت اور صلاحیت خدا کی راہ میں خرچ ہو جائے اسے دوام حاصل ہے اور آخرت میں خداوند متعال کے سامنے سرخروئی ہوتی ہے جبکہ شہوتوں اور بے ہودگیوں میں صرف شدہ توانائی اس دنیا میں باعث ذلت و بردگی اور آخرت میں باعث عذاب اور شرمساری ہے جوانان عزیز بیدار ہو جاؤ اور سوئے ہوئے افکار کو بھی بیدار کرو جوانان غیور۔ زندہ ہو جاؤ اور مردہ دلوں کو بھی حیات بخشو۔ سُرخ و سیاہ سامراج کے گندیدہ اور بدبودار جنازوں کو اسلامی ممالک کی پاک سرزمینوں سے باہر پھینکنے کیلئے توحید کے پُر قدرت پرچم تلے اکھٹے ہو جاؤ آپس میں اتحاد و اخوت کے ذریعے خدا کے دین کی مدد کرو کہ خدائے عزیز نے وعدہ فرمایا ہے ان تنصروا اللہ ینصرك و یثبت اقدامکم آج جبکہ سارے اسلامی ممالک میں اسلامی تحریکوں کی لہر دوڑ چکی ہے، نسل جوان کی بیداری اور آگاہی اور روشن فکر افراد کی نہضت و قیام جو تیزی کے ساتھ رشد کر رہا ہے ہمارے لیے نیک فال اور امید بخش ہے

پس تم پاک دل نو جوانوں کا فریضہ ہے کہ ہر ممکنہ وسیلہ کے ذریعے اپنی ملت کے افراد کو آگاہ و بیدار کریں اور اسلام کو متعارف کراؤ اور مظلوم و ستم رسید اقوام کی فریادرسی کرو علما کے ساتھ اپنے روابط مزید مستحکم کرو کیونکہ علما دین اسلام و قرآن کے پاسبان ہیں اور انبیا علیہ السلام کے وارث ہیں۔ مدارس دینی اور یونیورسٹی کے مابین استعمار کی جانب سے ایجاد کردہ فاصلوں کو ختم کرو اسی طرح باہمی وحدت و محبت کے ساتھ اسلام عزیز کے دفاع اور عظمت کیلئے دشمنان اسلام کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ خداوند متعال سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت و عظمت کا خواہاں ہوں

والسلام علیکم ورحمتہ۔۔۔۔۔وبرکاتہ

سید عارف حسین الحسینی

۲۵ ربیع الاول ۱۴۰۶ ھ

شہید عارف حسین الحسینی

اور آپ کے خاندانی صفات

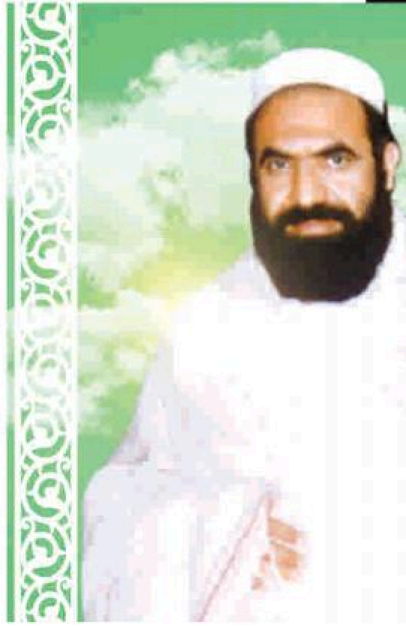

سید احمد حسین حسینی پاراچنار، مقیم قم

شہید عارف حسین حسینی بن سید فضل حسین 25 نومبر 1946 عیسوی میں ایک مذہبی، علمی اور اخلاقی گھرانے میں پاراچنار کے شمال مغرب، پیواڑ میں اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کا خاندان حسینی سادات سے مشہور ہیں چونکہ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام سجاد (ع) اور حضرت امام حسین (ع) سے جاملتا ہے۔شہید کے آبا و اجداد نے ہمیشہ علاقے کے لئے دینی، مذہبی خدمات اور معارف اسلامی کے ترویج میں اپنی زندگی صرف کی ہیں۔آپ کے آبا و اجداد کی کئی ایک نیک صفات معروف ہیں۔گھرانے کے معروف صفات میں سے سخاوت، زبان زد عام وخاص ہے۔اہل پیواڑ خصوصا شہید کے مخصوص گاؤں دو پرزئی والے یہ کہتے ہیں: شہید کے تمام آبا و اجداد بہت سخی اور مہمان دوست تھے۔گھر میں مہمانوں کے استقبال اور احترام کے لئے مخصوص جگہ تھی۔عام اور روزانہ مہمانوں کے علاوہ، موسم سرما میں چونکہ پیواڑ کا موسم زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے علاقے کے لوگوں کی عادت ہے کہ نیک اور بزرگان کی محافل میں شب نشینی کرتے ہیں۔شب نشینی کے ماحول سے مثبت اور مذہبی فائدہ اٹھاتے تھے اور نیک مقصد کے لئے لوگوں کو دعوت دیتے تھے اجتماع میں وعظ، نصیحت، اسلامی کہانیاں اور اولیا اللہ کی سرگذشت سناتے تھے۔مہمان نوازی میں مہمانوں کو (تازہ گل) کھلانا اس گھرانے کی مشہور روایت ہے۔چائے اور دوسری نذر و نیاز بھی چلتی تھی۔یہ سنت حسنہ (تازہ گل) اب تک موجودہ سن رسیدہ لوگوں کو یاد ہے۔سیادت اور مہمان نوازی کی وجہ سے شہید کی خاندان عوام کے دلوں میں نفوذ رکھتے ہیں لوگ حد سے بڑھ کر احترام کرتے ہیں۔یہ سب خاندانی صفات شہید میں بکثرت پائی جاتی تھیں۔

شہید اور غریب نوازی

شہیدؒ دوسری صفات کے ساتھ غریب نوازی اور فقرا دوستی میں مشہور تھے۔ شہید کی محبوبیت کی علل واسباب میں سے غریب نوازی اثر انداز ہے جہاں پر رسول اللہ (ص) کو قرآن کریم میں حکم ہوا ہے: (وَ أَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ) ضحی /10 اور سائل کو جھڑک مت دینا۔شہید اس حکم قرآنی کے سخت پابند اور عامل تھے۔شہید صاحب اولاد تھے۔ایک دور میں 1200 روپیہ تنخواہ تھی جس میں گزارہ کرنا اس زمانے میں سخت تھا اس کے باوجود شہید قیادت سے پہلے مدرسہ جعفریہ پاراچنار میں پڑھائی کے دوران کسی غریب کو بغیر مناسب مالی امداد کے رد نہیں کرتے تھے۔فقرا کو معلوم تھا کہ کوئی کچھ بھی نہ دے تو عارف حسین سید ضرور کچھ نہ کچھ دے گا۔میں نے چند کتابیں شہید سے پڑھی ہیں۔جب بھی علم منطق کی کتاب حاشیہ ملا عبداللہ کی کلاس ہوتی تھی چونکہ کلاس کا ٹائم صبح 10 بجے کا ہوتا تھا اسی وقت غریب لوگ بھی شہید کے پاس آتے تھے اپنی غربت اور درد کا اظہار کرتے تھے۔شہید بہت احترام کے ساتھ مناسب اعانت فرماتے تھے۔کبھی کسی کو نامناسب کلمات اپنی زبان پر جاری نہیں کی واپسی پر غریبوں کے چہرے پر مسکراہٹیں ہوتی تھیں اور فخر کرتے تھے کہ آقا صاحب مجھ سے بہت محبت سے ملے ہیں اسی وجہ سے ہر غریب مدرسہ سے باہر جاتے وقت یہ کہتے نظر آتے تھے: آقا صاحب میرا ہے۔شہید کے لوگوں کیمالی اور معنوی حمایت و مدد میں کبھی فرق نہیں پڑا، اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ شہید کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا شاگردوں سے قرضہ لے کر کسی کو ناامید نہیں کرتے تھے۔میں دوسرے ہم کلاس طلبا کی نسبت میں پیسہ

دارتھا کئی بار مجھ سے رقم لیا۔
شہید غریب دینی طلاب اور کالج سٹوڈنٹس کے ساتھ بھی تعاون کرتے تھے۔ مقامی طلاب جمعہ اور جمعرات کو اسی طرح باہر والے طلاب سردیوں کی چھٹی پر گھر جاتے تھے یا ایران قم میں مقیم علما کو واپسی پر مناسب تعاون فرماتے تھے۔

علمائے دین اور دینی طلاب کا احترام اور پاس رکھنا

شہید کی منفرد صفات میں سے مذہبی صنف یعنی روحانیت کا احترام کرنا آپ کے سنت حسنہ اور آثار باقیہ میں سے ہے۔ علاقے کے علما، شیعہ اور اہل سنت کے علما سب کے برابر احترام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شہید کے زمانے میں مقامی شیعہ علما کے مابین کبھی اختلاف نہیں آیا۔ سر پر عمامہ رکھنے والوں کا احترام واجب اور ضروری سمجھتے تھے۔ حتی شریعت مدار کے احترام کے قائل تھے چونکہ عمامہ بہ سر تھے۔ شریعتمدار ایک ایرانی مجتہد تھے۔ نظام جمہوری اسلامی کے خلاف تھے اس کو پھانسی دی گئی تھی۔ شہید ایران اور امام (رح) کے سچے شیدائی تھے اور نظام اسلامی کے ہر قسم کے مخالفین کے مخالف تھے لیکن عمامے والوں کا احترام اپنی جگہ پر تھی۔ طلاب کو کسی خلاف بولنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس وقت شریعت مدار کے خلاف ایک ماحول بنا ہوا تھا۔

ایک دفعہ ابتدائی قیادت کے زمانے میں پاراچنار مدرسہ جعفریہ کے مدرسین اور ہم طلاب سے رخصتی پر روحانیت کے احترام کے حوالے سے یہ جملہ فرمایا: شریعتمدار کا احترام ضروری ہے چونکہ عمامہ بہ سر تھے۔

زمانہ طالبعلمی میں جب پاراچنار کے نواحی گاؤں بوڑکی میں اقامہ نماز وقرآن پڑھاتا تھا طالب علمی کا زمانہ تھا شہید کسی پروگرام کے لئے بوڑکی گاؤں تشریف لائے، میں وہاں مغرب کی نماز کے وقت ہونے کیساتھ اپنے آپ کو مخفی کرنے اور پیچھے رہنے کے چکر میں چھپ رہا تھا مگر شہید نے مجھے آگے نماز باجماعت کیلئے یہ کہتے ہوئے کھڑا کر دیا کہ آپ ہی نماز پڑھائیں گے، نا جانے کیسے وہ نماز پڑھائی اللہ ہی جانتا ہے۔

شہید ہمیشہ علما اور طلاب کی عزت، اجتماعی جایگاہ اور موقعیت کے پاس رکھتے تھے۔ شہید فکری حوالے سے آئندہ نگر اور شخصیت سوزی کے بجائے شخصیت ساز تھے۔

میں جانے اگر آپ کی اجتماعی جایگاہ کا خیال نہ رکھو، کون یہ خیال رکھے گا؟
شہید کے اس عمل نے میرا روشن مستقبل بنایا۔

شہید اور طلاب علموں کو خلوص سے پڑھائی

شہیدؒ قیادت سے پہلے پاراچنار مدرسہ جعفریہ میں دینی علوم پڑھاتے تھے۔ شہید کتابی درس کے علاوہ عملی اور معنوی سبق پڑھاتے تھے۔ یہی خلوص ہے کہ شہید کے دوران والے طلاب اکثر کامیاب اور اعلی سطح کے دروس پڑھ چکے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ابھی 30 سال سے زیادہ عرصہ گذرا ہے اس عرصہ میں علاقے کے دوسرے طلاب کی تعداد اس سطح تک نہ پہنچ سکی۔

قائد شہید طلاب اور علمائے قم کو شدت سے توصیہ فرماتے تھے کہ قم بیٹھ کر درس پڑھیں پاکستان کے کئی ایک مسائل ہیں جن کے حل کے لئے مجتھد کی ضرورت ہے۔ مجھ سے پوچھا کہ کتنا عرصہ کے بعد پاکستان جاؤ گے۔ میں نے بہت جرأت سے جواب دیا چار سال بعد جاؤں گا۔ فرمایا:
یہ عرصہ کم ہے۔ شہید اس مدت پر راضی نہیں ہوئے میں نے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر کے چار سال کے بعد پاکستان میں کسی مدرسہ میں تدریس کے لئے آیا۔
اس وقت شہید کے شاگرد، قم مقدس میں تدریس اور تدرس فقہ، اصولالفقہ، تفسیر قرآن، عرفان اسلامی، جدید فلسفہ، علم کلام، تاریخ اسلامی اور دوسری علوم میں مشغول ہیں۔ شہید کے بعض شاگرد اجتھاد کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں۔ نسل جوان کو تعلیم اور تعلم کے ساتھ ساتھ، تبلیغ دین اور کتابوں کے تالیف اور ترجمہ کرنے میں بھی مشغول ہیں۔ قم المقدسہ سے فارغ جید علماء کرام، علاقہ میں نشر معارف دین اور مؤمنین محترم کی خدمات میں مشغول ہیں۔

سیر وتفریح کا شوق

قائد شہید سیر وتفریح کا شوق رکھتے تھے۔ جس وقت مدرسہ میں استاد تھے چھٹیوں کے وقت کبھی اپنے شاگردوں کو بھی ساتھ سیر وتفریح کے لئے لے جاتے تھے۔ شہید جوانوں کی کشتی گیری کو بہت پسند کرتے تھے۔ چند دفعہ ہمیں پاراچنار کے نواحی گاؤں زیڑان مست میر قاسم بابا لے گئے کبھی پیواڑ لے جاتے تھے۔ دو دو طالب علمون کو آپس میں لڑاتے تھے۔ ہم شرم کی وجہ سے میدان میں نہیں آسکتے تھے، شہید طالب علموں کو میدان کے لئے آمادہ کرتے تھے۔ جب ہم کشتی میں زور لگاتے تھے شہید اس حالت میں مخصوص طریقے سے ہنس پڑتے تھے۔ کشتی میں اگر مدمقابل شکست کھاتا کبھی اس کی حوصلہ شکنی نہیں کرتے بلکہ دونوں کو بار بار شاباش سے حوصلہ بلند کرتے تھے شکست خوردہ کے توجیہ کرتے، مثلا فرماتے:
اس کا پیر پھنس گیا، اس دفعہ تیار نہیں تھا دوسرے نے چالا کی کی وغیرہ، دوبارہ کشتی پر آمادہ کرتے تھے۔ دونوں طرف کے مثبت نکات بیان فرماتے تھے اسی طرح دونوں جوانوں کو اپنے روشن مستقبل کے امیدوار بناتے تھے۔

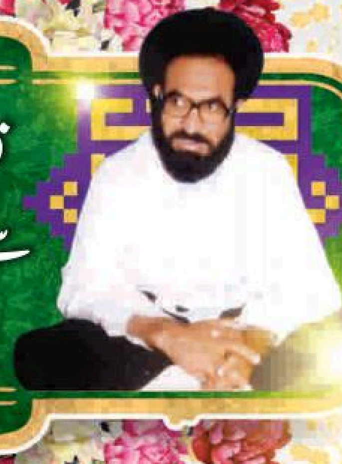

قائد شہید مختلف شخصیات کی نظر میں شہید قائد سے مربوط اسلامی شخصیات، اساتذہ کرام کا شہید کی شخصیت بارے اظہار خیال

حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای دام ظلہ العالی

رہبر انقلاب اسلامی نے فرمایا:

خدا شہید بزرگوار علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ پر رحمت نازل فرمائے جنہوں نے اپنی پوری مجاہدانہ اور شجاعانہ زندگی میں لوگوں کو عالمی استکبار کے مقابلے میں متحد ہونے کی دعوت دی اور اسی وجہ سے استکبار نے خفیہ سازش کے ذریعے اس عظیم شخصیت کو ہم سے چھین لیا۔ ہم شہید کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کیلئے دائر کردہ مقدمہ کی پرزور حمایت کرتے ہیں۔ یہ ملت پاکستان کا حق ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق کی جائے اور معلوم کیا جائے کہ شہید کی شہادت میں کون سے خفیہ ہاتھ اور ان کے ایجنٹ ملوث ہیں۔

(قائد مظلوم کی شہادت کے بعد نماز جمعہ میں خطاب سے اقتباس) سیمینار کے موقع پر صدر ایران حجۃ الاسلام والمسلمین آقائی ہاشمی رفسنجانی کا خصوصی پیغام ایران کے صدر مملکت حجۃ اسلام والمسلمین جناب علی اکبر ہاشمی رفسنجانی کا پیغام ان کے مشیر برائے ثقافتی امور حجۃ الاسلام جناب اژہ ای نے پڑھ کر سنایا۔ پیغام کا متن یہ ہے:۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انقلاب اسلامی نے اپنی زندگی کے ہر لحہ میں شائستہ ترین نمونے، بہترین آئیڈیل دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں تا کہ اپنے خون کی سرخ لکیروں سے آئین حق کی پاسداری اور اسلام ناب کی حفاظت کریں اور دنیا میں ستمگروں کی بالادستی کے خلاف قیام کریں اور اپنی والاترین وعمدہ ترین خواہش کو پالیں اور اپنی اس کوشش وسعی جمیلہ کا صلہ اور فداکاری وجان نثاری کی جزا ذات حق سبحانہ سے حاصل کریں۔ شہید عارف حسین الحسینیؒ غیر وابستہ اور آزاد مفکر تھے اور برصغیر (پاک وہند) میں ایک مجاہد مفکر کی حیثیت سے زندہ رہے اور اپنی پوری زندگی میں عالمی استکبار اور اس کے چیلوں کے مقابلے میں صف آراء رہے۔

وہ فتنہ پرداز نجدی اور تفرقے کو ہوا دینے والے وہابیوں سے لحہ بھر بھی غافل نہیں رہے۔

اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی بیدار مغز اور انتھک رہبری کے سائے میں اسلام کی تجدید حیات، عالمی استکبار کی سرنگونی، ثقافتی استعمار کی نفی اور استعمار کی غلامی سے نجات نے دور حاضر کے تمام مکار اور حیلہ باز ستمگروں کو بوکھلا کے رکھ دیا اور یہ لوگ قینچی کے دو

بازوؤں کی طرح اپنی تمام تر قوتوں کو یکجا کر کے اسلام اور مسلمانوں کی آئے روز کی بڑھتی ہوئی بیداری اور اسلام سے محبت اور مسلم راہنماؤں کی اسلام دوستی و اسلام خواہی کو جس طرح اور جیسے بھی ممکن ہونا کام کرنے پر اتر آئے اور اس راہ میں شہید علامہ عارف حسین الحسینیؒ جیسی علم و عمل میں بے مثال شخصیت کا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کیا۔

اگر چہ پاکستانی قوم اس مبارز عالم دین، عظیم و بلند مرتبہ روحانی شخصیت کے وجود پر فیض سے محروم ہو چکی ہے لیکن اس زہد و تقویٰ کے عملی نمونے اور عالمی کفر کے مقابل ڈٹ جانے والے آئیڈیل کا پاک خون بلا شبہ رنگ لائے گا۔

وہ لوگ جو انقلاب کے پیام کی حقیقت کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں بہت جلد اسیر اقوام کے تلخ انتقام اور اپنی اسلام دشمنی کا مزہ چکھیں گے۔

میں اس موقع کو مفید شمار کرتے ہوئے آپ حضرات کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ لوگوں نے تہران میں یہ سیمینار منعقد کیا۔ مجھے امید ہے کہ یہ اجتماع اس اسلام شناس مرد مجاہد اور امام امت خمینیؒ بت شکن کے پیروکار کے وجود کے تمام پہلوؤں پر زیادہ سے زیادہ آگاہی کا موجب ہوگا اور تمام لوگوں کو علامہ عارف حسین الحسینیؒ شہید کی راہ حق و حقیقت پر چلنے کی ترغیب دلائے گا۔

جناب آیت اللہ مرتضویؒ

(استاد حوزہ علمیہ نجف و مشہد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسول الکریم وعلی الہ الطیبین۔ میرا رابطہ شہید حسینی سے پہلی مرتبہ نجف اشرف میں برقرار ہوا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ رسائل و مکاسب پڑھتے تھے وہ میرے رسائل و مکاسب کے دروس میں شرکت کرتے اور تقریباً تین سال تک یہ سلسلہ جاری رہا وہ ایک فوق العادۃ قوی استعداد رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ اپنے شاگردوں میں سب سے زیادہ مجھے انہی سے محبت تھی اور ان محدود افراد میں سے جو ہماری توجہ کا مرکز تھے اور میں نے تعلیم کے سلسلے ان کے ساتھ بہت زحمت کی ہے۔

اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے جن دنوں ان کی مجھ سے آشنائی ہوئی تھی انہی ایام سے رہبر کبیر انقلاب اسلامی حضرت امام خمینیؒ سے بھی شدید محبت تھی اور عشق رکھتے تھے اور میری معلومات کے مطابق اپنے دروس کے ساتھ ساتھ بعض دیگر طلباء کی تربیت بھی کیا کرتے تھے اور اسلام و مسلمین کی خدمت میں ذرہ برابر دریغ نہ کرتے۔

جناب سید عارف نجف کے چند افراد میں سے تھے وہ تقویٰ اور درسی سرگرمیوں میں ایک نمونہ تھے ان کی استعداد بہت اعلیٰ سطح کی تھی اور وہ صبر و بردباری کے اعتبار سے اگر چہ مالی لحاظ سے فقیر اور تنگ دست تھے لیکن یہ تنگ دستی کبھی بھی ان کی تعلیم میں مانع نہ بن سکی۔

عارف حسینی کو تعلیم سے اتنا لگاؤ تھا کہ اس وقت حسب معمول علماء نجف عام طور پر نجف اشرف سے کربلا معلیٰ کا راستہ پیدل چل کر تین دن میں طے کرتے لیکن سید حسینی اپنے تعلیمی اوقات بچانے کی خاطر یہ فاصلہ ایک دن رات میں طے کرتے تا کہ دوسرے دن واپس آ کر اپنے دروس پڑھ سکیں۔

خلاصہ یہ کہ وہ ایک توانا اور شجاع مرد تھا وہ اسلامی تعلیمات کا معتقد، صبور اور بردبار اور تمام اخلاقی خصوصیات سے متصف انسان تھا۔ میں نے اس سارے عرصے میں ان میں ایک نقص بھی مشاہدہ نہیں کیا۔

سید عارف کی شہادت کا باعث ان کی طرف سے اسلام کا دفاع اور احکام اسلامی کی حفاظت ہے۔ میں ایران ریڈیو کے ذریعے ان کی شہادت سے مطلع ہوا ہوں اس خبر کے سننے کے بعد میں نے اپنے آپ میں مختلف اعتبار سے شدید تاثر کا احساس پایا۔

اوّل یہ کہ اس فقر و محرومیہ کے دور میں اور اس فکری جمود کے دوران کہ

اکثر علماء فکری اعتبار سے پریشان تھے سید عارف نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور لحظہ بھر کے لئے اپنے ہدف سے غافل نہ ہوئے۔

دوم یہ کہ انکی ذہانت اور فراست کے پیش نظر ہمیں یہ امید تھی کہ آئندہ اور زیادہ اسلام اور مسلمان انکی صلاحیتوں سے استفادہ کریں گے لیکن اس شہادت کی خبر نے ہماری یہ آرزو ختم کردی۔

اور یہ کہ اس پہلو سے بھی وہ شجاعت اور توانائی کے ساتھ ساتھ فارسی و عربی جیسی زبانوں پر بھی عبور رکھتے تھے۔ تو ان صفات کا حامل اگر آپ جیسا تقویٰ بھی رکھتا ہو تو اسلام اور مسلمین کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

ان تمام جہات کی پیش نظر میں یہ شہادت سننے کے بعد کئی مرتبہ بے ساختہ رو پڑا اور اب بھی جو انکی خصوصیات اور صفات حسنہ میرے ذہن میں آئی ہیں اور آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں تو اپنے اندر شدید غم کا احساس کر رہا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ پاکستان کے علماء اس عظیم خسارے کی تلافی کریں اور اپنے اندروہی جرأت اور حوصلہ پیدا کریں جو ان میں تھا خصوصاً انکے تقویٰ اور مشکلات میں صبر و بردباری اپنائیں تاکہ انکی جگہ پر کرسکیں۔

سید عارف حسینیؒ ولایت آئمہؑ میں محو تھے وہ ولایت فقیہ کے بھی قائل تھے اور امام خمینیؒ کے سچے اور حقیقی پیرو تھے میں امید کرتا ہوں کہ پاکستان کے علماء کوشش کریں کہ انکی جگہ خالی نہ رہے اور پاکستانی عوام بھی کوشش کریں کہ علماء کو اپنا محور اور مرکز قرار دیں۔ تاکہ انشاء اللہ شہید عارف حسینی کا خون رائیگاں نہ جائے۔

آیۃ اللہ محسن حرم پناہی

(استاد حوزہ علمیہ قم)

جیسا کہ معلوم ہے ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ قرآن کے مطابق اس کی حب اور بغض اللہ کیلئے ہو اسی وجہ سے ہمارے گرانقدر شہید حاج سید عارف حسین حسینی اعلی اللہ مقامہ الشریف سے حقیر کو شدید محبت تھی۔

میں نے انکے ساتھ آشنائی کے ابتدائی ایام سے ہی بھانپ لیا تھا کہ یہ شخص صرف اللہ کیلئے تعلیم حاصل کر رہا ہے اور خدمت اسلام کے لئے مشغول درس ہے۔ ان کے اعمال انکی باطنی طہارت اور اندرونی تقویٰ کے نمایاں گر تھے خلاصہ یہ کہ ان کے اخلاقی فضائل بہت زیادہ تھے میں نے ان میں جو اوصاف مشاہدہ کئے ہیں سب ان کے باطنی تقویٰ اور اسلامی احکام کی پابندی کی حکایت کرتے ہیں لہٰذا یہ کوئی مبالغہ اور تعجب کی بات نہیں ہے کہ میں انہیں اپنے بیٹے کی طرح چاہتا ہوں آپکی ذات کے مختلف پہلو ہیں جہاں تک ابھی مجھے یاد پڑتا ہے کہ علم کلام میں اور دیگر اعتقادی مسائل خصوصاً مسئلہ امامت پر انہیں مکمل عبور تھا۔ اس ضمن میں بعض اعتقادی ابحاث کے دروس خود میرے پاس پڑھتے تھے اور شاید تین سے بھی زیادہ ہم مسئلہ امامت کے بارے میں بحث کرتے رہے اور دیگر احباب بھی شرکت کرتے تھے اگرچہ انکی مقدار بھی زیادہ تھی لیکن سب میں شہید حسینی وہ قوی تر تھے۔ علم کلام کی کتابیں انہوں نے یہاں پڑھی ہیں اور دوسری کلام

ابحاث کو درس خارج میں پڑھا ہے۔

فقہ اصول میں بھی ایک فاضل عالم کی سطح تک تھے کیونکہ درس خارج کی ابحاث مخصوصاً بحث خمس کو مکمل پڑھا تھا اور میں احساس کرتا تھا کہ ان میں مسائل کو تجزیہ و تحلیل کرنے کی قدرت موجود ہے۔

میں نے یہاں تک جان لیا تھا کہ ان کی فقہی اور علم اصول کی معلومات اور ان کی استعداد بہت زیادہ ہے لہٰذا جب انہوں نے پاکستان جانے کا ارادہ کیا تو میں نے ان سے کہا آپ ابھی پاکستان نہ جائیں کیونکہ پاکستانی قوم کے لئے اس وقت کوئی مرجع تقلید نہیں ہے اور اگر آپ چند سال مزید یہاں رکیں تو آپ میں صلاحیت مرجعیت آجائے گی اور یہ مقام آپ کی انتظار میں ہے اور میں احساس کرتا ہوں کہ آپ میں اس کی استعداد بھی ہے۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں احساس ذمہ داری کر رہا ہوں اور اپنا

شرعی فریضہ سمجھتا ہوں کہ یہاں رکوں، تفسیر میں بھی مطالعہ کافی تھا۔ تبلیغ میں بھی کافی فعال تھے اور سطحی مطالعات فراوان رکھتے تھے حجۃ الاسلام والمسلمین طاہری خرم آبادی میں نے پہلی مرتبہ حجۃ الاسلام والمسلمین جناب سید عارف حسین الحسینی سے اس وقت ملاقات کی جب امام خمینی کے نمائندہ کی حیثیت سے پاکستان گیا تھا۔ قائد کی حیثیت سے منتخب ہونے سے پہلے میری پاکستان میں موجودگی کے دوران ہمارے دفتر سے بہت زیادہ ہم کاری کرتے تھے۔ وہ بار بار وہاں تشریف لائے اور ہر مرتبہ پشاور اس کے نواح اور پاراچنار کی مشکلات کا تذکرہ کرتے۔ انکا ہمارے ساتھ بہت قریبی رابطہ تھا اور اسکے علاوہ بھی ادھر ادھر سے بہت سنتے تھے کہ لوگ آپ کی تعریف کرتے ہیں اور انکو امام خمینی اور انقلاب اسلامی کے طرفداروں میں شمار کرتے ہیں۔ حتی کہ پہلی مرتبہ جب میں پاکستان گیا تو ابھی مرحوم مفتی جعفر حسین زندہ تھے تو اسی وقت کئی حضرات نے یہ تجویز پیش کی کہ انہیں یعنی علامہ حسینی کو لاہور لے جائیں اور حضرت امام خمینی کی نمائندگی سے متعلق تمام امور انہیں سونپے جائیں کہ البتہ ہم سے نہ ہوسکا کیونکہ مجھے آنا پڑا اور پھر میں واپس نہ جاسکا۔ قیادت کیلئے بھی آپ متفقہ اراء سے منتخب ہوئے تمام افراد انہیں ایک دیندار انقلابی اور اسلام کے چاہنے والا انسان سمجھتے تھے۔ حتی کہ میں نے بعض نجی محفلوں میں بعض علماء سے سنا ہے کہ وہ انکے تقوی و دیانت داری کی بناء پر انکی تعریف کرتے تھے بناء بریں جس شخص کا ذکر لوگوں اور مسلمان علماء اور دین دار افراد کی زبانوں پر تقوی اور دیانت داری سے کیا جاتا ہو تو یہ اسکی خوبیوں کیلئے کافی ہے۔ بلکہ یہ ایک انسان کیلئے فخر ہے کہ اسے عام لوگ بھی اتنا اچھا کہتے ہیں۔ پاکستانی شیعوں کے قائد منتخب ہونے کے بعد انکی کارکردگی انہی اوصاف کی نمایاں گر تھی جو دوسروں نے انکے بارے میں بیان کئے ہیں ہم شاہد تھے کہ وہ انقلابی امور میں پوری شجاعت اور بے باکی کے ساتھ عمل کرتے اور انکی حمایت بھی کرتے کیا یہ مسائل ایران سے مربوط ہوں یا جنگ سے خواہ آل سعود کے خون آلود ہاتھوں سے مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کا قتل عام ہو۔ خواہ پاکستان کے اندرونی مسائل ہوں۔ اور یہ ہم سب دیکھتے تھے کہ ایک رہبر میں شجاعت اور بے باکی جیسی دیگر جتنی شرائط بھی لازمی ہیں وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں وہ امام خمینی کے سچے پیروکار تھے اور امام سے شدید محبت رکھتے تھے۔ اور کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی بلکہ انکے کردار و عمل سے یہ چیز بخوبی عیاں تھی کہ وہ امام کے وفادار ہیں۔ اور ایسے افراد لا محالہ خطرے سے دوچار ہوتے ہیں۔ کیونکہ دشمن افراد کو متوقف کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً آپ دیکھتے کہ عراق میں آیۃ اللہ صدر کو کسی جرم کے بغیر قتل کر دیا جاتا ہے کیونکہ دشمنوں کو معلوم تھا کہ کل کو یہ عراقی انقلاب کی قیادت سنبھال لیں گے۔ یا ممکن ہے دنیا اسلام میں کوئی اہم قدم اٹھائیں۔ مرحوم سید عارف الحسینی کے بارے میں بھی عالمی استکبار نے یہ بھانپ لیا کہ اگر یہ شخص زندہ رہا تو انقلاب اسلامی کی حمایت اور کفر و استکبار، اسرائیلی صیہونزم اور الحاد و زندقہ کے خلاف برسرپیکار رہے گا اور یہ ایک واضح سی بات تھی۔ لہٰذا مشرقی اور مغربی سامراج نے یہ سوچا کہ اس شخص کو متوقف کیا جائے۔ بلکہ اسے راستے سے بھی ہٹا دیا جائے دوسری طرف سے پاکستان میں آپکے جہاد خصوصاً قیادت کے زمانے میں اور دیگر حوادث و مقامع کے پیش نظر بھی انہوں نے اس جنایہ کا ارتکاب کیا ہے اور عالم اسلام پر یہ کاری ضرب لگائی ہے اور ہم سے خط ولایت کی اس عظیم شخصیت کو ہم سے چھین لیا ہے ہم امید رکھتے ہیں کہ اس کی صحیح اور اسلامی درہ دینی خط اسلام و ولایت فقیہہ جس پر وہ ہمیشہ گامزن رہے انشاء اللہ جاری رہے اور پاکستان کے عوام اور علماء جیسے کہ حضرت امام خمینیؒ نے اپنے پیغام میں ہی فرمایا ہے خالص اسلام محمدیؐ کو بیان کریں اور لوگوں کو اسی راہ پر چلائیں جو انبیاء، اولیاء، آئمہ طاہرینؑ اور سالار شہیدان حسینؑ بن علیؑ کی راہ ہے شہید حسینی اخلاقی اعتبار سے بہت ہی متواضع تھے وہ بہت ہی انکساری سے ملتے، ان میں قوت جاذبہ بہت زیادہ تھی اور خود کو لوگوں کو اپنی طرف جذب کر لیتے تھے اور ایسے ہی دیگر اخلاقی خصوصیات بھی ان میں موجود تھیں آخری سفر میں جب وہ ایران آئے تو چند مرتبہ مجھے ان سے ملنے کا موقع ملا ایک مرتبہ میں ان سے ملنے گیا دوسری مرتبہ وہ تشریف لائے اور ایک مرتبہ ہم نے دن کے کھانے پر انہیں بلایا تو ان تمام ملاقاتوں میں میں نے یہ دیکھا کہ قیادت سے پہلے والی تمام خصوصیات اب قائد بننے کے بعد

بھی ان میں موجود ہیں اور یہ ایک بہت بڑی اخلاقی خصوصیت ہے کہ انسان میں کسی منصب پر پہنچنے سے پہلے اور اس منصب پر پہنچنے کے بعد کوئی فرق نہ آئے۔ سو تمام حالات میں ایک جیسا ہوا ایک دوست نجف میں تھے اور قم مقدسہ میں بھی اور ہم نے ان سے بھی سنا ہے کہ آپ نجف اور قم میں فاضل علماء کے دروس میں شرکت کرتے تھے اور آپکو پاکستانی طلاب کی تربیت سے خاص لگاؤ تھا لیکن افسوس کہ عالمی استکبار نے یہ جنایت اپنے نوکروں کے ذریعے انجام دی ہے پاکستانی قوم بلکہ مسلمین کو اس عظیم انسان کے غم شہادت میں داغدار کر دیا ہے۔

والسلام

طاہری خرم آباد (حوزہ علمیہ قم) حجۃ الاسلام جناب سید محمد باقر الحکیم مدظلہ (عراقی اسلامی انقلابی مجلس اعلیٰ کے سرپرست) میں شہید گرانقدر علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ جو اسلام کے عظیم ستون اور پرچم اسلام کی سربلندی کے لئے جہاد کے عظیم قائد تھے کی شہادت پر آپ کو تمام پاکستانی مسلمانوں کی تعزیت اور تسلیت عرض کرتا ہوں۔ شہید عارف الحسینیؒ پر خدا کی رحمت ہو کہ انہوں نے اسلام اور مستضعفین کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جان بھی قربان کر دی۔ ایسی عظیم شخصیات کے لئے شہادت عظمیٰ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ ان گرانقدر شخصیات کی زندگی ہمیشہ معرض خطر میں ہوتی ہے اور یہ افراد ہمیشہ انسانیت کے دشمنوں کے حملوں کا نشانہ بنتے آئے ہیں کیونکہ انہوں نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ اپنی زندگی اسلام کی راہ میں فدا کریں گے۔ یہ غمناک سانحہ بین الاقوامی استعمار کی سازشوں کا نتیجہ ہے جو صدام جیسے ان کے بد بخت نوکروں کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا ہے یہ غیر انسانی سازش امام خمینیؒ کی قیادت میں چلائی جانے والی اسلامی تحریک دبانے کے لئے سوچی گئی ہے۔ یہ منحوس نقشہ ٹیررزم کے سرغنوں کے ہاتھوں عملی ہوا ہے انہوں نے پہلے حجۃ السلام والمسلمین سید مہدی حکیم کا بہایا ہے اور اب ہم سے یہ عظیم انسان سید عارف حسین حسینی چھین لیا ہے عالمی استکبار اور گماشتے مسلمانوں میں تفرقے کا بیج بونا چاہتے ہیں لہٰذا وہ ایسے مذہبی رہنماؤں کو اپنی سازشوں کا ہدف بناتے ہیں جو مسلمانوں کو اتحاد اسلامی اور مذہبی بیداری کی طرف ہدایت اور ترغیب دلاتے ہیں۔ اس سازش کے پیچھے صدام اور آل سعود جیسے نوکر آب استعماری گماشتوں کا ہاتھ ہے ایسے نازک حالات میں میں پاکستانی محترم بھائیوں کی توجہ ان پر عائد اہم ذمہ داریوں کی طرف مبذول کراتا ہوں سب سے پہلے صبر و بردباری اپنائیں اپنے حلم و ہوش کی بنا پر آپس میں متحد رہیں اور فداکاری و ایثار کے ساتھ زندگی کے سنگلاخ اور پرخطر راستوں کی طے کریں کیونکہ عبودیت و بندگی کا تقاضا یہی ہے اور یقین کر لیں کہ یہ مقدس خون شجر اسلام کی آبیاری میں اہم کردار ادا کرے گا۔ اور پورے دین اسلام کے قائدین وزعما آپ کے ساتھ اور اس دردوغم میں آپ کے برابر کے شریک ہیں

> شہید عارف الحسینیؒ پر خدا کی رحمت ہو کہ انہوں نے اسلام اور مستضعفین کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جان بھی قربان کر دی ایسی عظیم شخصیات کے لئے شہادت عظمیٰ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ ان گرانقدر شخصیات کی زندگی ہمیشہ معرض خطر میں ہوتی ہے اور یہ افراد ہمیشہ انسانیت کے دشمنوں کے حملوں کا نشانہ بنتے آئے ہیں

سید حسن نصر اللہ

(مرکزی رہنما حزب اللہ لبنان کا خطاب)

فکر علامہ شہید عارف حسینی کے موضوع پر علماء کے خطاب میں اس شہید کی فکر و حرکت کے بنیادی نکتے کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ امام رہبر انقلاب کے حق میں شہید کی وفا و اخلاص اور امام میں جذب ہونے کی فکر ہے۔ یہ وہ فکر ہے جو شہید کی تحریک کا معیار ہے۔ یہ اتفاق کی بات نہیں ہے کہ علامہ حسینی عراق، ایران اور لبنان کے بہت سے علماء و شہداء کے ساتھ امام کی قیادت و رہبری سے وفا و اخلاص اور ان کی ذات میں ضم ہو جانے کی خصوصیات میں شریک ہیں۔ لیکن میری نظر میں چونکہ شہید کی فکر کی وہی حدود ہیں جو امام کی فکر کی ہیں، جو افراد کے ان کی ذات میں جذب یا دفع ہونے کا باعث ہوئی ہے۔ یہ علماء کا وہ اخلاص ہے جو استکبار کے مقابلے میں ان کو امام و انقلاب سے دفاع کرنے پر روادار ہے۔

ہماری فکر شہید پر لب کشائی کرنا فکر امام سے محبت کے پیش نظر ہے کیونکہ شہید کی فکر کا سرچشمہ امام ہے۔ شہید عارف حسینی اور دوسرے افراد فکر امام کو رائج کرنے والے ہیں۔ لہٰذا فکر شہید عارف حسینی پر بحث کرنا فکر امام کا بیان کرنا ہے۔ راہ شہید راہ امام ہے۔ یہ راہ اتنی روشن ہے کہ ہمارے لئے اس پر بحث کرنے کی احتیاج نہیں بلکہ انقلاب اسلامی اور اس کی کامیابی ثابت کرتی ہے کہ راہ امام کے علاوہ دوسری تمام راہیں اسلامی عظمت کو پلٹانے میں عاجز ہیں۔

اسلام پسندی کی موج اور ''لبیک یا خمینیؒ'' کی صدائیں اس طرح عروج پر پہنچی ہیں کہ اسرائیل اور امریکہ بے بسی کے عالم میں اسلام کو بہت بڑا خطرہ سمجھنے لگے ہیں۔ واضح رہے کہ وہ رسول اکرمؐ کے حقیقی اسلام کو خطرہ جانتے ہیں نہ کہ امریکی اسلام کو۔ رسول اکرمؐ کا وہ حقیقی اسلام جو کسی کی بالا دستی کو قبول نہیں کرتا اور استعمار ظلم سے پرخاش رکھتا ہے۔ وہ حقیقی اسلام جو قرآنی فرمان کے مطابق ''اشداء علی الکفار ورحماء بینھم'' کا مصداق ہے۔ وہ اسلام ہمارے مدنظر ہے کہ ملل واقوام تو اس کی حامی ہیں لیکن حکومتیں اس کی مدمقابل صف بستہ کھڑی ہوئی ہیں ہم نے امام اور گورباچوف کے مابین باہمی تبادلہ نظر کا مشاہدہ کیا جبکہ تھیچر نے کہا تھا کہ یہ شخص کمیونسٹ آگ میں جا پڑا ہے لیکن گورباچوف نے جو جواب امام کو دیا وہ واضح ہے۔ میں نے شخصی طور پر امام سے، امام کی جانب سے گورباچوف کو دی جانے والی دعوت کے بارے میں سوال کیا تو امام نے فرمایا۔ میں نے اس شخص میں کچھ تبدیلی کا مشاہدہ کیا ہے لہٰذا میں نے احساس کیا ہے کہ اسے دعوت دوں ہم نے امام کے خطابات میں حکومت کے کارندوں اور ان کی حکومتوں کے بارے میں نظریات کو سنا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر حکومتوں کا مسئلہ، مسلمانوں کا مسئلہ فقط قدس نہیں۔ حکومتیں ہیں۔ امام ملتوں کی مشکلات کی طرف متوجہ تھے اور جانتے تھے کہ یہ مشکلات ان پر حکومتوں کی وجہ سے ہیں۔ ان مشکلات کا حل امام مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد کو سمجھتے تھے، اسی لیے تو امام نے ہمیشہ اتحاد کی دعوت دی ہے جبکہ مسلمان اس حقیقت سے بے خبر تھے ہم نے امام کے حقیقی اثرات کو ملتوں اور حکومتوں پر مختلف انداز میں دیکھا۔ آج ہم سوچنے پر مجبور ہیں کہ بش اور متران کیونکہ عید الفطر پر اپنے اپنے ملک کے مسلمانوں کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو دعوت فکر ہے کہ جو قوت ان میں پیدا ہوئی ہے اس کا احساس کریں۔ بہرصورت عارف حسین الحسینیؒ فکر امام سے متاثر ہونے والے افراد میں سے ایک منفرد قسم کے فرد ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ان کے کلام وسخن کی تاثیر کو سمجھیں۔ اسلام کیا ہے؟ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ انہوں نے اس حقیقت کو پا لیا تھا۔ وہ مسلمانوں کی مشکلات سے آشنا تھے اسی لئے تو انہوں نے ابتدا ہی سے حوزہ علمیہ میں اسلام حقیقی کو چنا ان کی تاثیر ایک محدود منطقے میں نہ تھی بلکہ دنیا کے مستضعفین کے بیشتر مناطق میں ان کی تاثیر کا سایہ پھیل چکا تھا۔ محروموں کے حق میں ان کے درد وغم کو ان کے منشور ''ہماری راہ'' میں لمس کر سکتے ہیں۔ اسی حقیقت کے پیش نظر تو امام خمینی نے فرمایا: وہ امام حسینؑ کے حقیقی فرزند ہیں۔

وہ فرماتے تھے۔ ہم ظالم کے دشمن ہیں۔ اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے وجود کا ظرف کتنا وسیع تھا۔ انہوں نے تمام مسلمانوں خصوصاً پاکستان کے مسلمانوں کے مابین اتحاد کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ وہ امریکی سازشوں کے خاتمے کیلئے عملی طور پر حصہ لیتے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ امریکہ اور سعودی عرب کے خلاف ایک جلسے میں شرکت کرنے ہی والے تھے کہ اس سے پہلے ان کو شہید کر دیا گیا۔ ان کی شہادت کی خبر نے ان کے دوستوں کی کمر توڑ دی۔ ان کی شہادت استکبار سے پیکار کے باعث تھی۔

ہمیں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کہ علامہ عارف حسین جیسے افراد کے قتل پر دشمن تو شاد ہوں لیکن ان کے دوست حتیٰ غم کے عالم میں اپنے دشمنوں کو شیعہ سنی اختلاف جیسے مقاصد تک نہ پہنچنے دیں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ سعودی عرب کو خادم الحرمین کا طعنہ اور مصر کو اہرام ثلاثہ کا مالک ہونے کا طعنہ دیتے ہیں، جو قوم پرستی کو زندہ کرنے کی علامتیں ہیں اور فکر اسلامی کو نابود کرنے کے آثار، کیونکہ شہید ہمیشہ اتحاد کیلئے کوشاں تھے۔ ان بتوں، وہابیوں اور بعثیوں کے مقابلے میں فیصلہ کن پیکار کے نظریئے پر عمل پیرا تھے۔ وہ ہمیشہ انقلاب اسلامی کے پشت پناہ تھے جب عالمی استکبار نے دیکھا کہ ان کے افکار کو ختم نہیں کیا جا سکتا تو ان کی شہادت میں اپنے ہاتھ رنگ لیے کیونکہ

اسے خوف تھا کہ ایسا نہ ہو کہ حسینی پاکستان میں دوسرا خمینی بن کر سامنے آئے۔مطہری وبہشتی کی طرح حسینی کا قتل ایک شخص کا قتل نہ تھا۔دشمن نے اپنے خیال خام کے پیش نظر چاہا کہ اس کے تفکر کو مٹادے۔صحیح ہے کہ ان کے وجود کو سامنے سے ہٹا دیا لیکن ان کے افکار کو قلع قمع نہ کیا جا سکا۔ہم یہاں پر اس لیے اکٹھے ہوئے ہیں کہ ان کی یاد یعنی ان کے افکار کو زندہ کریں اور امام کے پیغام کی روشنی میں ان کی عظمت اور ان کے وجود کے ظرف کی وسعتوں کا اندازہ کریں۔ہم نے امام کے پیغام کے تاثرات سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:-

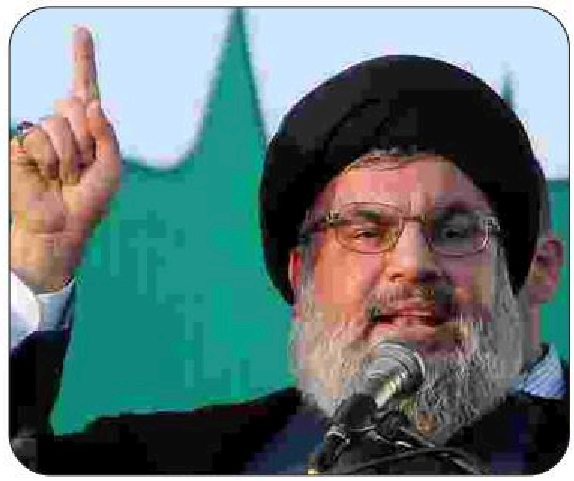

ا۔انقلاب اسلامی کا مرکز محکم وغیر متزلزل ہے۔

۲۔دشمنوں نے ادراک کرلیا ہے کہ اسلام اپنے اندر قدرت وتوانائی رکھتا ہے ہمیں امید ہے کہ ہم ان کے پیرو کہلوانے کے حقدار بن سکیں گے۔جس طرح ہم نے ان کی زندگی مین ان کے وجود کی وسعتوں کا ملاحظہ کیا ہے۔ان کی شہادت کے بعد بھی ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ملت پاکستان کے عظیم اجتماعات سے ہم نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ وہ ملت ان کی عاشق تھی وہ فرماتے تھے۔ہم ظالم کے دشمن ہیں۔اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے وجود کا ظرف کتنا وسیع تھا۔انہوں نے تمام مسلمانوں خصوصاً پاکستان کے مسلمانوں کے مابین اتحاد کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔وہ امریکی سازشوں کے خاتمے کیلئے عملی طور پر حصہ لیتے تھے۔ہم نے دیکھا کہ وہ امریکہ اور سعودی عرب کے خلاف ایک جلسے میں شرکت کرنے ہی والے تھے کہ اس سے پہلے ان کو

اسے خوف تھا کہ ایسا نہ ہو کہ حسینی پاکستان میں دوسرا خمینی بن کر سامنے آئے مطہری وبہشتی کی طرح حسینی کا قتل ایک شخص کا قتل نہ تھا دشمن نے اپنے خیال خام کے پیش نظر چاہا کہ اس کے تفکر کو مٹادے۔صحیح ہے کہ ان کے وجود کو سامنے سے ہٹا دیا لیکن ان کے افکار کو قلع قمع نہ کیا جا سکا ہم یہاں پر اس لیے اکٹھے ہوئے ہیں کہ ان کی یاد یعنی ان کے افکار کو زندہ کریں اور امام کے پیغام کی روشنی میں ان کی عظمت اور ان کے وجود کے ظرف کی وسعتوں کا اندازہ کریں

شہید کر دیا گیا۔ان کی شہادت کی خبر نے ان کے دوستوں کی کمر توڑ دی۔ان کی شہادت استکبار سے پیکار کے باعث تھی۔ہمیں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کہ علامہ عارف حسین جیسے افراد کے قتل پر دشمن تو شاد ہوں لیکن ان کے دوست حتی غم کے عالم میں اپنے دشمنوں کو شیعہ سنی اختلاف جیسے مقاصد تک نہ پہنچنے دیں۔ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ سعودی عرب کو خادم الحرمین کا طعنہ اور مصر کو اہرام ثلاثہ کا مالک ہونے کا طعنہ دیتے ہیں، جو قوم پرستی کو زندہ کرنے کی علامتیں ہیں اور فکر اسلامی کو نابود کرنے کے آثار، کیونکہ شہید ہمیشہ اتحاد کیلئے کوشاں تھے۔ان بتوں، وہابیوں اور بعثیوں کے مقابلے میں فیصلہ کن پیکار کے نظریئے پر عمل پیرا تھے۔وہ ہمیشہ انقلاب اسلامی کے پشت پناہ تھے۔جب عالمی استکبار نے دیکھا کہ ان کے افکار کو ختم نہیں کیا جا سکتا تو ان کی شہادت میں اپنے ہاتھ رنگ لیے کیونکہ اسے خوف تھا کہ ایسا نہ ہو کہ حسینی پاکستان میں دوسرا خمینی بن کر سامنے آئے۔مطہری وبہشتی کی طرح حسینی کا قتل ایک شخص کا قتل نہ تھا۔دشمن نے اپنے خیال خام کے پیش نظر چاہا کہ اس کے تفکر کو مٹادے۔صحیح ہے کہ ان کے وجود کو سامنے سے ہٹا دیا لیکن ان کے افکار کو قلع قمع نہ کیا جا سکا۔

☆☆☆☆☆

قائد محبوب کی شہادت
کے اسباب کا اجمالی جائزہ

علی وجدان

عالمی کفر اور مغرب کی تہذیب جدید (جس میں سرمایہ داری اور اشترا کی دونوں نظام ہائے حیات شامل ہیں) کو مسلمہ برتری حاصل ہو جانے کے بعد مسلسل اور نہ ٹل سکنے والے خطرات کا اس طرح کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا تھا جس طرح رواں دہائی کی ابتداء سے تحریک انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے نتیجے میں کرنا پڑ رہا ہے۔ انقلاب اسلامی نے عالمی کفر اور مغرب کی تہذیب جدید کے ناقابل تسخیر ہونے کے طلسم کو زیر و بر کر کے رکھ دیا اور دنیا ھر کے کچلے ہوئے اور محروم لوگوں میں عمومی بیداری کی روش عام ہوئی جس سے باطل قوتوں کی نیند مسلسل اچاٹ ہو کر رہ گئی تو سوال پیدا ہوا کہ شہنشاہ کی جبروتی اور بے پناہ وسائل سے مالا سلطنت کی قوت کو پامال کرنے والے عوامل کا جائزہ لیا جائے۔ تمام تر زنجیروں کی روشنی میں دو عوامل سامنے آئے جن کی بدولت تحریک انقلاب اسلامی کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ اولاً اسلام کی نظریاتی اساس، قرآن وسنت کی اقدار کا گہرا، بڑھتا اور پھیلتا ہوا شعور جو عوام کو ناقابل شکست بنانے کا عامل بنا۔ ثانیاً بزرگ و برتر اور اوج کمال پر پہنچی ہوئی غیر متزلزل عزم و یقین رکھنے والی اسلامی انقلاب کی داعی شخصیت جنھوں نے مسلسل قربانیاں کی مثالیں پیش کیں اور عوام کے ایمان و عمل کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔

عالمی کفر اور مغرب کی تہذہب جدید کے محافظ خوب اچھی طرح اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ نہ تو اسلام کی محکم نظریاتی اساس کا متبادل ان کے پاس ہے اور نہ یہ اسلامی شخصیات ان کے دجل وفریب میں آنے والی ہیں تو پھر کیا کیا جائے؟ اس سوال پر خوب غور کیا گیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کا حل اسی راستے سے کرنا چاہیئے۔ جس پر مسلم معاشروں کی داخلی طاغوتی قوتیں صدیوں حق اور اہل حق کو دباتی رہی ہیں۔ عالمی کفر نے ایک بار پھر اسی راہ کو انتخاب کیا اور مسلم معاشروں کے منحرفین اور منافقین سے روابط نئے تقاضوں کے مطابق استوار کیے اور دونوں محاذوں یعنی تحریف افکار و نظریات اور اسلامی شخصیات کا اغوا یا قتل۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ ایران جہاں سے عالمی کفر اور مغرب کی تہذیب جدید کی شکست کا آغاز ہوا تھا وہیں سے اس مکروہ منصوبے پر عمل شروع کیا گیا۔ جو لوگ علمائے ایران کی صدیوں کی محنت و کاوش کی حقیت سے آگاہ ہیں انہیں اس میں شک نہیں ہوگا کہ ملت ایران نے نظریاتی عزم و یقین اور قرآن وسنت کی اقدار سے جس حد تک تمسک پیدا کر لیا ہے تو اس منزل پر افکار میں خلجان پیدا کرنا کوئی سادہ کام نہیں ہے بلکہ بعض حوالوں سے ناممکن بھی ہے عاں عالمی کفر کی دوسری کاوش کو خوب گل کھلانے کا موقع ملا اور سینکڑوں جید علمائے اسلام جن کی پاکبازی اور تقویٰ کا پورا معاشرہ گواہ ہے عالمی کفر کے دست ستم کا شکار ہو گئے۔ آیت اللہ

مطہری، آیت اللہ اشرافی، ڈاکٹر جواد باہنر، محمد علی رجائی اور لاتعداد دوسرے علماء اور متعہد فرزندان توحید رضوان اللہ علیہم اجمعین عالمی کفر کے ہاتھوں ظلم واستبداد کا شکار ہو گئے۔ مگر اسلامی انقلاب اپنی وہ منزل پا چکا ہے جہاں سے اس کو منحرف کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

عراق میں خانوادہ آیت اللہ حکیمؒ کی لاتعداد بزرگ شخصیات سمیت آیت اللہ سید باقر الصدر شہید رضوان اللہ علیہ اور ان کی مظلومہ بہن سیدہ بنت الہدیٰ کی شہادت اور امام موسیٰ صدر کی پراسرار گمشدگی عراق اور لبنان میں تحریک انقلاب اسلامی کو حقیقی راستے سے منحرف کرنے کی کوششیں ہیں۔

اور اس طرح چند ماہ قبل سوڈان کے دارالحکومت میں حجۃ الاسلام والمسلمین سید مہدی الحکیم کی شہادت بھی اس سلسلے کی کڑی ہے۔ دوسرے مسلمان ملکوں میں بھی اسلامی انقلاب کی تحریکیں اپنی ارتقائی منازل طے کر رہی ہیں جن میں پاکستان بھی شامل ہے ہر چند کہ اس حوالے سے پاکستان میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی ہیں پھر بھی مکار دشمن بے خبر نہیں ہے۔ مسلمان عوام سادہ لوحی پر آمادہ رہیں تو رہیں دشمن خوب جانتا ہے کہ اسے کہاں سے خطرہ درپیش ہے۔ تحریک اسلامی یا مختلف حوالوں سے مذہبی کام کرنے والے بہت سے گروہ استعمار کے خود کاشتہ پودے ہیں جو حقیقی تحریک انقلاب اسلامی کے بارے میں استعماری منصوبوں کی تکمیل کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ اور اس حوالے سے امریکی، روسی، اسرائیلی ظلم وستم کے قابل ہاتھ ایک بار پھر منافقین اور استعماری غلاموں کی آستینوں سے برآمد ہوئے اور سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے عظیم المرتبت فرزند، بطل حریت، مجاہد اسلام، نمائندہ ولی فقیہ حضرت علامہ سید عارف حسین الحسینی کو فجر دم وقت کے کسی ابن ملجم نے لہو میں نہلا دیا۔ شہید الحسینی رضوان اللہ علیہ کی شہادت کی خبر پھیلتے ہی پاکستان، عالم اسلام اور دنیا بھر میں قرآن وسنت پر مبنی معاشروں کے لیے جدوجہد کرنے والے حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ (پاکستان میں اسلام کی حقیقی اقدار اور قرآن وسنت پر مبنی معاشرے کی تشکیل کے لیے جدوجہد کرنے والی کوئی شخصیت شہید علامہ عارف حسین الحسینیؒ سے زیادہ فعال نہ تھی۔ آپ کی یہی فعالیت آپ کی شہادت کا سبب بنی۔

ہر چند کہ مسلمان معاشروں میں پیدا ہونے والے شخصیات اپنی ذلیل عرفیت کے ہمراہ پیدا ہوتی ہیں پھر بھی حق سبحانہ تعالیٰ کا ان افراد فریدہ پر خصوصی انعام ہے جو اپنی ذیلی شناختوں سے بلند ہو کر سوچتے اور عمل کرتے ہیں۔ حضرت علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ رضوان اللہ علیہ کا شمار بھی ایسے ہی داعیان اتحاد امت اسلامی میں ہوتا ہے یہ ایک ایسی ظاہر حقیقت ہے جس سے ان کے دشمنوں تک کو بھی مجال انکار نہیں انہوں نے ملت جعفریہ کے آئینی اور قانونی حقوق کے اصول کے لیے انتھک جدوجہد کی ہے اور اسی کے ساتھ وہ مسلمانوں کے معتدل اور غیر متعصب گروہوں کے ساتھ سیاسی و اجتماعی ہم آہنگی اور عالمی کفر کی سازشوں کو ناکارہ بنانے کی کاوشوں میں زندگی کے آخری لمحے تک غافل نہ تھے وہ امام خمینیؒ کی رہبری میں امت اسلامی کو ایک لڑی میں پرو کر مسلمانوں کی اجتماعی قوتوں کو یکجا کر کے سامراجی منصوبوں کو ناکارہ بنانا چاہتے تھے) شہید بلاشبہ مکتب جعفریہ کے ہونہار فرزند اور اپنے پاک و پاکیزہ شجرہ مبارکہ کی تاریخی روایتوں کے امانت دار تھے وہ نام کی ہی کام کے بھی حسینی ثابت ہوئے ان کا سر زندگی کے آخری سانس تک بھی کسی یزید کی چوکھٹ پر نہیں جھکا۔ اللہ کے لیے دوستی اور اللہ کے لیے دشمنی اسی الٰہی معیار صداقت اور معیار عمل کو زندگی کے آخری سانس تک نبھایا اور راہ الٰہی میں اپنے پاک و پاکیزہ خون کا نذرانہ پیش کر کے شہادت کا سرخ لباس زیب تن کر کے سرخرو ہوئے۔ کمینے دشمنوں نے ایک بار پھر دھوکہ کھایا ہے وہ اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں کہ شہید الحسینی رضوان اللہ علیہ کی پرثمر زندگی سے بڑھ کر ان کی شہادت کے اثرات تحریک انقلاب اسلامی پر مرتب ہوں گے۔ عالمی سامراجیت، منافقین اور استعماری غلاموں کی ہر سازش کا پہلے سے بھی زیادہ جم کر مقابلہ کیا جائے گا۔ شہید اپنے خون کے پیغام کے ہمراہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

(شہادت کے چند روز بعد لکھا گیا اور ہفت روزہ رضا کار لاہور محرم الحرام نمبر ۱۴۰۹ھ میں شائع ہوا)

گوھر نایاب

قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی

ارشاد حسین ناصر

یہ دنیا انسانوں سے بھری پڑی ہے، اور قبرستانوں میں بھی آسودہ ءخاک ہوئے انسانوں کی تعداد کا کچھ حساب نہیں، اس بے حساب دنیا میں کتنے ہیں جنہیں تاریخ نے یاد رکھا ہے، کتنے ہیں جن کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہوا، کتنے ہیں جن کے آثار و نام ان کے چلے جانے، خاک میں دفن ہونے کے بعد بھی نمایاں ہیں، میرا خیال ہے کہ ایسے مر کے زندہ رہنے والوں کی گنتی ممکن ہے، ان میں انبیاء ہیں، اوصیاء ہیں، اولیاء ہیں، علم و ہنر، سوشل ورک، عوامی خدمت گار، سیاستمدار، مذہبی رہنما، الغرض زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے خزینوں کے نام ہیں، ہم نے اپنی زندگیوں میں کتنے ہی ایسے گوہروں کو گم کر دیا، کتنے ہی یہ نایاب اور کمیاب گوہر ہم سے گم ہو گئے، کتنے ہیں جن سے ہمیں قربت رہی اور اب ہماری نظروں سے اوجھل ہیں،، قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی رح بھی ایک ایسے ہی گوہر نایاب وگمشدہ ہیں جنہیں ہم نے چونتیس برس پہلے کھو دیا تھا، ہم نے انہیں گم کر دیا تھا، ہم نے اتنی قیمتی چیز کی حفاظت نہیں کی تو یہ ہم سے گم ہو گئی، قائد شہید ان خاصان خدا میں شامل ہیں جنہیں ان کا خلوص، ان کا تقوی، ان کی للّٰہیت، ان کی استقامت، ان کی جرءات، ان کی شجاعت، ان کی دینداری، ان کی اسلام حقیقی سے محبت، ان کا بانئ اسلامی انقلاب سے گہرا عشق قرب خداوند کریم، اور خاصان خدا میں شامل کرنے کا باعث تھا، ایسے خاصان خدا، برگزیدہ وچنیدہ انسان، ایسے نایاب گوہر، ایسے گم کردہ ہیرے صدیوں بعد ہی سہی اس دنیا کی غلاضتوں، کثافتوں اور خرابیوں کو کم کرنے اور الہی اقدار کو تقویت بخشنے کیلئے سامنے آتے رہتے ہیں، شہید قائد ایسے ہی ایک انسان تھے جو ہماری آنکھوں کے سامنے رہے، جنہیں ہم نے دیکھا، ان سے مستفید ہوئے، انکی صحبت و محفل میں وقت گذارا اور ان کی پھیلائی خوشبو سے فیض یاب ہوئے، اس خوشبو جس کا اثر آج چونتیس برس گذر جانے کے بعد بھی ہم بدرجہ اتم محسوس کر سکتے ہیں، ایسے مہکتے، خوشبو بکھیرتے، اپنی کشش اور سحر میں جکڑتے انسانوں کی موجودگی کے باوجود انہیں تلاش کرنا انکی خوشبو پانا ہر ایک کے نصیب میں نہیں ہوتا، یہ لوگ بعض اوقات صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں یہ نصیب کی بات ہوتی ہے کہ بندہ ان کا قرب پا سکے، بقول شاعر

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدآور پیدا

گھٹا ٹوپ اندھیروں اور گہری تاریکیوں میں روشن اور چمکتے ماہتاب کی مانند یہ بندگان خدا جب کسی قوم کو مل جاتے ہیں تو ان کی تقدیر بدل دیتے ہیں، یہ اگر کسی پر اپنے نور کا سایہ کر دیں تو اس سماج اور معاشرے سے تاریکی و جہالت کا خاتمہ کر دیتے ہیں قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی ایک ایسی ہی شخصیت کے مالک تھے ان کی کرشماتی شخصیت کا اندازہ ان لوگوں کو بخوبی ہے جنہوں نے ان کا قرب پایا، ان سے درس وتدریس حاصل کیا، ان کے علمی وعرفانی فیوض وبرکات سے لطف

اندوز ہوئے اوران کی محفلوں میں شریک رہے، وہ یقیناً محبوبان خدا میں سے تھے ان کی یہ خوبی اس وجہ سے نا تھی کہ وہ قائد ملت تھے بلکہ وہ خدا کے نزدیک محبوب ترین انسان تھے کیونکہ جو مخلوق کا محبوب ہوتا ہے وہ خدا کا بھی محبوب ہوتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے چہرے کو دیکھ کر خدا کی یاد آتی تھی اور وہ اس حدیث کا بامعنی واقعی مصداق تھے۔ جس کے مطابق کسی نے حضرت عیسی علیہ السلام سے پوچھا ہم کس کے ساتھ معاشرت رکھیں اور اٹھیں بیٹھیں تو آپ نے فرمایا: اس شخص کے ساتھ کہ جب اسے دیکھو تو وہ تمہیں خدا کی یاد دلائے، جب اس سے بات کرو تو وہ تمہارے علم میں اضافہ کرے اور اس کا عمل تمہیں آخرت کی طرف راغب کر دے، شہید قائد کا یہی خاصہ تھا کہ انہوں نے ایک عام انسان سے لیکر اپنے قرب میں رہنے والے بڑے بڑے لوگوں پہ ایسا اثر ڈالا کہ وہ اپنی بزرگی کو بھول گئے اور انہیں اپنے سر کا تاج بنالیا، اپنی روحانیت اور تقویٰ کو بھول گئے اور شہید قائد کو اپنا رہبر ورہنما مان لیا، اپنا مرشد بنالیا، یہ اگرچہ ان بزرگان کی بڑائی بھی ہے مگر اس سے یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ شہید اسی مقام کے حق دار تھے، ان کو یہ زیبا تھا، انہیں یہ جچتا تھا، وہ ان توقعات پہ صد در صد پورا اترتے تھے، اسیطرح ان کے ساتھ ایک عام مربوط چاہے ان کی حفاظت پہ مامور ضامن حسین ہو یا باورچی عبد اللہ مرحوم، ان کے دفتر میں کام کرنے والے، محبت علی حیدری، امجد علی کاظمی ایڈووکیٹ ہوں یا ان کی صحبت میں وقت گذارنے والے یعقوب علی رازی، مظفر علی اخونزادہ، محمد علی کاظمی، مشرف حسینی، برکت بھائی، یا ان کی گاڑی کے ڈرائیور عباس غلام، آپ ان میں سے کسی کیساتھ ملاقات کریں، شہید کی داستان حیات، ان کے چشم دید واقعات، سفر کے حالات، ان کے ساتھ تعلق، شہید کا سلوک، انکی مشکلات ومسائل میں شہید کا انداز محبت ولطف، ان کیساتھ گذرے اوقات کی یادوں کی پٹاری کھولیں، گریہ وماتم برپا ہو جاتا ہے، ایسے ایسے واقعات سننے کو ملتے ہیں کہ جن کو ہم فقط خاصان خدا اور فرستادہ پروردگار کے بارے سنتے اور پڑھتے ہیں۔

قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی کی ابتدائی زندگی جو پاراچنار میں گذری اس کے بارے ان کے بچپن کے رفقاء سے پوچھیں تو ان کے زہد وتقویٰ کے معترف نظر آتے ہیں، اگر پاراچنار سے نجف کا زمانہ جب آپ دین کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے وہاں 1967ء میں تشریف لے گئے اس دور کے ساتھیوں سے احوال پوچھیں تو ان کا بھی یہ کہنا ہے کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی ایک خالص عبد خدا اور دین کی تعلیم میں گہری دلچسپی کے ساتھ اس دور میں جب امام خمینی ایران سے جلا وطن ہو کر عراق تشریف لے گئے تھے ان کی انقلابی تحریک کا حصہ ہوتے تھے اور اکثر و بیشتر نماز امام خمینی کی اقتدا میں ادا کرتے، انہیں امام خمینی کی ذات سے جنوں کی حد تک عشق ہو گیا تھا جسے وہ کسی بھی طرح چھپا نہ سکتے تھے حالانکہ عراق میں وہ ایک عام طالب علم تھے جو اپنے ہی کئی مسائل سے دو چار رہتے ہیں اور جبر کے اس دور میں تو اس قسم کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے باعث ملک بدر بھی ہو سکتے تھے مگر آپ نے اس کی پرواہ نہ کی، شہید قائد کے بارے نجف کے رفقاء بتاتے ہیں کہ امام حسینؑ سے بہت ہی خصوصی لگاؤ تھا وہ ہر جمعرات کو نجف سے کربلا پیادہ روی کرتے تھے نا صرف خود پیادہ روی (مشی) کرتے بلکہ احباب کو بھی لے جاتے اور راستے میں ان کی خدمت کرتے۔

قم میں دینی علوم کے حصول کیلئے ہمسگر مدرسہ والے احباب بھی ایسی ہی گواہیاں دیتے ہیں ہاں قم میں چونکہ انقلاب کی تحریک زوروں پہ تھی لہذا انقلابی سرگرمیوں میں بھی بہت بڑھ چڑھ کے حصہ لیتے تھے اور بلا خوف وتردد امام خمینی کی تحریک انقلاب کا حصہ رہے، البتہ قم و نجف میں دینی علوم حاصل کرنے کے بعد وہ جب پاکستان تشریف لائے تو ان کے پاس امام خمینی کا وکالت نامہ ونمائندگی کا خصوصی خط تھا جسے بارڈر حکام نے پکڑ بھی لیا۔ جب آپ قم و نجف سے اعلی دینی تعلیم حاصل کر کے واپس پہنچے تو اپنے آبائی علاقہ یعنی پاراچنار میں تدریسی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے پاراچنار

کے دینی مدرسہ جامعہ جعفریہ جہاں سے آپ نے ابتدائی تعلیم بھی حاصل کی تھی میں چند سو روپوں پر استاذ مقرر ہوئے، بطور استاد مدرسہ ان کی تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں میں ان کے شاگرد رہنے والے آج علماٗ کہلاتے ہیں ان کے سامنے بھی شہید کی زندگی کا دفتر کھولیں تو یادداشتوں اور مہربانیوں کا ایک ختم نا ہونے والا سلسلہ سامنے آجاتا ہے، ان کے کردار و عمل کے گہرے اثرات شہید کے شاگردان پہ دیکھے جاسکتے ہیں، ان سے سنے جاسکتے ہیں جامعہ جعفریہ میں بطور استاد ہی آپ نے اجتماعی و قومی سرگرمیوں کا آغاز کیا کرم ایجنسی کے مسائل کیلئے آپ نے زبردست تحرک کیا جس میں گرفتاری بھی ہوئی، ہم دیکھتے ہیں کہ قومیات میں آپ نے ہمیشہ آگے بڑھ کے اپنا کردار ادا کیا، آپ ان کو مفتی جعفر حسین کی تحریک میں بھی کردار ادا کرتا دیکھ سکتے ہیں وہ 80ء کے اسلام آباد معرکے میں پاراچنار سے ایک بھاری وفد کے ساتھ شریک تھے ان کے ساتھ قبائلیوں کی بڑی تعداد آئی تھی جو اپنی قیادت کا ہر حکم ماننے کیلئے بیتاب تھی، بعد ازاں قائد ملت علامہ مفتی جعفر حسین قبلہ کی 29 اگست 1983 کو وفات کے بعد 10 فروری 1984ء کو بھکر کی سرزمین پہ بزرگ علماء کی موجودگی میں ؛ قائد ملت جعفریہ؛ منتخب کر لیا گیا، جس کے بعد ملت کی تقدیر اور ترقی و تعمیر کا ایک نیا سفر شروع ہوا۔

بلاشبہ قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی (رح) عطیہ خداوند کریم تھے وہ ایک نعمت الہیہ تھے، ان کا رخ انور دیکھنے والے اس بات کی گواہی دینگے کہ وہ اتنا پرنور چہرہ تھا کہ جس کو دیکھنے سے دل کو سکون ملتا تھا، وہ جہاں بھی جاتے اپنی محبت اور چاہت کی فصل کاشت کرآتے، یہی کاشت کی ہوئی فصل کا ثمر ہے کہ آج چونتیس برس بعد انہیں یاد کر کے ہم سب تڑپتے ہیں، ہم نے تو خیر انہیں دیکھا ہے، ان کی قربت کا لطف اٹھایا ہے، ان کو سنا ہے، ان کو دیکھا ہے جو ان کی شہادت کے بعد پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے انکی مسحور کن صدا فقط کسی ویڈیو کلپ میں سنی ہے، جنہوں نے ان کی زندگی کو تسلیم بھائی کی کتاب سفیر نور سے پڑھا ہے، جنہوں نے ان کی برسی کے کسی اجتماع یا سیمینار میں کسی رفیق شہید سے کچھ قصے اور واقعات سنے ہیں ان کی یہ حالت کہ ہر دم، ہر وقت ان سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، ان کی یادوں کے چراغ جلاتے ہیں جن کی لو کو کم نہیں ہونے دیتے۔

شہید قائد نے تقریبا ساڑھے چار سال (10 فروری 1984 سے 5 اگست 1988) کا مختصر عرصہ ملت جعفریہ کی قیادت و سیادت میں گذارا ہے، مگر آج 34 برس ہوگئے ہم ان سے اسی شدت وجذبہ سے تعلق رکھتے ہیں جیسے ان کی زندگی میں تھے، ہم ان کا احساس اسی طرح رکھتے ہیں جیسے ان کی موجودگی میں کرتے تھے، ہم جانتے ہیں کہ وہ ہمیں اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے زندگی میں دیکھتے تھے، ان کی نورانی ومعنوی شخصیت کا سحر ان کے مرقد پر حاضری دینے والوں کو معلوم ہے، شہید کے بارے اللہ کی پاک کتاب میں ارشاد ہے کہ وہ زندہ ہے اور اپنے خدا سے رزق پاتا ہے ہاں تم اس کا شعور نہیں رکھتے ہم سب جانتے ہیں کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی بھی مظلومانہ شہید ہوئے عالمی استعمار نے ان کی زندگی کا مقابلہ نہ کر سکنے کے بعد ہار مانتے ہوئے انہیں گولی سے وار کر کے سینہ چھلنی کرتے ہوئے شہادت سے سرفراز کیا، اس فرزند خمینی علامہ عارف حسین الحسینی نے فرمایا تھا کہ امام خمینی کے ذریعے دنیا پر حق کی حجت اتمام ہوچکی ہے، میں تیار ہوں کہ اپنا جان، مال، اولاد ان پہ قربان کردوں مگر ولایت فقیہ سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹوں اور امام خمینی نے شہید کے چہلم کی مناسبت سے جو پیغام دیا اس میں برملا فرمایا کہ وہ فرزند راستین سید الشہداء تھے، یہ کوئی معمولی آدمی کی عامیانہ بات نہیں جسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جائیں یہ اس شخصیت کی بات ہے جو اپنے وقت میں حجت رکھتے تھے، جو نائب امام

العصر تھے، جن کے بارے شہید نے فرمایا کہ اگر امام خمینی دن کو کہیں کہ رات ہے تو ہم رات کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کا دھوکہ ہوگا اور اگر رات ہو اور امام کہیں کہ دن ہے تب ہم کہیں گے کہ ہاں دن ہے۔۔۔! پیواڑ کے پہاڑوں سے طلوع ہونے والے اس درخشاں ماہتاب کے بارے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہم سب کا چیین تھا، وہ ہم سب کا قائد تھا، وہ ہم سب کا سایہ شجر دار تھا، ہمیں اس سے محبت تھی وہ ہمارا جنون تھا، وہ ہمارا رہبر و رہنما تھا، وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک تھا، وہ ہماری مرضوں کا دوا تھا، وہ ہمارے دردوں کا آشنا تھا، وہ ہمارے دلوں کا راز داں تھا، وہ عارف حق شناس تھا، وہ سید و سردار تھا، وہ فرزند راستین سید الشہداء تھا، اسے بھول جانا ممکن نہیں، اس کے چھوڑے ہوئے نقوش حیات ہمارے لیئے رہنمائی کا ایسا ذریعہ ہیں جن پر چلتے ہوئے ہم بھٹکنے سے محفوظ رہتے ہیں۔۔ اس کا راستہ خمینی کا راستہ تھا، اس کی روش انقلاب کی روش تھی، اس کی زبان اسلام کی زبان تھی، اس کا عمل ولایت کی پاسبانی تھی، وہ وحدت کا پرچارک تھا، وہ اخوت کا منادی تھا، وہ بھائی چارگی اور اتحاد کا داعی تھا، اس کی زبان و کردار میں دورنگی نہیں تھی، وہ عمل و کردار کا نمونہ تھا، وہ کروڑوں میں ایک تھا، وہ کربلا کا پیرو تھا، وہ شہادت کا طلب گار تھا، وہ سرخ موت کو تاریک زندگی پہ ہمیشہ ترجیح دینے والا تھا۔

وہ فکر و شعور کی روشنی بکھیرنے آیا اور بہت ہی مختصر وقت میں معاشرے میں پھیلی تاریکی اور گھٹا ٹوپ اندھیرے کے پجاریوں سے جنگ کرتا، معاشرے کو روشن و منور کر کے چلا گیا، وہ فکر کے چراغ جلانے آیا

بہت ہی مختصر مدت کیلیئے اسے یہ موقعہ ملا مگر اس نے وقت کی رفتار سے بھی بڑھ کے اپنا کام کیا اور رخصت ہو گیا، وہ خلوص کی دولت بانٹنے آیا اسے بہت کم وقت نصیب ہوا مگر اس نے اتنا خلوص بانٹا کہ آج چونتیس برس گذر جانے کے بعد دنیا اس کا نام آنے پر آنسو بہاتی ہے، وہ درد سمیٹنے آیا اس نے صرف ساڑھے چار سال تک پاکستان بھر کے مظلوموں، محروموں اور کمزور بنادیئے گئے انسانوں کا درد بانٹا، ان کے درد کی پکار لیکر شہر شہر گیا اور قریہ قریہ میں دردمندوں کو باہم ملایا اور پھر ایک دن ہم سب کو قوم، ملت، اسلام حقیقی، انقلاب اسلامی اور کربلا کے درد سے مالا مال کر کے رخصت ہو گیا، وہ عرفان کی دولت سے مالا مال تھا، اس نے معرفت کی لو بڑھائی، ہر ایک اس کی معرفت و عرفان کی بلندی اور ارفع درجات کا قائل ہوا، ہر ایک اس کی زندگی کے ایسے پہلوؤں کا شاہد تھا، اسے یہ مقام خدمت خلق اور تنہائی میں عبادت و ریاضت سے حاصل ہوا تھا وہ للّٰہیت کا نمونہ تھا اسے مل کے، دیکھ کے خدا کی یاد آتی تھی، اس کو یہ راز زندگی آشکار ہونا قبول نہ ہوا اور اس نے ایک لمبی پرواز کی اور کامیاب ٹھہرا، اس نے بہت تھوڑے عرصہ میں اتنا کام کیا کہ اسے ایسے اعزاز کا حقدار ٹھہرایا گیا جس کی تڑپ اسے بے چین رکھتی تھی جس کیلیئے وہ تڑپ تڑپ کے دعائیں مانگتا تھا، اور شب شہادت بھی اس کی طویل سجدہ میں یہی دعا تھی، وہ ہمیشہ جوانوں میں فرماتے: شہادت ہمارا ورثہ ہے جو ہماری ماؤں نے ہمیں دودھ میں پلایا ہے، اس کے جد میاں انور علی شاہ نے بھی بیسیوں سال پہلے تبلیغ مکتب اہلبیتؑ کے جرم میں اورکزئی ایجنسی میں اپنا سر کٹوایا تھا اور شہادت کو گلے لگایا تھا، کربلا کے وارثوں کا خانوادہ ہمارے دور میں بھی اپنے کربلائی ہونے کا عملی ثبوت دے کے رخصت ہوا، ان کی شہادت ایک عالمی سازش کے تحت ہوئی، عالمی استعمار، اس کے نمک خواروں نے اس سازش پہ عملی جامہ پہنایا اور ہمیں ایک گوہر نایاب سے ہمیشہ کیلیئے محروم کر دیا، پاکستان میں ہونے والے بڑے قتلوں کی سازشیں عموماً بے نقاب نہیں ہوتیں اس لیئے کہ اس میں شامل کردار طاقتور ہوتے ہیں، یہ طاقتور حلقے، یہ مقتدر قوتیں ہمیشہ سے ایسی وارداتیں ڈالنے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں مگر شہید عارف الحسینی جیسی برگزیدہ

ہستی کا خون تمام تر سازشوں اور طاقتوں کے ملوث ہونے کے باوجود پروردگار نے ایسے آشکار کیا کہ کسی کو توقع ہی نا تھی، ایک ایک قاتل اور شریک جرم کا کردار سامنے آیا، عدالتوں میں شہید کے مقدس خون نے سب کے چہروں سے نقاب الٹا مگر اس کے باوجود یہاں کے عدالتی نظام نے ،اس ریاست نے اس مقدس خون کا قرض اپنے سر چڑھایا جو آج بھی قرض ہے اگر چہ قدرت خداوندی نے اپنا فیصلہ سنا دیا، فرشتوں نے فضل حق جو مرد آہن کہلاتا تھا، نا صرف بے نقاب ہوا بلکہ قہر خداوندی کا شکار ہوا، وقت کا آمر بھی اپنے انجام کو پہنچا اور اس کے دیگر کردار بھی اپنے انجام سے دوچار ہوئے۔

وہ قتل کر کے مجھے ہر کسی سے پوچھتے ہیں
یہ کام کس نے کیا ہے، یہ کام کس کا ہے؟

5 اگست 1988ء کی دم فجر پشاور میں حالت وضو میں سینے پر گولی کھانے والے سید عارف الحسینی کو ان کے آبائی گاؤں پیواڑ پاراچنار میں سپرد خاک کیا گیا، ان کا نماز جنازہ امام خمینی رح کے بھیجے ہوئے خصوصی وفد کے قائد جناب آیۃ اللہ جنتی نے پشاور کے باغ جناح میں پڑھایا، جس میں اس وقت کے صدر، اور گورنر سمیت سینیٹ کے چیئر مین نے بھی شرکت کی جبکہ پاکستان بھر سے ہزاروں عاشقان شہید دھاڑیں مارتے ہوئے اپنے عظیم قائد کے آخری دیدار کیلئے پہنچے، پاکستان کا ہر شہر احتجاج اور غم وغصہ کی تصویر بن گیا۔ پشاور میں ہونے والے نماز جنازہ میں قاتل موجود تھے، جوان بپھرے ہوئے تھے مگر علماء و بزرگان کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیئے ہوئے تھے جن کا کہنا تھا کہ ہم اپنے پاس آئے مہمانون کا احترام کرنے کے قائل ہیں، جنازے میں موجود قاتل بھی کہہ رہے تھے یہ غیر ملکی سازش ہے، وزیر داخلہ نے پہلے دن ہی یہی کہا کہ غیر ملکی سازش ہے، کیا عجب بات تھی بقول محسن نقوی

ہماری لاش پہ ڈھونڈ و نا انگلیوں کے نشاں
ہمیں خبر ہے عزیزو! یہ کام کس کا ہے

گویا داغ دہلوی کے بقول

قاتل کی جبین شرم سے پیوست زمیں ہے
کس دھج سے مرا قافلہ اترا سرِ مقتل

اس وقت اگر ملی و قومی حالات، اجتماعی جدوجہد کرنے والی جماعتوں، تنظیموں اور شخصیات کو دیکھا جائے تو ان پہ شہداء بالخصوص شہید قائد جو قافلہ سالار شہداء ہیں ان کے احسانات ہیں، شہید قائد نے جن مشکل حالات، مشکلات، پریشانیوں، عدم تعاون، علماء و فضلاء کے طعنوں، مالی مسائل، تنظیمی مسائل، مارشل لا حکومت کی سختیوں، داخلی و بیرونی سازشوں اور عدم وسائل کے ہوتے ہوئے پاکستان بھر کے چاروں صوبوں، گلگت بلتستان، کشمیر تک اجتماعی جدوجہد اور سیاسی و دینی تحریکی کاموں نیز روابط کے ذریعے علما کے زیر تحت کام کرنے کی روش اور بنیاد فراہم کی آج کی بڑی بڑی جماعتی عمارات، تحریکیں، تنظیمیں، نیٹ ورکس اور عزت و وقار یا مقام و مرتبہ اسی کا مرہون منت ہے، لہذا شہید قائد کو بھلا کے کوئی عزت و وقار نہیں پا سکتا، شہید کی روش، شہید کے نظریہ، شہید کے افکار، شہید کے کردار کو مائنس کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے، اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ آج وقت کے تقاضے کچھ اور ہیں انہیں شہید کے افکار سے آگاہی حاصل کرنے کی ضرورت ہے، شہید کے افکار و جدوجہد سے مکمل آگاہی کے بعد ہی ہم اس کاروان انقلاب کو اوج بخش سکتے ہیں، ان کی راہ سے ہٹ کے، ان کی فکر سے جدا رہ کے، ان کی روش کو چھوڑ کے ہم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

فصیل جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدود وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی

شہید قائد

سے یادگار ملاقاتیں اور خاطرات

مولانا غلام حر شبیری حال مقیم انگلینڈ

شہید قائد علامہ سید عارف حسین الحسینی ہمارے قائد تھے ان کیساتھ ملنے اور ملاقات کے کئی مواقع ملے جو باعث سعادت ہیں، بہت قیمتی ہیں، شہید سے ملنا ان سے مستفید ہونا، انکی محفل میں جانا بہت ہی خوشبختی کی بات ہے ان لمحات کو آج بھی محسوس کیا جا سکتا ہے، پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ ہمارے گھر تشریف لائے، انہیں لاہور جانا تھا، راستے میں ہمارا گھر پڑتا ہے جی ٹی روڈ پہ، وہ یہاں تشریف لائے، میں اس وقت جوان، قم کا طالبعلم تھا، ہم نے ان کا استقبال کیا، انہوں نے ہمیں اپنے سینے سے لگایا، بوسے دیئے پیار محبت کیساتھ پیش آئے، یہ پہلی یادگار ملاقات تھی جو اگرچہ مختصر وقت کیلئے تھی مگر ان سے ملنا یقینا یادگار ہے، انہیں لاہور تشریف لے کا جانا تھا وہ رخصت ہوئے دوسری ملاقات بہت اہمیت کی حامل اور دلچسپ ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب جہلم، دینہ میں موجود ایک پیر صاحب، جناب آغا سردار علی جان جو اب فوت ہو چکے ہیں، انہوں کرنل محمد خان آف چکوال کیساتھ مل کے دونوں قائدین کو دعوت دی تھی تا کہ اکٹھے بٹھایا جا سکے، شہید آغا نے ہمارے گھر فون کر کے بتایا کہ وہ اس تاریخ کو آ رہے ہیں اور آپ کے ہاں قیام کریں گے، ہمیں بہت خوشی ہوئی میں اس وقت قم سے پاکستان گیا ہوا تھا، صبح کا وقت تھا ہم نے جی ٹی روڈ پہ جا کے شہید آغا کا استقبال کیا، ان کیساتھ علامہ شیخ محسن نجفی، مولانا اقبال کامرانی اور ہمارے جہلم کے عالم دین راجہ محسن بھی تھے جب آغا شہید تشریف لائے تو انہیں شدید بخار تھا شاید 102 پہ تھا شہید آغا جیسے ہی گھر تشریف لائے تو تھوڑی دیر بعد آغا سردار علی جان کا فرزند گھر پہ آیا میں باہر گیا تو انہوں نے کہا کہ والد صاحب کا پیغام ہے کہ جلد تشریف لے آئیں، میں شہید آ گا کو بتایا کہ یہ پیغام آیا ہے، تو انہوں کہا کہ ہم جس جگہ بھی جاتے ہیں پہلے اپنے عالم دین کیساتھ ملتے ہیں، میں تو ایک طالبعلم تھا مگر شہید قائد اس قدر اہمیت دیتے تھے ایسے ہی دلوں کو مسخر کیا جا سکتا تھا، یہی محبت کے چراغ تھے جو شہید جلا کے گئے ہیں، ابھی تھوڑی دیر گذری تھی کہ وہ پھر آئے اور کہا کہ بلایا جا رہا ہے جلد آ جائیں، دراصل نظریاتی حوالے سے ہمارے تعارف اور وابستگی کی وجہ سے وہ لوگ شاید نہیں چاہتے تھے کہ ہمیں کوئی اہمیت ملے، اور اہل علاقہ میں پہچان ہو تو اس وجہ سے وہ بار بار بلا رہے تھے، میں نے شہید آ گا کو بتایا تو انہوں نے غصہ میں جواب دیا کہ وہ جب چاہیں گے آ جائیں گے، پھر جب قائد شہید وہاں جانے لگے تو میں نے انہیں خدا حافظی کی، مگر شہید نے فرمائی کہ آپ ہمارے ساتھ جائیں گے، میں نے کہا کہ وہلوگ شاید مناسب نا سمجھیں تو شہید نے فرمایا کہ آپ لباس پہنیں اور چلیں، لباس پہنا، چلنے کو تیار تھا کہ شہید نے کہا کہ آپ ہماری گاڑی میں نہیں بلکہ الگ سے رینٹ پہ گاڑی منگوائیں اور آگے آگے چلیں، یوں ہم آغا سردار علی جان کے ڈیرہ کی طرف چلے، جب پہنچے تو انکے بیٹے نے ہماری گاڑی روکی اور کہا کہ آپ کو ساتھ نہیں آنا چاہیئے تھا، میں نے جواب دیا کہ میں خود بھی نہیں آنا چاہتا تھا، آغا کا حکم تھا، جب ہمارے گاڑی کو رکا ہوا دیکھا تو شہید قائد نے شیخ محسن صاحب کو نیچے اتر کے بات کرنے کو کہا، شیخ صاحب نے اپنے مخصوص جلالی اندز میں کہا کہ کیا مسئلہ ہے، یہ ہمارے مہمان ہیں ہمارے مہمان کی عزت کریں، یہ ہمارے ساتھ ہی

ہیں، تب وہ پیچھے ہٹے، پھر جب ڈیرہ کے گیٹ پہ پہنچے تو آغا سردار علی جان نے استقبال کیا، شہید قائد اپنے وفد کے ہمراہ بخار ہونے کے باوجود پہنچے جبکہ قبلہ حامد علی شاہ جو آغا سردار علی جان کے زیادہ قریب سمجھے جاتے تھے وہ تشریف نا لائے، تو میزبانوں باشمول کرنل محمد خان نے اعلان کیا کہ آج سے ہم علامہ عارف حسین الحسینی کی قیادت میں ملی امور سرانجام دیں گے، ہمارے علاقے بھر میں ان کا بہت زیادہ اثر تھا جس سے علاقے میں بڑی تبدیلی آئی، جب اعلان و دعا ہو چکی تو شہید نے اجازت مانگی اسی دوران ایک دلچسپ صورتحال سامنے آئی لاہور سے مولانا مرزا یوسف حسین پہنچ گئے، وہ دوسری طرف ہمدردی رکھتے تھے، انہوں نے آتے ہی اعلان کیا کہ علامہ عارف حسین الحسینی کا قیادت کا مسئلہ نہیں بلکہ عقائد کا مسئلہ ہے، جب انہوں نے یہ بات کی اور شبہ ایجاد کرنے کی کوشش کی تو شہید نے مرزا یوسف حسین کا ہاتھ پکڑا اور کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ میرا اور حامد علی شاہ کا عقائد کا کوئی مسئلہ نہیں، کون سا عقائد کا مسئلہ ہے،

آپ نے کبھی میرے پاس آ کے پوچھا ہے کہ میرے عقائد کیا ہیں، اس طرح علامہ شہید عارف حسینی الحسینی نے ان کی بات کو ڈیفیوز کر دیا، یوں قائد شہید شیخو پورہ جو آغا سردار علی جان کا امام بارگاہ بھی ہے ادھر سے مکمل فتح کیساتھ دینہ سے اپنے گھر کی طرف تشریف لے گئے دوسری ملاقات شہید کیساتھ قم میں ہوئی جب آپ قم کے دورہ پہ تشریف لائے تو بندہ استقبالیہ کمیٹی میں موجود تھا، طلاب قم نے میدان مطہری میں استقبالیہ اجتماع کیا کاروان کی شکل میں مدرسہ حجتیہ پہنچے، شہید کا خطاب ہوا، شہید تین دن تک ادھر رہے، کئی جگہوں پہ شہید کے ساتھ جانا ہوا، شہید اس دوران اپنے وفد کے ہمراہ حضرت امام خمینی رض سے ملاقات کیلئے تشریف لے گئے، اور وقت پہ پہنچے چونکہ امام وقت کے بہت زیادہ پابند تھے، شہید کا ہاتھ پکڑا اور اپنے مخصوص مقام نکلے گئے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ شہید امام کو کتنا چاہتے تھے، ایک دفعی تہران میں مصروفیات کے بعد دیر سے تشریف لائے مگر شہید نے نماز شب ادا کی، پھر دوبارہ نماز صبح کیلئے حرم معصومہ س تشریف لے گئے، ایسا نہیں کہ نماز فجر کے بعد استراحت کیلئے چلے گئے نہیں وہ نماز کے بعد مسلسل جاگتے رہے، یہ معمول تھا شہید بزرگوار کا۔ طلاب کیساتھ بہت محبت اور بے تکلفی کیساتھ پیش آتے مزاح بھی کرتے تھے، اسی دوران شہید کے پاس بعض طلاب کی شکایت کی، کچھ طلاب نے مقدس مآب تھے کہ طلاب حرم کے باہر کھڑے رہتے ہیں، وقت ضائع کرتے ہیں، شہید نے کہا کہ کیا سینما جاتے ہیں۔۔ کہا نہیں، تو برداشت کریں، کچھ حال احوال لینا چاہیے تیسری ہماری ملاقات مدرسہ شہید عارف حسین الحسینی میں ہوئی، جو شہادت سے شاید بارہ دن قبل ہوئی،

ہمارے چھوٹے بھائی ابرار جو اس وقت آئی ایس او میں تھے اب عالم دین ہیں، اس میں شرکت کی دعوت دینے گئے، تب مدرسہ تعمیر ہو رہا تھا، کسی قسم کی سیکیورٹی نہیں تھی، کسی نے پوچھا بھی نہیں، جب ہم اندر گئے تو ایک محافظ باہر نکلے انکا نام یاد نہیں، پوچھا کچھ کام ہے ہم نے کہا کہ ملاقات کرنی ہے، انہوں نے ایک کمرے میں بٹھایا، چند منٹ بعد آغا کمرے سے باہر نکلے، بہت پرتپاک طرح سے ملے، پوچھا کتنی دیر ہوئی ہے، ہم نے کہا کہ پانچ سات منٹ ہوئے ہیں، پانچ سات منٹ ہو گئے اور مجھے بتایا نہی نہیں محافظ کو کہا کہ آپ نے بتایا بھی نہیں، پھر دفتر میں لے گئے، اس وقت ضیاء الحق کو خط لکھ رہے تھے، اس وقت شہید کے دفتر کے کمرے میں لگے بلیک بورڈ پہ ایک شعر لکھا تھا جو مجھے بے حد اچھا لگا میں نے ڈائری میں نوٹ کر لیا

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا

ہم نے مقصد بتایا کہ نوجوان کی شادی ہو رہی ہے، شہید نوجوانوں کو بہت پسند کرتے تھے اور اہمیت دیتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ میں شادیوں میں بھی بہت زیادہ شرکت کرتا ہوں، مگر میرے چچا شدید بیمار ہیں، اگر پاراچنار جانا پڑا تو مشکل ہوگا وعدہ نہیں کرتا، دو دن بعد بتا سکوں گا، اپنا فون نمبر دے جائیں، ہمارے گھر پہ فون نہیں تھا ہم نے سامنے ہوٹل کا نمبر دے دیا، دو دن کے بعد ہوٹل پہ فون آیا مجھے بلایا، میں گیا تو آغا خود فون پہ تھے، کسی کو بھی کہہ سکتے تھے قائد تھے، فون کر دیتا، مگر وہ خود فون کر رہے تھے، آغا نے فون کر کے کہا کہ میں پاراچنار جا رہا ہوں چچا کی بیماری ہے، پھر مجھ سے پوچھا کہ کسی نکاح خوان کا انتظام ہے میں نے کہ انہیں ہم نے تو فقط آپ کو ہی کہا تھا، تو انہوں نے کہا آپ فکر نا کریں میں پنڈی میں آغا سید ساجد کو کہتا ہوں وہ تشریف لائیں گے، دوسرے دن انکا فون آ گیا کہا آغا نے مجھے کہا کہ آپ کے نکاح پڑھنے کیلئے آؤں، مگر وہ بوجوہ تشریف نالا سکے۔ پروردگار اس شہید بزرگوار، سید بزرگوار علامہ سید عارف حسین الحسینی کے درجات عالی فرمائے

حقیقت حال

قائدِ ملت جعفریہ حجۃ الاسلام سید عارف حسین الحسینی

قائد تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان

سے نمائندہ رضا کار کا ایک اہم انٹرویو

29دسمبر 1984ء ------------- ہفت روزہ

رضا کار لاہور کے نمائندہ ابوالانتصار نے چینیوٹ کے مدرسہ اہل بیت میں قائد ملت جعفریہ سے ایک انٹرویو لیا جس میں ملکی وقومی حالات، تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے دونوں دھڑوں میں اتحاد کی کوششوں اور اس نوعیت کے بہت سے سوالات جو ہر شیعہ فرد کے ذہن میں ابھرتے تھے ان کے بارے میں وضاحتیں چاہیں، قائد کے جوابات کو عوام کے استفادہ کے لیے اسے اخبار میں قسط وار اور مستقل طور پر ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا گیا تھا۔ افکار العارف کے اس شہید الحسینی نمبر کیلئے بھی اسے آج کے قارئین کرام کے استفادہ کیلئے شائع کیا جارہا ہے تاکہ ان سوالات اور جوابات میں پنہاں حالات وواقعات نیز اس دور کے حقائق ومسائل ومشکلات سے آگاہی ہوسکے۔

س ا: جب آپ کو معلوم تھا کہ راولپنڈی میں شیعوں کا قائد منتخب ہو چکا ہے تو بھکر میں آپ نے ذمہ داری کیوں قبول کی؛ وجوہات بیان فرمائیں؟

جواب: اس تحریک کے بانی اور قائد علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ تھے، آپ ہی کے زمانہ میں اس جماعت کا آئین بنایا گیا تھا، جس میں اس کی پوری پوری وضاحت کر دی گئی تھی کہ قائد اگر مستعفی ہوجائے یا انتقال کر جائے تو مجلس عاملہ ومرکزی کونسل کی مشترکہ میٹنگ بلا کر قائد کا انتخاب کریں گے پس یہ وظیفہ وذمہ داری راولپنڈی کے چند ہمدرد افراد کا حق نہیں تھا، بنابرایں میں مرکزی کونسل کے ایک منتخب نمائندہ کی حیثیت سے بھکر میں حاضر ہوا اور ان دو کونسلوں نے یہ ذمہ داری میرے سپرد کی میں نے اسے شرعی وظیفہ سمجھ کر قبول کیا۔

راولپنڈی میں 21دسمبر 1983ء کو میٹنگ ہوئی تھی جسے راولپنڈی اور سلام آباد کی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ نے طلب کیا تھا اور اس میں صرف مقامی لوگ ہی شریک تھے، تحریک کی اس ضلعی تنظیم کے بارے میں بھی بہت سے باتیں کی جاتی ہیں۔ بہرحال ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو قائد کے انتخاب کا حق نہیں پہنچتا تھا وہ ایک تجویز پیش کر سکتے تھے جسے مجلس عاملہ اور مرکزی کونسل کے اجلاس میں پیش کیا جاسکتا تھا لیکن اسے یک انتخاب کا درجہ دے کر اس کی تشہیر تحریک کے کے آئین سے کھلی بغاوت تھی چنانچہ اس کو آگے بڑھا کر کنونشن کرنا اور مؤمنین کی لاعلمی سے فائدہ اٹھانا بغاوت در بغاوت اور مذہبی استحصال کی ایک واضح مثال ہے۔

س ۲: ان کو ہزاروں کے مجمع کی تائید حاصل ہوئی اور توثیق ہوئی جب کہ آپ کو سو کے قریب پھر عدم اتحاد کا سبب آپ بنے کہ وہ؟

ج: سوال ہزاروں اور سو کا نہیں، بھکر میں اجلاس آئین کے مطابق تھا، تعداد سے ہمیں سروکار نہیں جب کہ دینہ میں اجتماع عوام کی لاعلمی سے فائدہ اٹھانے کے لیے ڈھونگ رچایا گیا تھا۔ جب راولپنڈی میں ان کا انتخاب آئین سے بغاوت ہے تو پھر اس کے بعد کنونشن یا اجتماع بلانا بغاوت در بغاوت ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج

میں نے پہلے بھی کہا کہ بے چارے عوام کو فریب دے کر مذہبی استحصال کی بدترین مثال پیش کی گئی ہے پس عدم اتحاد کو موجب وہ ہیں

جنہوں نے آئین سے بغاوت کی ہے نہ وہ جنہوں نے آئین کے مطابق عمل کیا ہے۔

س ۳: اتحاد کے بغیر قوم اپنے مقاصد نہیں پا سکتی، بھکر اور اسلام آباد کنونشنوں میں مسائل اتحاد کی وجہ سے حل ہوئے۔ آپ نے اتحاد کے لیے کیا کیا ہے؟

ج: ہم بھی اتحاد کے قائل ہیں، بجا ہے کہ اتحاد کے بغیر مقاصد کا حصول مشکل ہے لیکن اتحاد طرفین سے ہوتا ہے، نہ ایک طرفین سے ہوتا ہے، نہ ایک طرف سے، ہم نے اب تک کئی بار اتحاد کے لیے کوشش کی ہے مگر دوسری طرف سے جواب نفی میں ملا۔

(i) دس فروری کو بھکر میں انتخاب کے بعد ۱۲ فروری کو لاہور میں پہلی مرتبہ ہم نے اتحاد کے لیے قدم اٹھایا،

سید وزارت حسین نقوی کی معیت میں چند آدمیوں کے ذمہ لگایا کہ وہ بعض دینہ جانے والوں کے ساتھ مل کر ان کے ذریعہ اتحاد کی کوشش کریں لیکن ان حضرات کو کوشش میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان کی طرف سے مثبت جواب نہ ملا۔

(ii) ۹ مارچ کو پشاور میں بنگش کے سید عبدالجواد کی سرپرستی میں عمائدین کا ایک وفد میرے پاس اتحاد کے سلسلہ میں آیا جن کو میں نے یقین دلایا کہ میری طرف سے اتحاد کی راہ میں کوئی چیز مانع نہیں، آپ مولانا موسوی سے رجوع کریں، تیرہ مارچ کو بنگش کے عمائدین مولانا حامد علی شاہ کے پاس گئے اس کے بعد انہوں نے ۲۵ مئی استرزئی پایاں میں ہم دونوں کو اتحاد کے سلسلہ میں دعوت دی۔ ۹ بجے صبح سے ۱۲ بجے دوپہر تک میں ٹھیک ۹ بجے صبح وہاں امام بارگاہ استرزئی پایاں میں حاضر ہو گیا اور مجمع عام میں مجھ سے پوچھے گئے سوالوں کے جوابات دیئے۔ پہلی مجلس جو اتحاد کے لیے رکھی گئی تھی مگر موسوی صاحب نہیں آئے یعنی وہ مقررہ جگہ پر نہیں آئے بعد میں بنگش قوم نے متفقہ قرارداد منظور کی کہ چونکہ ہم نے اتحاد کے لیے دونوں قائدین کو بلایا تھا جب ایک صاحب نہیں آئے تو ہم من حیث القوم ان کے ساتھ نہیں ہیں۔

(iii) ۱۹ اپریل کو چکوال میں شیعہ قوم کی یکجہتی کمیٹی کی دعوت پر میں اپنے رفقاء کے ساتھ چکوال حاضر ہوا۔ وہاں بھی اتحاد کی پیش کش ہوئی۔ میں نے اس پیش کو کھلے دل سے قبول کیا اور اس سلسلہ میں یہ تجویزیں دیں۔

یہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی ہے جب ہم میں اختلاف ہو گیا تو ہمیں فیصلہ کے لیے فقیہہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے جیسا کہ امامؑ کا فرمان ہے؛

اما الحوادث الواقعه فارجعوا الی رواة احادیثنا۔

(پیش آنے والے حوادث میں ہماری احادیث کے علماء سے رجوع کرو)

۱) یا تو امام خمینی کی طرف رجوع کیا جائے جو نہ فقط شیعوں کے رہبر ہیں بلکہ سنی اور غیر مسلم مستضعفین بھی ان کو اپنا قائد و رہنما تسلیم کرتے ہیں یا حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم الخوئی نجف اشرف جو وہ فیصلہ دیں۔

۲) ایک کمیٹی بنائی جائے جس میں تین شرطیں ہو۔

i۔ غیر جانبدار ہو، نہ میرے رفقاء سے نہ ان کے ساتھیوں سے۔

ii۔ دیندار ہو، ملت جعفریہ کے مفاد کے بارے میں خیانت کار نہ ہو۔

iii۔ اس کے ارکان سیاسی بصیرت رکھتے ہوں، موجودہ دور میں شیعوں کے خلاف جو سازشیں ہو رہی ہیں، ان سے آگاہ ہوں۔ ان کو ہم حکم بناتے ہیں وہ فیصلہ جو چاہیں دے دیں۔

جب ان شرائط کو لے کر مؤمنین شکوال کرنل محمد خاں کی قیادت میں موسوی صاحب کے پاس گئے تو مثبت جواب نہ ملنے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک روا رکھا گیا، جس کی وجہ سے انہوں نے ہمارے ساتھ شمولیت اختیار کر لی۔

iv۔ مولانا منظور حسین نجفی آف سرگودھا حال مقیم لندن مجھے چینیوٹ میں ملے، انہوں نے مصالحت کے لیے کہا میں نے انہیں ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا، ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ وہ موسوی صاحب سے ملیں لیکن موسوی صاحب کی طرف سے مثبت جواب نہ پا کر مایوس ہو کر مصالحت کی کوشش ترک کر دی۔

v۔ مؤمنین ماڑی انڈس میانوالی کی طرف سے ایک درخواست مجھے پیش کی گئی۔ دوسری موسوی صاحب کی خدمت میں اس میں انہوں نے دو تجویزیں دیں۔

(الف) ہم دونوں کی تنہائی میں ملاقات۔

(ب) پانچ پانچ رکنی کمیٹیاں

میں نے اس درخواست پر دونوں تجویزوں پر صاد کر دیا لیکن موسوی صاحب نے تجویز اوّل کو نہ مانا، صرف دوسری تجویز کے مطابق اپنی

جانب سے ایک پانچ رکنی کمیٹی تجویز نامزد کی، ان کمیٹیوں کے دو اجلاس ۲۷ مئی اور ۱۳ جون کو اسلام آباد میں ہوئے جن میں ہماری طرف سے دو تجاویز اتحاد کی خاطر پیش کی گئیں جنہیں انہوں نے قبول نہیں کیا، ان کی طرف سے کوئی تجویز پیش نہیں کی گئی۔ ان دو اجلاس کے بعد ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں ایک دوسرے پر کیچڑ نہ اچھالنے اور بے جا حملہ نہ کرنے کی اپیل کی گئی تھی۔

vi۔ ماہ رمضان المبارک کے بعد میں نے اپنی طرف سے حجۃ الاسلام السید محمد جواد الہادی شیرازی حال مقیم قم ایران کو موسوی صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ انہوں نے موسوی صاحب کے ساتھ تنہائی میں کافی دیر تک گفتگو کی۔ آخر میں محمد جواد نے موسوی صاحب سے آخری درخواست کی کہ وہ میرے ساتھ ملاقات تو کر لیں تو موسوی صاحب نے فرمایا کہ ہم بعد میں جواب دیں گے۔ چند دن کے بعد ان کی طرف سے ایک تین رکنی کمیٹی وفد میرے پاس آیا جس میں یہ افراد تھے۔

۱) مولانا سید اعجاز حسین سرگودھا
۲) شیخ سرفراز حسین مقیم قم
۳) تطہیر عالم آف راولپنڈی

ان سے دریافت کیا گیا کہ اپنے ساتھ کوئی تجویز لائے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم کوئی تجویز نہیں لائے لیکن ہم آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ مہربانی فرما

کر قیادت سے دست بردار ہو جائیں تو میں نے عرض کیا۔ آخر کسی معیار اور اصول کے مطابق یا یونہی، معلوم ہوا کہ وہ اس کے لیے کوئی اصول نہیں چاہتے نہ معیار کے خواہاں ہیں۔ کافی گفتگو کے بعد میں نے کہا آپ اتنا تو کر دیں کہ مولانا حامد علی موسوی سے تنہائی میں ملاقات کا انتظام کرا دیں تو وہ فرمانے لگے یہ تو نہیں ہو سکتا۔

vii۔ اس کے بعد ۴ محرم الحرام کو موسوی صاحب کی طرف سے ایک وفد مولانا حافظ ریاض حسین نقوی جنرل سیکرٹری کی قیادت میں آیا، انہوں نے کہا کہ پرسوں ہمارے نورے دن کا الٹی میٹم ختم ہونے والا ہے کیونکہ ہمارے مطالبات ایک ہی ہیں۔ آپ تعاون کریں تو میں نے جواب دیا، ایک تو مسئلہ ہے باہمی اتحاد کا، دوسرا مسئلہ ہے دو گروہ ہوتے ہوئے تعاون کا۔ اتحاد کے بارے میں کئی اعلان اعلان کر چکا ہوں اور اب بھی کہتا ہوں کہ میں نے اس وظیفہ و ذمہ داری کو شرعی وظیفہ سمجھ کر قبول کیا ہے، اب بھی اگر میں یہ احساس کرلوں کہ اس ذمہ داری کا ترک کرنا ہی میرا شرعی وظیفہ ہے تو میں اُسے چھوڑ دوں گا۔ میں اس میں آزاد و خود مختار ہوں، اس سلسلہ میں اگر کوئی تجویز ہے تو آپ دے دیں یا جو تجویزیں میں نے دی ہیں ان کی روشنی میں اقدام کرنا چاہئے، رہا اتحاد کے بغیر تعاون کا مسئلہ نہ یہ میرا مؤقف ہے نہ اس قسم کا قدم اٹھانا میں مناسب سمجھتا ہوں اگر نوے دن کے نوٹس سے پہلے آپ نے مجھ سے یہ مشورہ کیا ہوتا تو میں اس کا مشورہ نہ دیتا جب آپ نے نوے دن کا نوٹس دیا، تو اس پر ایک مہینہ گزرا، دوسرا مہینہ گزرا، اب تیسرا بھی تقریباً گزر چکا ہے آپ کسی سٹیج پہ بھی ہمارے تعاون کی ضرورت محسوس کرتے، تو میں اپنی مجلس عاملہ اور مرکزی کونسل میں اس مسئلہ کو پیش کرتا، اگر مجلس عاملہ اور مرکزی کونسل اس کی منظوری دے دیتی تو پھر میں اپنے رفقاء کو ساتھ لے کر ملک میں شہر بشہر، قریہ قریہ بستی بستی دورے کر کے عوام کو اعتماد میں لیتا اور ہم ایک بھرپور قدم اٹھاتے لیکن آپ نے اب دعوت دی ہے جب کہ صرف ایک دن رہ گیا ہے اب نہ میں مجلس عاملہ کو نہ مرکزی کونسل کو بلا سکتا ہوں، نہ ان تک میری دسترس ہو سکتی ہے تو پھر میں ایک ان میں کچھ نہیں کر سکتا، اس کے بعد ان سے کہہ دیا کہ آپ میری موسوی صاحب سے ملاقات کرا دیں ان میں سے بعض افراد نے کہا ہم کرا دیں گے لیکن اس کا کوئی جواب نہ ملا۔

میں نے ان حضرات کے جانے کے بعد مولانا محمد عالم موسوی فرزند ارجمند مولانا السید صفدر حسین المشہدی پشاور کی قیادت میں، میں نے ایک وفد بھیجا جو میرا تحریری جواب موسوی صاحب کے پاس لے گئے۔

۸) ۱۴ اکتوبر کو مجلس عاملہ اور مرکزی کونسل کا مشترکہ اجلاس راولپنڈی میں تھا۔ اس میں جناب مفتی سید عنایت علی شاہ صاحب آ ملتان، مولانا سید غلام شبیر شاہ صاحب آف سرگودھا، خان نوازش علی کھوسہ سرگودھا کو مولانا سید علی حامد علی شاہ موسوی صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا، مولانا غلام شبیر صاحب ان کے گھر کے اندر چلے گئے، مفتی صاحب اور نوازش خاں صاحب دروازہ پر اسی طرح اجازت کے منتظر کار میں بیٹھے رہے۔ ایک گھنٹہ سے زیادہ منتظر رہے۔ مولانا غلام شبیر شاہ کے قول کے مطابق انہیں اندر آنے تک کی اجازت نہ دی گئی، مولانا غلام شبیر صاحب سے دو اشتباہ ہوئے، ان کو مجلس عاملہ اور مرکزی کونسل نے اتحاد کے لیے گفتگو کرنے کو بھیجا تھا ان کو کوئی تجویز دے کر نہیں بھیجا گیا تھا، مولانا غلام شبیر شاہ صاحب ایک وفد کے ساتھ تھے ان کو اس وفد کے بغیر ملاقات نہیں کرنا چاہئے تھا۔ انہوں نے انفرادی طور پر اگر کوئی تجویز پیش کی ہے تو یہ ان کی اپنی تجویز ہے۔ مجلس عاملہ اور مرکزی کونسل کی تجویز نہیں ہے۔

۹) لاہور سے عزاداری کونسل کے ارکان نے فون پر مجھ سے رابطہ قائم کیا کہ ہم اتحاد کے لیے آپ دونوں کو لاہور بلائیں گے تاکہ اتحاد کے لیے کوئی صورت نکل آئے۔ میں نے اسی وقت انہیں جواب دیا کہ میں تیار ہوں، اس کے بعد وہ موسوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر ۱۲۱کتوبر کو عزاداری کونسل کا دورکنی وفد میرے پاس آیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم وہاں جاکر مایوس ہوگئے، انہوں نے میرے ساتھ دو گھنٹہ تک گفتگو کی، میں نے انہیں کہا کہ آپ ہماری طرف سے مطمئن رہیں ہم اس قسم کی ہر کوشش کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

۱۰) آغا مرتضیٰ پویا اسلام آباد نے کہا کہ ۱۲۱کتوبر کو ختم نبوت کے ساتھ اتحاد بین المسلمین کے سلسلہ میں ایک نشست میرے گھر پر ہوگی جس میں میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اور موسوی صاحب ہر دو کو بلاؤں۔ میں نے آمادگی کا اظہار کیا اور انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ جب ختم نبوت کے اراکین چلے جائیں گے تو آپ کے اور مولانا حامد علی شاہ کے درمیان اتحاد کے لیے نشست کی جائے گی۔ میں نے وہاں جاکر ان سے اجازت لے لی کیونکہ اتحاد کی کوشش کا تقاضا یہی تھا، ختم نبوت والوں کے ساتھ پریس کانفرنس میں شرکت کی، پریس کانفرنس کے بعد اتحاد بین المسلمین پر گفتگو ہوئی۔ جب ختم نبوت والے چلے گئے تو میں مرتضیٰ پویا کے گھر مولانا حامد علی شاہ کے لیے انتظار کرتا رہا بعد میں پویا صاحب نے بتایا کہ موسوی صاحب تشریف نہیں لا رہے ہیں تو میں واپس آ گیا۔

۱۱) پروفیسر مولانا سید عاشق حسین صاحب آف راولپنڈی نے اتحاد کی پیش کش کی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ موسوی صاحب کو تنہائی میں میرے ساتھ ملاقات کا انتظام کرادیں گے۔ وہ اور آغا السید سردار علی جان، مولانا حامد علی شاہ صاحب کے پاس گئے، لیکن آغا سید سردار علی جان نے گفتگو سے پہلے سید عاشق حسین صاحب کو باہر بیٹھنے کو کہا جب کہ پروگرام یہ تھا کہ ہر دو اکٹھے ملیں گے، تھوڑی دیر کے بعد وہ کاغذ کا ایک پرزہ لائے جس پر کسی کے دستخط نہیں تھے۔ تحریر تھا کہ غیر مشروط طور پر میں ان کی تحریک کی حمایت و تائید کروں، اس کے بعد اتحاد پر غور کیا جائے گا۔ اس حرکت پر پروفیسر سید عاشق حسین نا اُمید اور بددل ہوکر واپس آ گئے۔

۱۲) گیارہ ستمبر کو راولپنڈی میں مخدوم سید محمد راجو شاہ صاحب سجادہ نشین شاہ گردیز ملتان کا ایک دورکنی وفد ان کا خط لے کر میرے پاس آیا جس میں تحریر تھا کہ آپ جب ملتان تشریف لائیں تو سیدھے میرے پاس آئیں اور مجھے میزبانی کا شرف بخشیں۔ میں اتحاد کے لیے کوشش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ انہی دنوں موسوی صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں، میں نے ان کے وفد کو تعاون کا یقین دلایا، میں پُر امید تھا کہ ملتان میں اس پر عمل ہوگا لیکن ملتان جاکر علم ہوا کہ موسوی صاحب کی طرف سے مثبت جواب نہیں ملا۔

۱۳) سید صفدر حسین شاہ صاحب آف ٹیکسلا ۱۲ محرم الحرام کو جامعہ اہل بیت اسلام آباد میں ایک صاحب کے ہمراہ مجھ سے ملے، انہوں نے مشکلات کے بحران کا ذکر کیا میں نے ان سے کہہ دیا کہ ہم بھی اسی طرح ان حالات سے نالاں ہیں۔ آپ میری مولانا سید حامد علی شاہ صاحب سے ملاقات کا انتظام کرادیں، انہوں نے اس کا وعدہ کیا یا امام خمینی کی طرف رجوع کرلیا جائے، اگر یہ نہیں ہوسکتا تو تنہائی میں ملاقات ہوجائے۔ پھر ۲ نومبر یوم سیاہ منانے کے بعد وہ مدرسہ آیۃ اللہ الحکیم راولپنڈی میں آغا صابر علی کے گھر آئے، انہوں نے تنہائی میں مجھ سے ملنا چاہا، ان کے ہمراہ پروفیسر سید ذاکر حسین شاہ صاحب کاظمی آف راولپنڈی تھے، انہوں نے کہا کہ میں ابھی موسوی صاحب سے مل کر آ رہا ہوں۔ انہوں نے کچھ وضاحتیں چاہی ہیں، میں نے کہا آپ مجھ سے سوال کرلیں آپ کو جواب لکھ دیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے عزاداری کے متعلق سوال کیا۔ میں نے اس کا مفصل جواب دیا میں جس میں عزاداری کے بارے میں اپنے مؤقف کی مفصل وضاحت کی لیکن صفدر حسین صاحب یہ جواب لے جانے کے بعد دوبارہ میرے پاس واپس نہیں آئے۔

۱۴) آغا سید سردار علی جان نے مولانا صفدر حسین صاحب کو ایک خط لکھا، انہوں نے ۲۹ نومبر کو ملتان میں یہ خط مجھے دیا، میں نے اس کا مفصل جواب لکھ دیا لیکن آغا سید سردار علی جان نے دوبارہ ہمیں اس کا کوئی جواب نہ دیا۔

ان کے علاوہ اور بھی کوششیں ہوئی ہیں جن کا یہاں ذکر کرنا باعث طوالت ہے، ہمارے جنرل سیکرٹری سید وزارت حسین کے ذریعہ بھی چند وفود موسوی صاحب کے پاس گئے لیکن مثبت جواب نہ ملنے کی وجہ کوششیں بارآور نہ ہوئیں ان کوششوں کی ناکامی کے باوجود پھر بھی ہم اتحاد کے لیے تیار ہیں۔ مذکورہ بالا تجاویز کی روشنی میں یا کوئی اور تجویز یا پھر تنہائی میں غیر مشروط ملاقات۔

س ۴: موسوی صاحب اور ان کے گروپ کے افراد یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اتحاد کے لیے کئی پیش کشیں کی ہیں حتیٰ کہ ۱۱ محرم الحرام کو بھی، اس میں کہاں تک صداقت ہے؟

جواب: ایسی کوئی پیش کش میرے پاس نہیں آئی اور نہ ہی ان کی طرف سے کوئی وفد ملا، مسئلہ جو اہمیت رکھتا ہے جو ملت جعفریہ کی وحدت اور اتحاد کا ہے اس کے لیے مثبت تجاویز کی ضرورت ہے۔ ہم نے بار بار کئی تجاویز پیش کی ہیں جب کہ موسوی صاحب کی طرف سے کوئی تجویز منظر عام پر نہیں آئی ہے۔

س ۵: تحریک سے آپ کیا مقاصد چاہتے ہیں، جب آپ کے اور موسوی صاحب کے مقاصد ایک ہیں تو آپ موسوی صاحب کی تحریک کا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟

جواب: تحریک کے مقاصد وہی ہیں جو اس کے آئین کے ابتدائی صفحہ پر درج ہیں۔ اسی طرح وہ مطالبات جو ہم حکومت سے کر رہے ہیں، ہم نے انہیں شائع کر دیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

نصب العین: اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ملت جعفریہ کے تمام تر حقوق کے تحفظ کے لیے ایک فقیہہ، عامل، متقی اور مدبر عالمِ دین کی قیادت

اغراض ومقاصد:

۱) اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تمام مروجہ اور آئندہ تشکیل دیئے جانے والے قوانین پرسنل لاء۔ پبلک کے سلسلہ میں شیعیانِ پاکستان کے لیے فقہ جعفریہ کے نفاذ کی جدوجہد نیز تمام مرکزی، صوبائی، بلدیاتی قانون ساز اداروں میں فقہ جعفریہ اور شیعہ نقطہ نظر کی ترجمانی کے لیے مناسب نمائندگی۔

۲) اسلامی جمہوریہ پاکستان میں شیعوں کے دینی، مذہبی، معاشی، تمدنی اور تعلیمی حقوق کا تحفظ۔

۳) اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ذرائع ابلاغ وتعلیم میں شیعہ نقطہ نظر کی شمولیت وترویج کی جدوجہد۔

۴) عزاداری حضرت امام حسینؑ کا فروغ، تحفظ اور علومِ محمد وآلِ محمد کی تبلیغ۔

۵) پاکستان میں شیعہ دینی، تعلیمی وتبلیغی مراکز کا قیام نیز دینی اور تبلیغی اداروں میں ہم آہنگی اور ان مقاصد کی تکمیل کے لیے حوزہ علمیہ کا قیام۔

۶) ہر ایسی تنظیم یا ادارے سے تعاون کرنا جو تحریک کے مقاصد کے حصول میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

۷) اتحاد بین الشیعہ اور اتحاد بین المسلمین کی سعی۔

مطالبات:

۱۔ معاہدہ ۶ جولائی ۱۹۸۰ء پر عمل درآمد، اس کی روشنی میں نفاذ فقہ جعفریہ اور اس کے منافی تمام قوانین کی فوری منسوخی۔

۲۔ تحفظ عزاداری سید الشہداء حضرت امام حسینؑ

۳۔ اسلامی مشاورتی کونسل میں مساوی نمائندگی

۴۔ فیڈرل شریعت کے رٹ اور فیڈرل اپیلٹ کورٹ میں فقہ جعفریہ کے مطابق فیصلہ دینے کی اہلیت رکھنے والے شیعہ ججوں کا تقرر۔

۵۔ مجوزہ قاضی عدالتوں میں شیعہ قاضیوں کا تقرر۔

۶۔ اسلامی یونیورسٹیوں کے تمام شعبہ جات میں شیعہ مکتب فکر کی مساویانہ نمائندگی۔

۷۔ تمام تعلیمی اداروں میں ہر سطح پر شیعہ طلباء وطالبات کے لیے ان کے مکتبِ فکر کے مطابق اسلامیات کی تعلیم کا انتظام اور حضرت آیۃ اللہ طاہری دام ظلہ کو پاکستان جامعۃ المنتظر میں آنے کی اجازت۔

۸۔ تمام ذرائع ابلاغ میں ملت جعفریہ کی مساویانہ نمائندگی۔

۹۔ شیعہ اوقاف بورڈ کا قیام

۱۰۔ تمام سطحوں پر مذہبی وفود میں شیعہ مکتب فکر کی مؤثر نمائندگی۔

۱۱۔ عزاداری کی مکمل آزادی اور اس سے متعلق دفعہ ۳۰(۲) پولیس ایکٹ کی فوری منسوخی۔

۱۲۔ شیعوں پر ظلم وتشدد کرنے والے اسلام دشمن عناصر کو فوری عبرت ناک سزائیں اور شیعوں پر ناروا زیادتی اور ظلم سے پیدا ہونے والے نقصانات کی فوری تلافی۔

۱۳۔ شیعوں کی جان ومال اور مقدسات (مساجد، امام بارگاہوں، دینی مدارس اور رسومات عزاداری وغیرہ) کے تحفظ کی ضمانت۔

۱۴۔ شیعہ اسیران کی فوری رہائی۔

اولاً جو قدم انہوں نے اٹھایا ہے اس میں ہم سے مشورہ نہیں لیا گیا اگر ہم سے بات چیت کی جاتی تو ہم اس بات کو اولیت دیتے کہ انتشار ختم ہو، اتحاد ویکجہتی قائم ہو اور یہ زیادہ اہم ہے، اتحاد ویکجہتی کو نظر انداز کر کے علیحدہ سے قدم اٹھانا مثبت نتائج نہیں دیتا، قوم کو انتشار وافتراق میں ڈال کر اور اتحاد کے لیے کوئی قدم نہ اٹھانا جو ہر تحریک کے لیے ضروری ہے، کامیابی سے ہمکنار نہیں کرتا۔ حصول مقصد کے لیے، میدان عمل میں آنے کی خاطر اتحاد لازمی ہے۔ اگر ان کو مقصد عزیز ہے تو اس کے لیے واحد راہ عمل قومی وحدت اور اتحاد عمل کے بغیر چارہ نہیں جب تک اتحاد عمل کے لیے راہ ہموار نہ ہو۔ اشتراک عمل ایک بے معنی چیز ہے، پہلے اتحاد کی بھرپور سعی کی جائے،

ہر تحریک کی کامیابی کا بنیادی پتھر اتحاد و یکجہتی ہے۔

بدقسمتی سے جب تحریک کے دو دھڑے بنا دیئے گئے حالانکہ دونوں دھڑوں کے مطالبات ایک ہیں ان کے حصول کی بنیادی شرط قومی یکجہتی ہے جو ایک فطری تقاضا ہے۔ میدان عمل میں اترنے سے پہلے ضروری ہے کہ قومی طاقت کو بحال کیا جائے اس کی بنیاد اتحاد ہے مگر بدقسمتی سے انہوں اس فطری تقاضا کو ہمیشہ نظر انداز کیا ہے اور اتحاد سے گریز کیا ہے۔ اگر ہم بھی ایسا ہی پہلے کوئی اقدام کرتے تو یہ اعتراض ہم پر بھی وارد ہوتا، اب یہ اعتراض ان پر ہے اس سے ملت کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اور جس ہزیمت و ناکامی کا سامنا ہے اس کی ذمہ داری کلیۃً ان پر عائد ہوتی ہے۔

س ۶: آپ کے ساتھی علماء کے بارے میں یہ تاثر ہے کہ وہ عزاداری کو اہمیت نہیں دیتے، یا علیؑ مدد کے قائل نہیں ہیں، امام حسینؑ کے ماتم اور مجلس کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ یہ کہاں تک حقیقت ہے؟

جواب: ہم خود عزادار ہیں، عزاداری کی تبلیغ کرتے ہیں، ہم عزاداری کے محافظ ہیں۔ ہم عزاداری کے مبلغ ہیں، ہمارے مراکز سے عزاداری عوام تک پہنچی ہے۔ ہم عزاداری کو اسلام، ملت جعفریہ اور مذہب شیعہ کی بقا کا ضامن سمجھتے ہیں۔ اسے افضل عبادت سمجھتے ہیں، اسے افضل عبادت سے شمار کرتے ہیں، ماتم کرنا عزاداری کا حصہ ہے، ظلم کے خلاف بھرپور احتجاج کا بہترین ذریعہ ہے، یا علیؑ مدد کا شعار، نعرہ کو ہم تشیع کی رمز سمجھتے ہیں، ہمیں یہ نعرہ آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملا ہے، ہم اسے شیعہ عقائد کا جزو سمجھتے ہیں۔ ہمارا قول ہمارا عمل اس کا شاہد ہے اس کے باوجود یہ افترا پردازی ایک بنیادی اور گہری سازش ہے۔ یہ تقدیس اتحاد ملی کے خلاف سازش ہے وہ لوگ جو اس قسم کے الزامات عائد کرتے ہیں، ان تمام وضاحتوں کے باوجود وہ شیعوں میں تفریق ڈالنے کے مجرم اور سامراج کے ایجنٹ ہیں۔

س ۷: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ موسوی صاحب نے قبل از وقت اپنی تحریک کا آغاز کر دیا ہے، اب جبکہ دو شیعہ شہید ہو گئے ہیں تو اس کا کیا جواز ہے کہ آپ ان کا ساتھ نہ دیں؟

جواب: جب ہم انتشار کا شکار ہیں، اگر ہم بھی قوم کو اعتماد میں لیے بغیر میدان میں کود پڑیں خدانخواستہ اگر ہمیں بھی شکست ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے تو یہ ہماری قومی ہزیمت ہوگی، جو ہماری قوتِ عمل کو مفلوج کر کے رکھ دے گی، ان کو چاہیئے کہ وہ پہلے اتحاد کی طرف آئیں تاکہ تمام بنیادی باتوں کو سامنے رکھ کر ان کا جائزہ لے کر کوئی ٹھوس قدم اٹھایا جائے، انہوں نے اگر یہ غلطی کر لی ہے تو آپ ہم سے وہ غلطی نہ کرائیں بلکہ ان کو اس اشتباہ کی اصلاح کا مشورہ دینا چاہیئے۔ ہمیں شیعہ شہداء سے پوری پوری ہمدردی ہے ان کی مغفرت کے طلبگار ہیں ح۔

س ۸: آپ کے ساتھیوں سے سنا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم تنظیمی کام کر رہے ہیں ظاہر ہے تنظیمی کام تو کبھی ختم نہیں ہوگا تو پھر آپ کبھی تحریک نہیں چلائیں گے؟

جواب: تحریک تو اب بھی ہم چلا رہے ہیں لیکن تحریک اس وقت کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے جب اس کی بنیادیں مضبوط ہوں ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے ہیں لیکن اس کی نوعیت جُداگانہ ہے ہم ج لد بازی کے قائل نہیں، اس کے علاوہ ہمارے اغراض و مقاصد وقتی اور چند مطالبات می ل ہی منحصر نہیں ہیں بلکہ اس سے کہیں وسیع تر ہیں اور ان کا تعلق صرف آج ہی سے نہیں اس حکومت تک محدود نہیں بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں سے ہے۔ پاکستان کی ۳۷ سالہ تاریخ ہمیں بتا رہی ہے کہ ہر دور می ں ہمارے حقوق کو غصب کیا گیا، ہم ٹھوس بنیادوں پر اس کا مستقل حل چاہتے ہیں۔ ہمارے سامنے قوم کے نظریاتی، انفرادی، اجتماعی، سیاسی، اقتصادی، ثقافتی، تعلیمی اور مذہبی امور و سائل ہیں جن کا اس ملک میں رہتے ہوئے ایک جامع اور پائیدار حل تلاش کرنا ہے اور ان میدانوں میں قوم کو ترقی و کمال کی طرف لے جانا ہے اس کے لیے ہم نے کام شروع کر دیا ہے دن رات متحرک ہیں اور کام کر رہے ہیں۔

س ۹: تحریک کی بنیاد مذہبی مطالبات کے لیے تھی لیکن آپ نے بعض اقدامات ایسے کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اسے سیاسی جماعت بنا رہے ہیں مثلاً ریفرنڈم کا بائیکاٹ، سیاسی جماعتوں سے رابطے اور سیاسی سیل کا قیام، کیا یہ شیعہ مفاد میں ہوگا؟

جواب: اس میں شک نہیں کہ تحریک کی بنیاد کچھ مذہبی امور تھے جنہیں موجودہ حکومت نے جنم دیا ہے، لی کن خود تحریک جیسا کہ اس کے نام تحریک نفاذ فقہ جعفریہ سے ظاہر ہے، فقہ سے متعلق ہے، فقہ میں ایسے باب ہیں جو مذکور بالا امور سے مربوط ہیں۔ اسلام اور مذہب شیعہ میں دین سیاست سے جُدا نہیں ہے بلکہ سیاست دین کا ایک جزو ہے اس لیے رہبر انقلاب اسلامی حضرت امام خمینی نے فرمایا سیاست کو دین سے جُدا سمجھنا سامراجی تلقین و ستم پاشی ہے۔

جس طرح ہم نے اوپر کہہ دیا ہے کہ اگر ہم پاکستان میں باوقار شہری بن کر رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور عزداری کے مسائل پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ باقی مسائل پر بی توجہ دینی چاہیئے جن میں سیاسی

امور بھی ہیں لیکن ہم یہ بات کر دینا چاہتے ہیں کہ سیاست کو ہم دین و مذہب کے مفاد میں استعمال کریں گے نہ دین کو سیاست کے لیے، ہم سیاست کو دین کے تابع سمجھتے ہیں نہ برعکس، تحریک کے اغراض و مقاصد میں بھی یہ شامل ہے، ہم چاہتے ہیں کہ قوم کو تمام میدانوں میں ترقی و کمال کی طرف لے جائیں۔

س ۱۰: کیا آپؒ نے اپنی جماعت کا کوئی منشور بنایا ہے؟

جواب: ہم نے اس سلسلہ میں ایک سیاسی کمیٹی تشکیل دی ہے جو اس میں کام کر رہی ہے۔

س ۱۱: ۱۹۷۳ء کے آئین کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: ۱۹۷۳ء کے آئین کو ہم سو فیصد اسلامی نہیں سمجھتے لیکن ہم موجودہ حالات میں اس کا حل یہی سمجھتے ہیں کہ اس آئین کو بحال کیا جائے کیونکہ یہ تمام صوبوں اور جماعتوں کے منتخب عوامی نمائندوں کے اتفاق رائے سے بنا ہے اگر اس آئین کو چھیڑا گیا تو اس سے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی، ہم چاہتے ہیں کہ ایک منتخب اسمبلی اس آئین کو مکمل اسلامی بنائے، غیر نمائندہ افراد کو اس میں کسی قسم کی قطع و برید کا حق نہیں۔

س ۱۲: کیا آپ ایم۔آر۔ڈی میں شامل ہو رہے ہیں تو کن شرائط پر؟

جواب: ہم ایم۔آر۔ڈی میں شامل ہونے کا ارادہ نہیں رکھتے لیکن ہم اپنے استقلال و تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے بحال جمہوریت، مارشل لاء کے خاتمہ، ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی، آزادانہ و منصفانہ انتخابات، منتخب نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی کے لیے چلنے والی ہر تحریک کی حمایت کریں گے جس طرح ہمارے مرحوم قائد نے اپنے آخری تاریخ ساز انٹرویو میں فرمایا ہے اس تعاون کے لیے شرائط ہماری سیاسی کمیٹی طے کر رہی ہے۔

س ۱۳: آپ کی فیصلوں کا طریق کار کیا ہے؟

جواب: ہمارے اہم فیصلے مجلس عاملہ اور مرکزی کونسل کے اجلاس میں ہوتے ہیں اس کے علاوہ بعض ہنگامی حالات میں، میں اپنی کابینہ کے اراکین سے مشورہ لے کر ان کی رائے سن کر آخری فیصلہ خود دیتا ہوں۔

س ۱۴: کیا وجہ ہے کہ آپ کی تنظیم میں ذاکرین کو اہمیت نہیں دی گئی جبکہ مرحوم قائد نے ان کو نمائندگی دی تھی؟

جواب: ہماری اس تنظیم میں ہر قسم کے اور ہر صفت کے افراد موجود ہیں۔ مفتی صاحب کے دور میں مجلس عاملہ میں جو ذاکرین نامزد کئے گئے تھے، ہم نے اب تک انہیں نہیں ہٹایا اور اب بھی جو ذاکر ہمارے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہے تو ہم کھلے دل سے اس کا استقبال کرتے ہیں۔

س ۱۵: آپ اکثر اتحاد بین المسلمین پر زور دیتے ہیں اس کے پاکستان میں کہاں تک امکانات ہیں اور آپ اتحاد کن بنیادوں پر چاہتے ہیں کیا آپ نفاذ فقہ جعفریہ کا مطالبہ فرقہ واریت کو ہوا دینے کے مترادف نہیں؟

جواب: ہم اتحاد بین المسلمین اس لیے چاہتے ہیں کہ تا کہ ہر مسلک والوں کو اپنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ہو، اور ایک دوسرے کے مقدسات کا احترام کیا جائے، ہر قسم کے تعصب اور فرقہ واریت کو ختم کیا جائے، فرقہ واریت یہ ہے کہ دوسرے فرقوں کی نفی کی جائے، ہم چاہتے ہیں کہ تمام فروعی اختلافات کو علمی سطح پر لایا جائے، ہمارے مطالبات کا منظور ہونا اتحاد بین المسلمین کے لیے انتہائی ضروری ہے، اتحاد تب ہی قائم ہو سکتا ہے جب ہر ایک کو اس کا حق دیا جائے۔ اتحاد سے ہماری یہ ہے کہ سنی سنی اور شیعہ شیعہ رہے اور دونوں مل کر اپنے مشترکہ دشمن کفر اور بین الاقوامی صیہونیت کے خلاف برسر پیکار ہوں۔

س ۱۶: ایران میں فقہ جعفریہ نافذ ہے وہاں سنی مسلمانوں کو پرسنل لاء دیا گیا ہے تو پھر آپ برابری کی بات کیوں کرتے ہیں؟

ج: اسلام میں پبلک لاء اور پرسنل لاء نہیں ہے، یہ انگریز کی پیداوار ہے۔ ایران میں بھی سنیوں کے لیے پرسنل لاء نہیں بلکہ پبلک لاء ہے دوسری بات یہ ہے کہ ایران کی مثال آپ سعودی عرب سے دیں نہ کہ پاکستان و ایران کی کیونکہ پاکستان شیعہ سنی کی مشترکہ جدوجہد سے وجود میں آیا ہے اس کے ثمرات کے دونوں برابر کے شریک ہیں یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے جس میں ہر فرقہ کو آزادی سے اپنے اصولوں پر عمل کرنا ہے۔

س ۱۷: آپ کی گفتگو امریکہ اور روس کے خلاف ہوتی ہے آپ لبنان اور القدس پر بات کرتے ہیں ہم جب اپنے مسائل میں الجھے ہوئے ہیں تو پھر آپ کا ان مسائل پر بات کرنا مقصد نہیں؟

ج: پاکستان کے شیعوں کے مسائل دنیا کے دوسرے مسلمانوں سے جدا نہیں اسلام کا بھی یہی حکم ہے اسلام کہتا ہے، **من اصبح ولم یھتم بامور المسلمین فلیس بمسلم**؛ جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ وہ مسلمانوں کے مسائل کو اہمیت نہ دے وہ مسلمان نہیں۔ بلکہ جتنے مسائل پیدا ہوئے ہیں مسلمانوں کے لیے یا شیعوں کے لیے یہ امریکہ، روس اور بین الاقوامی سامراجیوں کی سازشوں کا نتیجہ ہم اسلام کو جغرافیائی حدود کے پابند نہیں سمجھتے چونکہ حدیث میں ہے۔ **مثل المؤمنون کمثل الجسد الواحد فی توادوھم و تراحمھم۔**

آج افغانستان، ایران، لبنان اور قدس کا مسئلہ تمام مسلمانوں کا مسئلہ ہے اور یہ ایک سازش ہے کہ مسلمانوں کو الگ الگ کر کے انہیں کاٹ دیا جائے۔ اتحاد بین المسلمین وقت کا تقاضا ہے اسلام اور قرآن آفاقی ہیں۔

س ۱۸: کیا آپ موجودہ حکومت کے اقداماتِ اسلامی سے خوش ہیں کیا یہ حکومت سابقہ حکومت سے بہتر نہیں، کیونکہ ان میں اسلام کا نام بھی نہیں لیا جاتا تھا۔

ج: ہم موجودہ حکومت کو اسلامی اقدامات میں مخلص نہیں سمجھتے اگر وہ مخلص ہوتی تو اسلام عدل و انصاف کو اوّلیت دیتی۔ ہم ایک ایسی اسلامی حکومت کے خواہاں ہیں جو نہ امریکہ کے تابع ہو نہ روس کے اور عدل اسلامی کی بنیاد پر قائم ہو۔ سابقہ حکومت نے روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ بلند کیا۔ اس حکومت نے اقتدار کے لیے اسلام کا نعرہ بلند کیا یہ اس لحاظ سے بدتر ہو جائے گی کہ سابقہ حکومت نے اسلام کو تو بدنام نہیں کیا، یہ تو اسلام کو بدنام کر رہی ہے۔

س ۱۹: پارہ چنار کے مسائل میں آپ کا کیا کردار تھا؟

ج: آپ اس کے بارے میں پارہ چنار کے مؤمنین سے پوچھ سکتے ہیں میں اپنی زبان سے کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ میرا کیا کردار تھا۔

س ۲۰: محرم الحرام میں ملک کے مختلف حصوں میں شیعہ سنی فسادات ہوئے جن میں شیعوں کا کافی نقصان ہوا اس کا پس منظر کیا ہے۔ آپ نے ایسے فسادات روکنے کے لیے کیا کیا ہے اور متاثرین کے لیے کیا کیا ہے؟

ج: یہ فسادات سامراجی طاقتوں اور علاقہ میں ان کے آلہ کاروں کی سازشوں کا نتیجہ ہیں اس میں ہم حکومت وقت کو بھی ذمہ دار سمجھتے ہیں ان فسادات کو شیعہ سنی کا فساد کہنا کسی طور پر درست نہیں سمجھتا اور اس سلسلہ میں ہم روشن فکر، غیر متعصب اور وسیع النظر قسم کے سنی علماء کے ساتھ رابطہ قائم کئے ہوئے اور کوشش کر رہے ہیں کہ غلط فہمیاں دور کر کے صلح و صفا کا ماحول پیدا ہو جائے سنی سادہ عوام کو جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن عناصر آلہ کار بنا کر شیعوں کے خلاف جھڑکاتے اور فسادات کراتے ہیں ان کا سدِ باب کیا جائے۔

س ۲۱: آپ نے ۶ جولائی ۱۹۸۴ء کی پریس کانفرنس میں فرمایا تھا کہ ہم اپنے مطالبات منوانے کے لیے کنونشن کریں گے اس کے التوا کی وجہ کیا ہے اور وہ کب ہو رہا ہے؟

ج: اس میں ہم نے یہ کہا تھا، تحریکیں عوام پر چلتی ہیں جب تک تمام اضلاع کا دورہ نہ کر لیں اور عوام کو اعتماد میں نہ لے لیں۔ اس سلسلے میں دورے ہو رہے ہیں، عوام سے رابطہ کی مہم جاری ہے۔ ہم مناسب موقع پر اس کے بارے میں اعلان کریں گے۔

س ۲۲: آپ کے بارے میں تصور ہے کہ حکومت کی طرف سے مختلف اوقات میں ملاقات کی پیشکش کی گئی لیکن آپ نے اسے ٹھکرا دیا؟

ج: رسمی طور پر فقط ایک مرتبہ وزارت مذہبی امور کے سیکرٹری سے فون پر بات ہوئی۔ انہوں نے کہہ دیا کہ ۳ دسمبر کو راجہ صاحب آپ کے انتظار میں ہوں گے میں نے جواب دیا کہ میری طرف سے ایک بااختیار وفد وزیر سے ملاقات کرے گا لیکن بعد میں حکومت نے ریفرنڈم کا اعلان کیا تو اس سلسلہ میں یہ پروگرام کینسل ہو گیا اور کوئی رابطہ نہ ہوا۔ دوسرا یہ ہے کہ حکومت کے ساتھ ملاقات ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ اگر ع ملاقات کے ساتھ ہمارے مطالبات حاصل ہوتے تو ہم ملتے لیکن صرف ملنا جبکہ ہمیں یقین ہے کہ وزیر کی ملاقات سے کچھ نہیں بنتا تو پھر میں کس لیے جاتا، تیسری بات یہ ہے کہ اگر حکومت مطالبات ماننے کا ارادہ رکھتی ہے تو ہم مطالبات ان کے پاس بھیج چکے ہیں وہ پر عمل درآمد کر دے ملاقات کس لیے اور کیوں؟

س ۲۳: آپ حکومت کو زکوٰۃ نہیں دیتے؟ کیا شیعہ نقطہ نظر سے زکوٰۃ واجب نہیں؟

ج: زکوٰۃ فقہ جعفریہ میں ضروریات دین سے ہے۔ زکوٰۃ کا منکر دین سے خارج ہے۔ زکوٰۃ عبادات سے ہے عبادت میں قربۃ الی اللہ کی نیت ضروری ہے اگر حکومت آپ سے زکوٰۃ بغیر اطلاع کے لیتی ہے تو وہ ادا نہیں ہو سکتی ہے، اس کے علاوہ ہمارے نزدیک مخصوص چند چیزوں پر زکوٰۃ ہے۔ تمام اموال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ نوٹوں پر زکوٰۃ نہیں۔

س ۲۴: آپ کا مطالبہ ہے کہ حکومت ہم سے عشر کے بدلہ میں زائد مالیہ نہ لے پھر حکومت سے لی جانی مراعات کیوں؟

ج: ہم مالیہ، ٹیکس پاکستان کے شہری ہوتے ہوئے دیتے ہیں لیکن شیعہ ہونے کی وجہ سے عشر کے بدلہ میں جو زائد مالیہ لیتے ہیں وہ درست نہیں ہے۔

س ۲۵: حکومت زکوٰۃ غرباء اور دینی مدارس کو دیتی ہے کیا آپ نے کوئی ایسا نظام بنا رکھا ہے؟

ج: مذہب اہل بیتؑ میں مدارس دینیہ اور غرباء شیعوں کی زکوٰۃ، خمس، عطیات، موقوفات پر چلت ہیں اس سلسلہ میں جہاں جہاں شیعہ زکوٰۃ کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں ان کو فعال اور جہاں نہیں ہیں وہاں بنائیں گے۔

س۲۶: پولیس دفعہ ۳۰ میں ترمیم کے بارے میں آپ کا کیا مؤقف ہے؟

ج: اس بارے میں ہم نے اپنا مؤقف پریس کانفرنس میں واضح کر دیا ہے۔ پنجاب کی حکومت نے جو ترمیم کی ہے ہم اسے ایک گہری سازش سمجھتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ عزاداری پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیئے۔

س۲۷: حکومت کے تشدد سے راولپنڈی میں جو دو شیعہ مارے گئے ان کے بارے میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

ج: آپ میری پریس کانفرنس ملاحظہ فرمائیں؟

پریس کانفرنس:

معزز صحافی حضرات! السلام علیکم:

سب سے پہلے میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ میری معروضات سننے تشریف لائے ہیں۔ آج میں ایک اہم مسئلہ آپ کی وضاحت سے ملتِ پاکستان تک بالعموم اور ملت جعفریہ تک بالخصوص پہنچانا چاہتا ہوں۔

آپ حضرات کو بخوبی علم ہے کہ مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۸۴ء کو آئین میں مناسب ترمیم کر دی گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ حکومت نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا بلکہ حکومت نے اپنا وعدہ ۹۰ دن گزرنے سے پہلے ہی پورا کر دیا تھا اور صدر نے ۱۸ ستمبر ۱۹۸۰ء کو آئین کی دفعہ ۲۲۷ میں ایک توجیح کا اضافہ کر کے ترمیم کر دی تھی۔ یہاں یہ مراد واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وزیر موصوف کا پریس انٹرویو پر حقیقت نہیں ہے اور ۶ جولائی ۱۹۸۰ء کو کیا گیا۔ معاہدہ ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے کیونکہ اس معاہدہ میں یہ واضح الفاظ موجود ہیں کہ کسی فرقہ کا عقیدہ یا فقہ دوسرے فرقہ پر لاگو نہیں کیا جائے گا اور جو قانون پاکستان میں نافذ کیے جا چکے ہیں ان میں شیعہ مسلمانوں کے لیے فقہ جعفریہ کے مطابق ترمیم کر دی جائے گی اور ساتھ ہی یہ یقین دہانی بھی کرائی گئی تھی کہ مستقبل میں بنائے جانے والے قوانین میں بھی شیعہ مسلمانوں پر فقہ جعفریہ کا اطلاق ہوگا۔ دفعہ ۲۲۷ میں بیان کردہ ترمیم معاہدہ ھذا کے مطابق نہیں ہے کیونکہ ترمیم مذکورہ کی تشریح میں ''پرسنل لاء''، یعنی شخصی قانون کی حد بندی کی گئی ہے جبکہ ۶ جولائی ۱۹۸۰ء کے معاہدہ میں ایسے کوئی الفاظ موجود نہیں ہیں اور یہ امر بالکل واضح ہے کہ کسی کی فقہ دوسرے پر نافذ نہیں کیا جائے گا۔ ان حالات میں یہ ترمیم شیعہ مطالبات اور معاہدہ ۶ جولائی ۱۹۸۰ء کی تکمیل نہیں کرتی اور ہمارا پُرزور زور مطالبہ ہے کہ حکومتِ پاکستان فوری طور پر اس معاہدہ کی پابندی کر کے شیعان پاکستان کے اضطراب اور بے چینی کو دُور کرے کیونکہ ابھی تک قانونِ حد سرقہ میں فقہ جعفریہ کے مطابق نہیں کی گئی اور دیگر قوانین، شفعہ، قصاص، دیئت اور قانونِ شہادت میں شیعہ نقطہ نگاہ کو شامل نہیں کیا گیا۔ نیز جو سفارشات مرتب کی گئی ہیں ان میں بھی شیعہ نقطہ نظر کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

صحافیان محترم! پاکستان قیام سنی شیعہ ہر دو فرقوں کی مساعی اور اتحاد کا نتیجہ ہے اس کے ثمرات میں شیعہ مسلمانوں کو محروم کرنا اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔ علاوہ ازیں راولپنڈی میں حالیہ واقعات جن کے نتیجہ میں دو بے گناہ شیعہ مسلمان شہید ہوئے اور پولیس نے ایک پُرامن جلوس پر جو بے جا ظلم و تشدد کیا وہ بھی پاکستان کی تاریخ میں مثال ہے کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں ایک ایسی حکومت جو اسلام کی نام نہاد داعی ہے ظلم و تشدد کر کے کبھی بھی اسلامی روایات قائم نہیں کر سکتی۔ میں اپنی جانب سے اور تحریکِ نفاذ فقہ جعفریہ کی طرف سے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہوں اور مطالبہ کرتا ہوں کہ اس حادثے کی تحقیقات کرائی جائے اور ذمہ دار افراد کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

صحافیان کرام! تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان میں جب کہ پہلے بھی اعلان کر چکی ہے اور اب بھی ہم بلا جھجک اعلان کرتے ہیں کہ تحریک ملک میں اسلامی جمہوریت بحال کرنے میں ہر تحریک کا ساتھ دے گی کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں یہ ملک اسلامی جمہوری اقدار کے اُجاگر ہونے سے ہی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں تحریک نے گزشتہ روز کے اپنے اجلاس میں سیاسی امور کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے۔ وہ ملک میں جمہوریت بحال کرنے میں دیگر سیاسی جماعتوں سے رابطہ قائم کرے گی۔ اور اس سلسلے میں عملی جدوجہد کا لائحہ عمل مرتب کرے گی۔

صحافیانِ کرام! میں تمام اسلامیانِ پاکستان سے پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ متحد ہو ملک میں جمہوری نظام کی بحالی، اسلامی نظام کے قیام، جماعتی انتخابات اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی کے لیے بھرپور کوشش کریں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ
سید عارف حسین الحسینی

علامہ عارف حسینیؒ شہید کا راستہ

نذر حافی
nazarhaffi@gmail.com

آزادی انسانی فطرت کی آواز ہے۔کوئی انسان جتنا انسان ہوتا ہے اتنا ہی آزادی پسند ہوتا ہے۔انسانی فطرت جس طرح غلام رہنا پسند نہیں کرتی اُسی طرح دوسروں کو غلام رکھنا بھی اسے گوارا نہیں۔ دین اسلام کی نظریاتی تعلیمات میں سے ایک اہم نظریہ اپنی آزادی کا تحفظ اور دوسروں کی آزادی کا احترام ہے۔ اِسی فطرت کی آواز کو انبیائے کرام کا مشترکہ ایجنڈا اور اسلام کا آفاقی و جہانی منشور بھی کہا جا سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ خدا نے جتنے بھی انبیائے کرام بھیجے وہ سب کے سب اقوام اور قبائل کو آزاد کرانے کیلئے آئے۔اللہ نے کوئی ایک نبی بھی لوگوں کو غلامی کا درس دینے کیلئے نہیں بھیجا۔اُس نے غلام اقوام میں اس لئے تو انبیا بھیجے کہ وہ اقوام آزاد ہو جائیں لیکن اس لئے کوئی رسول نہیں بھیجا کہ وہ حالات کی مشکلات کے پیشِ نظر لوگوں کو غلامی پر رضامند کرے۔

آزادی کی ضد غلامی ہے۔کوئی انسان جتنا انسانیت سے دور ہوتا ہے وہ اتنا ہی غلامی پسند ہوتا ہے۔حالات کے امتحان میں اپنی آزادی کو گروی رکھ کر غلامی کا طوق پہن لینا اُس کیلئے کوئی عیب نہیں ہوتا۔انسانی اقدار سے عاری ایسے پست لوگ ہی طاقت اور اقتدار ملنے کے بعد استعمار و استکبار کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ان کیلئے مفادات کے حصول کی خاطر جس طرح غلام بن جانا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا اسی طرح اپنے مفادات کیلئے دوسروں کو غلام بنا لینا بھی ان کے نزدیک کوئی بری بات نہیں ہوتی۔

یہ آزادی کی ہر تحریک کے مقابل، حریت کی ہر آواز کے مخالف،اور استقلال کے ہر راستے کی رکاوٹ ہوتے ہیں۔اگر غلامی کے خلاف آسمانی کتابوں کے چراغ، انبیائے کرام کی سیرت کے نقوش اور بانی اسلامؐ کی جدوجہد قافلہ بشریت کے سامنے نہ ہوتی تو لوگ غلامی کی غلاظت کو محسوس کرنا ہی چھوڑ دیتے۔دینِ اسلام کے مکمل ہونے اور ختمِ نبوّت کے بعد مسلمانوں کیلئے سب سے بڑا اور کٹھن امتحان مسلمانوں کے درمیان آزادی کے شعور کو زندہ رکھنا ہے۔ نا اہل حکمرانوں، جابر بادشاہوں اور عیاش سلاطین نے اس شعور کو ختم کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں گیا۔انہوں نے مختلف حیلوں،حربوں، مکاریوں اور چالوں کے ذریعے مسلمانوں کو اپنا غلام بنایا اور پھر انہیں غلامی پر رضامند رکھنے کیلئے بڑی

بڑی شاندار مساجد تعمیر کرائیں، وسیع وعریض دینی مدرسے بنوائے، مذہبی کتابیں لکھوائیں، کتابخانوں کا رواج ڈالا، تراجم کے مراکز قائم کئے اور مکاتب و مسالک کے درمیان مناظرے کروائے۔ رفتہ رفتہ لوگ اپنی آزادی کو بھول کر بادشاہوں کی دینداری کے گُن گانے لگے۔ مسلمان بطورِ قوم بظاہر زندہ رہے لیکن اُن میں زندگی کا شعور ختم ہوگیا۔ اُنہوں نے یہ سوچنا بھی چھوڑ دیا کہ نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت تو ہم نبوت و رسالت کی وجہ سے کرتے تھے، اب ان بادشاہوں کی اطاعت ہم کس وجہ سے کریں!؟

لوگ ان بے عمل، بدکار، عیاش اور بدمعاش بادشاہوں کو ظل الٰہی کہہ کر انہیں تعظیمی سجدے کرنے لگے، ان کے خلاف آواز اٹھانے کو بغاوت کہا جانے لگا اور باغیوں کے کفر وارتداد کے فتوے جاری ہو گئے۔ مسلمان اپنا پیٹ کاٹ کر ان کے شاہی خزانے بھرتے اور یہ بادشاہ ان خزانوں سے اپنی طوائفوں کیلئے شاندار محلات تعمیر کراتے، رنگ رلیاں مناتے، عیش ونوش کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور مسلمانوں سے کہتے کہ پکا اور سچا مسلمان وہ ہے جو غربت وتنگدستی کی زندگی گزارتا ہے، پھٹے پرانے کپڑے اور جوتے پہنتا ہے اور نمک سے روٹی کھاتا ہے۔

مسلمانوں میں یہ شعور ہی ختم ہوگیا کہ بادشاہوں کا اسلام تو امیر کبیر ہے اور رعایا کا اسلام بھوکا ننگا کیوں ہے؟

عقل وشعور کی یہ موت آج بھی جہانِ اسلام میں دکھائی دے رہی ہے۔ اسلامی ممالک میں حاکم طبقے اور اشرافیہ کے ٹھاٹ باٹ اور عام مسلمان کے شب وروز کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ لوگ نماز وروزے اور حج وزکواۃ میں مشغول ہیں لیکن انہیں ایک اسلامی ریاست میں بطورِ مسلمان اپنے سیاسی واقتصادی حقوق کا کچھ شعور نہیں۔ قیامِ پاکستان سے پہلے برصغیر پاک وہند میں بادشاہت کا طلسم ٹوٹ چکا تھا۔ لوگ جن بادشاہوں اور حکومتوں کو اسلامی سمجھتے تھے وہ سب تاراج ہو چکی تھیں۔ بیرونی استعمار نے ہلّہ بول کر مقامی استعمار کے وہ تاج اچھال دیئے تھے اور وہ سلطنتیں ختم ہوگئی تھیں۔ ٹیپو سلطان کی مانند جن حکمرانوں میں کچھ انسانیت وشرافت باقی تھی وہ بھی استعمار کے طوفانی ریلے کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔

اب وقت تھا کہ برّصغیر کے مسلمانوں کو اُن کی خودی کی طرف دعوت دے کر انہیں سیاسی شعور دیا جائے اور اُن کی فطرت کی آواز "آزادی" کو زندہ کیا جائے۔ بادشاہوں کے طلسم سے آزاد ہونے والے ان مسلمانوں کو جلد ہی برطانوی استعمار کے خلاف اپنی خودی اور شناخت کا احساس ہوگیا۔ یہی احساس آگے چل کر قیامِ پاکستان کا باعث بنا۔ تاہم یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جیسے ریاستِ مدینہ کے قیام کے وقت مسلمانوں میں شعور کی لہر اتنی پختہ نہیں ہوئی تھی کہ وہ نبی اکرمؐ کے بعد اپنی آزادی کی حفاظت کرتے اور بادشاہوں و اشرافیہ کے غُلام نہ بنتے ویسے ہی قیامِ پاکستان کے وقت بھی مسلمانوں میں سیاسی شعور کی سطح اتنی بلند نہیں تھی کہ پاکستانی مسلمان اپنی خودی اور استقلال کی حفاظت کر سکتے۔ چنانچہ جس طرح چودہ سو سال پہلے ریاستِ مدینہ ایک ملوکیت میں بدل گئی تھی ویسے ہی آج سے پچھتر سال پہلے قیامِ پاکستان کے بعد اس ریاست پر بھی اشرافیہ کا قبضہ ہوگیا۔

ریاستِ پاکستان پر اشرافیہ، نوابوں، بیوروکریٹوں، جرنیلوں اور وڈیروں کے خلاف بیداری اور شعور کی کئی تحریکیں چلتی رہیں۔ ایسے کئی دانشور اور رہنما منظرِ عام پر آئے جنہوں نے پاکستان کو عالمی اور مقامی استعمار سے آزادی دلانے کیلئے آواز اٹھائی اور شہید ہوئے۔ پاکستان میں عوام کی آزادی اور حرّیت کیلئے اٹھنے والی اِن موثر آوازوں میں سے ایک بڑی اور جاندار آواز علامہ عارف حسین الحسینیؒ کی تھی۔ آپ کی کچھ تقاریر سننے اور مکتوب

صورت میں پڑھنے سے مجھ پر یہ واضح ہوا ہے کہ آپ کی جدوجہد کے دو پہلو تھے۔ایک پہلو ہمہ جانبہ آزادی کے شعور پر مبنی تھا۔یعنی سیاسی، اقتصادی، اجتماعی، ثقافتی، تعلیمی، فکری، نظریاتی، عسکری۔۔۔ ہر لحاظ سے مسلمانوں کو مکمل طور پر آزاد اور خودمختار ہونا چاہیے۔اسی طرح آپ کی جدوجہد کا دوسرا پہلو پرچمِ توحید وعلمِ ختمِ نبوّت کے نیچے سارے مسلمانوں کو اپنی آزادی کیلئے متحد کرنا تھا۔

آپ مسلمانوں کے درمیان ہمہ جانبہ آزادی کے شعور کے فروغ کیلئے کسی قسم کی فرقہ وارانہ تقسیم یا جغرافیائی حدود کے قائل نہیں تھے۔آپ کے پروگرامز، کانفرنسز، اجلاسوں، سیمینارز اور جلسے جلوسوں و پریس کانفرنسز میں دنیا کے ہر ملک کے مسلمانوں کیلئے ہمہ جانبہ آزادی کا پیغام ہوتا تھا۔آپ نہ صرف یہ ہمہ جانبہ آزادی کا پیغام دیتے تھے بلکہ آپ اس پیغام پر ساری اُمّتِ مسلمہ کو متحد کرنے کیلئے داعی اتحاد ووحدت بن کر بھی ابھرے۔آپ کی یہ ہمہ جانبہ آزادی کی آواز انسانی فطرت کی آواز تھی، چنانچہ یہ بلاتفریقِ مذہب ومسلک لوگوں کے دلوں میں اترتی گئی۔مسلمانوں کو اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہونا چاہیے، مسلمان حکمرانوں کو اسلامی ریاستوں کے معدنی ذخائر اور قدرتی وسائل کو استعمار کے ہاتھوں فروخت نہیں کرنا چاہیے، اسلامی دنیا کو اپنی داخلہ وخارجہ پالیسیاں خود بنانی چاہیے، اسلامی ریاستوں سے استعماری افواج کا انخلا ہونا چاہیے، فلسطین، افغانستان اور کشمیر پر ساری امّتِ مسلمہ کا ایک موقف اور ایک آواز ہونی چاہیے، مسلمانوں کے درمیان ہر قسم کے فرقہ وارانہ، علاقائی اور لسانی تعصّبات کو فروغ دینے والے استعمار کے ایجنٹ ہیں، اسلام آزادی وخودمختاری کا دین ہے لہٰذا پاکستان کے حکمرانوں کو استعمار کے مقابلے میں استقلال اور آزادی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔علامہ عارف حسینی کے روح پرور نظریات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان بھی اور بحیثیتِ پاکستانی بھی ایک آزاد قوم ہیں، ہمارے حکمرانوں کو بھی آزادانہ سوچنا اور عمل کرنا چاہیے اور دیگر اقوام کو بھی ہم سے آزاد اقوام کی طرح برتاو کرنا چاہیے۔

واضح کرتا چلوں کہ آزادی کی آواز چونکہ انسانی فطرت کی آواز ہے لہٰذا ہر دور، ہر زمانے اور ہر ملک میں مقبول ہوئی ہے۔صرف یہی نہیں بلکہ جس رہبر ورہنما نے بھی یہ آواز بلند کی ہے وہ لیڈر اور رہنما بھی عوام الناس کے درمیان مقبول ہوا ہے۔گزشتہ دنوں مجلس وحدتِ مسلمین کے رہنما علامہ راجہ ناصر عباس جعفری صاحب سے ملاقات ہوئی۔انہوں نے فطرت کی آواز کے بارے میں جو کہا وہ نذرِ قارئین ہے:

"ہم آزاد ہیں یہ انسانی فطرت کی آواز ہے لہٰذا فطرت کی آواز کو ہر انسان سنتا بھی ہے اور پسند بھی کرتا ہے۔لوگوں کو اسے سننے سے روکا نہیں جاسکتا، آپ لوگوں کے کانوں میں روئی ڈال کر بند کر سکتے ہیں لیکن فطرت ان کانوں کی محتاج نہیں ہے۔"

قارئینِ محترم ممکن ہے کہ بہت سارے لوگوں کیلئے "ہم آزاد ہیں" کی آواز نئی ہو۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں نے یہ آواز انہی دنوں میں سُنی ہو لیکن جو لوگ علامہ عارف حسینیؒ کے راستے کے حقیقی راہی ہیں وہ اس آواز سے اچھی طرح مانوس ہیں۔وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ "ہم آزاد ہیں" کی گونج کے پیچھے کئی صدیوں اور کئی سالوں کی جدوجہد پوشیدہ ہے۔دوسری طرف جو لوگ فطرت کی آواز کے خلاف بولتے ہیں، ایسے لوگوں سے راستہ جدا کرنا ہی آزاد منش انسانوں کا فطری راستہ ہے۔

قیادت از نظر شہید حسینی

تدوین ڈاکٹر راشد عباس سید

شہید علامہ سید عارف حسین حسینی رح کے بارے میں کئی موضوعات پر لکھنے کا اعزاز حاصل رہا لیکن اس بار العارف کے قارئین کے لئے شہید کی تقاریر کے کچھ اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تا کہ آپ کے اپنے پرنور الفاظ کو قارئین تک پہنچایا جائے اور اسکی تاثر کو محسوس کیا جاسکے۔ان اقتباسات میں شہید نے اپنی قیادت اور قیادت کی ذمہ داری کے موضوع پر گفتگو کی ہے۔شہید کی یہ تقاریر کتاب" میثاق خون" میں موجود ہیں۔قیادت کے موضوع پر اقتباسات علیحدہ کر کے پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ شہید حسینی کے راستے پر چلنے والوں کے لئے ایک یاد دہانی ہو کہ شہید نے کس مجبوری میں قیادت قبول کی تھی اور وہ اس قیادت کو کیا سمجھتے تھے۔ان اقتباسات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمارے لئے ایک لمحہ فکر یہ ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ شہید کا جانشین یا فدائی کہلانے والے قیادت یا تنظیمی عہدوں کو اسطرح نہیں سمجھ پائے جسکی تلقین شہید عارف حسینی نے بارہا اپنی تقاریر میں کی تھی۔

پہلا اقتباس

شہید فرماتے ہیں۔

: خدا شاہد ہے، میرا مولا شاہد ہے، میرا مولا امام زمان علیہ السلام ہر وقت مجھ پر حاضر و ناظر ہیں۔ان سے میری کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔میں اصلاً یہ چیز تصور بھی نہیں کرتا تھا، خدا شاہد ہے کہ جب میں پاراچنار سے مرکزی کونسل کا ممبر ہوتے ہوئے بھکر آ رہا تھا۔میرے ساتھ مولانا شیخ علی مدد نجفی جو پاراچنار کی مسجد کے پیش نماز ہیں اور مولانا محمد بشیر نقوی جو بڑے عالم ہیں، میرے ساتھ کار میں بیٹھے تھے۔ہم آپس میں یہ سوچ رہے تھے کہ اب جب بھکر میں ہم جائیں گے تو وہاں پر ہم شوریٰ رہبری کی حمایت کریں گے یعنی پانچ رکنی قیادت۔جس میں تین علماء ہوں اور دو سیاستدان اور پھر ہم بات کر رہے تھے کہ علماء میں کن کن کی حمایت کرنا ہے اور زعماء و سیاسی شخصیات میں سے کن کن کی حمایت کرنا ہے اور جس دن پانچ رکنی کمیٹی پاراچنار آئی تھی، آپ ہمارے علمدار فیڈریشن کے ارکان سے پوچھ سکتے ہو۔اسی طرح انجمن حسینی اور دوسرے علماء سے پوچھ سکتے ہو کہ جب وہاں پر ان کے لیے علماء میں سے دو مرکزی کونسل کے لیے افراد ضروری تھے۔تو میں نے پہلے سے اپنے مدرسے کی طرف سے مولانا عابد حسین جو میرے ہمکار ہیں، جو اس وقت مدرسہ جعفریہ میں مصروف تدریس ہیں، میں نے ان کا نام دیا تھا۔میں ڈر رہا تھا کہ اگر پانچ رکنی کمیٹی کی نوبت آئی تو ہوسکتا ہے کہ تین علماء سے یہ ذمہ داری مجھ پر نہ آجائے، میں اس سے بچنے کے لیے

مرکزی کونسل میں بھی (خدا شاہد ہے) نہیں آنا چاہتا تھا مگر وہاں کے علماء اور انجمن حسینی اور علمدار فیڈریشن والوں نے مجبور کر دیا کہ میں جاؤں تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدا شاہد ہے کہ اس کرسی کے لیے ایک قدم تو چھوڑ دو، میں ایک انچ بھی آگے نہیں آیا ہوں اور میں اس کا تصور بھی نہیں کرتا تھا بلکہ مجھ پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی تو میں اپنے خدا کے حضور میں اپنے قلب کے ساتھ کہنے لگا۔

اے خدا! آخر میں نے زندگی میں کون سے اتنے بڑے گناہ کیے تھے، میں تو گناہگار ضرور ہوں لیکن میں نے ایسے کونسے گناہ کیے تھے کہ جس کے باعث یہ عظیم ذمہ داری، یہ عظیم امتحان میں مبتلا ہو گیا۔

تو میں کبھی بھی اس کرسی کی طرف ایک قدم بلکہ ایک انچ آگے نہیں بڑھا ہوں!

دوسرا اقتباس

شہید حسینی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں

۔علامہ صفدر حسین نجفی نے فرمایا کہ کیونکہ میں نے استخارہ کیا ہے، میرے لیے استخارہ برا آیا ہے۔ تو میں یہ ذمہ داری قبول نہیں کرتا ہوں تو اب آپ کے علاوہ کوئی نہیں رہ جاتا۔ میں نے کہا میں بالکل تیار نہیں ہوں! آخر میں جب بہت اصرار کرنے لگے تو میں نے کہہ دیا کہ میرے ساتھ پاراچنار سے مولانا شیخ علی مدد جو وہاں کے باتقویٰ، پرہیزگار و متدین عالم دین، پیش نماز ہیں اور دوسرے مولانا محمد بشیر نجفی ہیں، میں نے کہا کہ مسئلہ ان کو بھی معلوم ہے کہ ان کو بلایا جائے کیونکہ مجھے یقین تھا کہ وہ مخالفت کریں گے کہ ذمہ داری پاراچنار والے قبول نہیں کر سکتے چونکہ ہمارے جغرافیائی حالات ایسے ہیں کہ جب وہاں اختلاف ہو جاتا ہے تو ہم پاکستان سے بالکل کٹ جاتے ہیں، ان کو بلایا جائے تاکہ وہ میری حمایت کریں کہ مجھے [عارف حسین کو] یہ عہدہ نہ دیا جائے، ان کو جب بلایا گیا تو انہوں نے مجھے کہہ دیا کہ اب جو حالات ہم نے دیکھ لیے ہیں، ان حالات کے مطابق آپ پر شرعی طور پر واجب ہے کہ آپ اس کو قبول کر لیں! اگر آپ نے شرعی طور پر قبول نہ کیا تو ملتِ جعفریہ کو جو مسائل درپیش ہو جائیں گے کل امام زمانہ علیہ السلام کے سامنے آپ ذمہ دار ہیں اور خدا کے سامنے آپ کا کوئی جواب نہ ہوگا۔

جب انہوں نے بھی ہمیں یہ کہہ دیا جن کے ایمان، تقویٰ، علم وفضل پر مجھے پورا پورا اعتماد ہے چونکہ ہم ایک مورچے میں رہتے ہیں تو پھر اس وقت میں نے کہہ دیا کہ جب آپ ایسا کہتے ہیں اور علماء تو پہلے سے کہہ رہے ہیں کہ آپ کا وظیفہ شرعی ہے تو پھر میں اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہوں۔

تیسرا اقتباس

علامہ عارف حسین الحسینی ایک اور موقع پر فرماتے ہیں۔

جہاں تک قیادت کا مسئلہ ہے بخدا، بامیر المومنین، علماء سامنے موجود ہیں۔ میں نے یہ ذمہ داری فقط اپنی شرعی ذمہ داری سمجھ کر قبول کی ہے، اس کے علاوہ بامیر المومنین، بابی الفضل العباس، میرے لیے سوائے تکلیف اور دردِ سر کے ایک پیسے کا فائدہ نہیں ہے۔ میرا مدرسہ پاراچنار میں رہ گیا ہے۔ وہاں میرے جو دوسرے کام تھے سب مجھ سے چھوٹ گئے۔ میرے بچے میرے سب عزیز و رشتہ دار، مجھ سے بچھڑ گئے ہیں یعنی اب میں ان کے پاس زیادہ نہیں جا سکتا اور یہ فقط اس لیے ہے کہ یہ وظیفہ شرعی ہے اور میں اپنی ملت مظلومہ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ چونکہ میرے مولا، سرور کائنات، حیدر کرار، امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ آپ نے ایک دفعہ ابن عباسؓ سے کہا کہ اے ابن عباس! اس پھٹی پرانی جوتی کی کیا قیمت ہوگی؟ اس نے کہا ''لاقیمۃ لہا'' اس کی تو کوئی قیمت نہیں، تو مولا نے فرمایا کہ آپ کی یہ حکومت وخلافت میرے نزدیک اس جوتی کے برابر بھی نہیں ہے مگر میں نے اس حکومت وخلافت کو صرف اس لیے قبول کیا ہے کہ حق کو زندہ کروں اور باطل کو مٹا دوں۔ عزیزان! میں بھی اسی امیر المومنین علیہ السلام کا ماننے والا ہوں۔ میں نے بھی یہ ذمہ داری صرف اور صرف اس لیے قبول کی ہے کہ اس کے ذریعے اپنی قوم کی خدمت کروں یہاں تک کہ میرے اس ناقابل خون کے ذریعے اس ملت کا کام بن جائے اور اس

کے حقوق مل جائیں تو میرے لیے فخر ہوگا کہ ملتِ جعفریہ کے لیے اپنا خون بہادوں۔

آج بھی اگر فقیہِ جامع الشرائط، امام خمینی روحی لہ الفداء یا کوئی اور فقیہ جامع الشرائط مجھے کہہ دے کہ ابھی آپ کا وظیفہ شرعی یہ نہیں ہے تو بامیر المومنین ، میں اسی جگہ دو رکعت نماز شکرانہ پڑھ کر وہیں سے اپنے مدرسے چلا جاؤں گا۔ یہاں پر میری کوئی شخصی غرض نہیں ہے سوائے خدا، قرآن، امام زمان علیہ السلام اور ملتِ محرومہ کے۔ میں آپ کے سامنے، اس سٹیج پر آپ سب بھائیوں کی طرف اُخوت اور برادری کا ہاتھ بڑھاتا ہوں کہ آو مل کر خدا کے لیے ملتِ مظلومہ کے لیے کام کریں اور اپنی شخصی اغراض کو چھوڑ دیں کیونکہ آج ہر میدان میں دشمن ہمیں چیلنج دے رہا ہے۔

چوتھا اقتباس

علامہ عارف حسین الحسینی ایک اور موقع پر فرماتے ہیں۔ قیادت، فقط وسیلہ ہے:

میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ ایک مقصد ہوتا ہے اور ایک وسیلہ ہوتا ہے۔ قیادت و رہبری بلند اہداف کے حصول کی خاطر ایک وسیلہ ہے اور ہمارے لیے یہ ایک ٹکہ کی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہمارا مقصد و ہدف، ملتِ جعفریہ کے حقوق کا تحفظ اور فقہ جعفریہ کا نفاذ ہے۔ آج امریکہ ہو یا اس کے ایجنٹ ہوں، ان کی یہ خواہش ہے کہ ہم لوگ رہبریت کے مسئلے میں الجھے رہیں اور اسی میں مشغول رہیں اور اپنے اصلی ہدف ومقصد کو بھلادیں لیکن میں اعلان کرتا ہوں کہ اے دشمنانِ ملتِ جعفریہ! سن لو کہ ہم قیادت اور وسیلے کو مقصدِ نفاذ فقہ جعفریہ پر قربان کر سکتے ہیں لیکن کبھی اپنے مقصد کو بھول نہیں سکتے

میں اپنے بھائیوں سے یہی گزارش کروں گا کہ آپ صرف اور صرف خدا، اہل بیت اطہار علیہم السلام، امام زمانہ علیہ السلام اور اس ملتِ مظلومہ کے لیے کام کریں اور کسی کی باتوں یا تحریروں کی ہرگز پرواہ نہ کریں، اگر اس کے علاوہ آپ کسی اور کے لیے کام کریں گے تو بخدا اس پر اہل بیت علیہم السلام ناراض ہوں گے اور امام زمانہ علیہ السلام ناراض ہوں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہر میدان میں ملتِ جعفریہ کے لیے کام کریں اور جو بھی اس راستے میں ہمارا ساتھ دے وہ ہمارا بھائی اور ہمارا دست و بازوئے شمشیر ہے۔ ہم اس کے ساتھ مل کر کام کریں گے، اگر وہ ہمارے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتے تو نہ کریں، بے شک میدان چھوڑ دیں، ہم تو اس ملتِ محرومہ کی خدمت سے ہاتھ نہیں کھینچیں گے کیونکہ ہمارا اصلی مقصد ہی خدمت ہے۔

جہاں تک قیادت کا مسئلہ ہے تو اس بارے میں جیسا کہ مولا علی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی پرانی جوتی مرمت کرتے ہوئے کسی سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک اس کی کیا قیمت ہوگی؟ تو اس نے کہا کہ مولا! اس کی کیا قیمت ہوسکتی ہے، یہ تو بالکل بے قیمت سی چیز ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے اوپر حکومت میرے نزدیک اس جوتی کے برابر بھی قدر و قیمت نہیں رکھتی مگر یہ کہ عدل کو برقرار کروں اور ظلم کو مٹادوں تو مولا کے نزدیک اس خلافت و قیادت کی قدر و قیمت اس پھٹی پرانی جوتی جتنی بھی نہیں، تو ہم بھی آپ سے یہی کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بھی یہ قیادت، خدمت کا ایک ذریعہ ہے اور اس کے علاوہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

پانچواں اقتباس

علامہ عارف حسین الحسینی ایک اور موقع پر قیادت کے انتخاب سے متعلق واقع بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔:

جس دن میں کُرم ایجنسی سے نکلا ہوں تو میں نے کہا تھا کہ اس راستے میں میری عزت، میرا سر، میری ناموس اور میری ہر چیز ملتِ جعفریہ پر قربان ہے۔ مفتی جعفر صاحب کے ساتھ جتنی میٹنگیں ہوئی تھیں۔ ہم نے سپریم کونسل کے ممبر کے عنوان سے ان میں شرکت کی تھی حتیٰ کہ اسلام آباد کنونشن میں آپ کو پتا ہے کہ ہم آخری وقت تک موجود رہے تھے حتیٰ اس وقت جب دن کے وقت مفتی صاحب مل نہیں رہے تھے۔ یہی میجر شجاعت جو آج اُس طرف ہے ہماری سپریم کونسل کی طرف سے مامور ہوئے کہ فوجی کمانڈر سے بات کریں تو ہم دونوں فوجی کمانڈر کے پاس چلے گئے۔ ادھر لوگوں میں

نا امیدی تھی اور لوگ مایوس ہو گئے تھے، میں جب وہاں سے واپس آیا تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ابھی کیا کریں! میرے اس وقت بھی یہی الفاظ تھے (دوسرے لوگوں سے بھی آپ پوچھ سکتے ہیں) میں نے کہا کہ اگر اسلام آباد سے ہم ایسے ہی اٹھ کر چلے گئے تو ہم زندہ تو بچ جائیں گے لیکن یہ ایسے ہوگا جیسے ہم ملتِ جعفریہ کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر دیں۔

اگر ادھر گولیاں چلیں، ٹھیک ہے کہ ہمارے افراد مر جائیں گے لیکن ملت جعفریہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جائے گی۔ ہم افراد کی موت قبول کر سکتے ہیں لیکن ملتِ جعفریہ کی موت ہمیں قبول نہیں۔

!ہم آج پھر یہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ ذمہ داری اپنا وظیفہ شرعی سمجھ کر قبول کی ہے، اگر ایک فقیہ جامع الشرائط یا پانچ آدمی (کہ جن کی شرائط میں نے متعین کر دی ہیں) مجھے کہہ دیں کہ تمہارا وظیفہ شرعی یہاں سے جانا ہے اور قیادت کو چھوڑنا ہے تو بخدا اسی جگہ، میں قیادت اور ہر چیز کو خدا حافظ کہوں گا اور خدا کی درگاہ میں شکر کروں گا۔

کراچی میں ایک سوال کے جواب میں شہید کا کہنا تھا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

میں نے علمائے ہیئت ائمہ جمعہ میں بھی یہ بات عرض کی تھی کہ خدا شاہد ہے کہ جو ذمہ داری میرے کندھوں پر آ گئی ہے۔ اس کے لیے میں نے ایک قدم تو چھوڑ و ایک بالشت بھی کوشش نہیں کی ہے۔ میں تصور بھی نہیں کرتا تھا کہ یہ ذمہ داری مجھ پر آ پڑے گی۔ جب ہم پاراچنار سے آ رہے تھے تو پاراچنار میں ہمارے پیش نماز مولانا شیخ علی مدد اور مولانا محمد بشیر صاحب ہمارے ساتھ تھے، ہم ایک ہی گاڑی میں تھے اور آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے کہ اب تحریک کے امور کو چلانے کے لیے ایک شوریٰ ہونی چاہیے اور ہم وہاں شوریٰ رہبری کے حق میں رائے دیں گے اور ان کی تائید کریں گے۔ یہ ہمارا فیصلہ تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو بعض رفقاء نے ہمارا نام پیش کیا تو میں نے وہاں پر مخالفت کی کہ پاراچنار میں ہمارے لیے بہت زیادہ مسائل ہیں اور وہاں اس وقت ہمارے رفقاء مولانا علی مدد صاحب، مولانا عابد حسین صاحب، مولانا محمد بشیر صاحب یا دوسرے جوان جو ہمارے ساتھ تعاون کر رہے ہیں، وہ بہت محدود تعداد میں ہیں، اس لیے میں نے برادران سے درخواست کی کہ مجھے اس ذمہ داری سے دور رکھیں۔ اس کے باوجود وہاں موجود بہت سے علماء نے زور دیا کہ آپ اس ذمہ داری کو قبول کر لیں لیکن میں نے بہت اصرار کیا کہ میں اسے قبول نہیں کرتا! آخر میں بزرگ علماء آئے اور انہوں نے مجھے کہا کہ یہ آپ کا وظیفۂ شرعی ہے کہ آپ اس ذمہ داری کو قبول کریں تو اس وقت میں نے محض ملتِ جعفریہ کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ان علماء، جن کے تقدس، تقویٰ اور خلوص پر مجھے یقین ہے ان کے کہنے پر (کہ یہ آپ کا وظیفۂ شرعی ہے) میں نے یہ ذمہ داری قبول کی ہے، نہ کہ اب جیسے بعض جگہوں پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ میں ایک سازش کے تحت آیا ہوں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں کسی سازش کے تحت نہیں آیا بلکہ اپنا شرعی وظیفہ سمجھ کر سازش کو ختم کرنے کے لیے آیا ہوں۔

چھٹا اقتباس

ایک اور مقام پر یوں گفتگو کی

آپ کے یہ احساسات وجذبات، میں کیا عرض کروں، خدا شاہد ہے کہ جب میں آپ جوانوں، آپ بچوں اور آپ بوڑھوں وخواتین کے یہ احساسات و جذبات دیکھتا ہوں تو میں اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہوں اے نفس! اے حسینی! دیکھو یہ ملت جعفریہ کے افراد کس طرح اپنے حقوق لینے کے لیے، خلوص وجذبے کے ساتھ آپ کو اپنے جذبات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ آپ سے ہم یہی توقع رکھتے ہیں، آپ کے احساسات وجذبات میری مسئولیت کو زیادہ اور سنگین کرتے ہیں اور میں اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو کر اپنے پیشوایان، ائمہ اطہار علیہم السلام بالخصوص ناموس دھر، قلبِ عالمِ امکان، رابطہ فیض بین خالق ومخلوق، حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر گدائی کا ہاتھ بلند کرتا ہوں۔ اے امامِ زماں! اس ملت کی رہبری کیسے افراد کے کندھوں پر تھی۔ اس ملت کی رہبری تو شیخ مفیدؒ نے کی ہے۔

اس ملت کے رہبر تو سید مرتضیٰ جیسی عظیم شخصیت کر چکے ہیں۔ اس ملت کی رہنمائی تو شیخ انصاریؒ اور شیخ طوسیؒ نے کی ہے۔ اے خدا! اے امام زمان! اس ملت کی آرزو محمد باقر الصدر شہیدؒ سے وابستہ تھی۔ اے خدا! اس ملت کی رہبری کا علم تو خمینی عظیمؒ کے کندھوں پر ہے۔ آج مجھ جیسا ضعیف و ناتواں کس طرح جرأت کر سکتا ہے، کس طرح میں اپنے لیے یہ لفظ کہہ سکتا ہوں!

اے مومنین کرام! خدا شاہد ہے کہ میں صرف وظیفہ شرعی سمجھتے ہوئے آپ کی خدمت کے لیے میدان میں آیا ہوں، نہ کسی اور مقصد کے لیے۔ اگر میر ا دنیاوی مقصد ہو تو میرے سر پر خاک ہو کہ میں آپ کے ان پاک احساسات وجذبات سے مادی اور ناجائز فائدہ اٹھاؤں!

ساتواں اقتباس

ایک تنظیمی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے شہید حسینی فرماتے ہیں۔

ہم تنظیم کے حق میں ہیں۔ تنظیم آج کی ضروریات میں سے ہے لیکن جیسا کہ میں نے صبح بھی عرض کیا ہم انہیں صرف اپنے مقاصد کے حصول کی حد تک قبول کرتے ہیں، نہ یہ کہ خود ان تنظیموں کو مقصد بنا کر اپنے لیے ذریعہ آمدن بنائیں اور اپنے حقیقی مقصد سے دور ہو جائیں۔ ان تنظیموں میں عہدے بھی اس اہم اور اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے محض وسیلے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمیں انہیں اسی نگاہ سے دیکھنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہیں ہم انہیں مقصد خیال کرتے ہوئے اپنے حقیقی اہداف کو ان پر قربان کر دیں۔ سب تنظیموں کو چاہیے کہ وہ مل جل کر کام کریں، نہ یہ کہ ایک دوسرے کے مقابلے میں آکر ایک دوسرے کے خلاف کام کریں۔ اگر ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی ہو گئی تو پھر یہ تنظیمیں اپنے مقصد وہدف کو اپنے ذاتی اغراض ومقاصد پر قربان کر دیں گی لہٰذا آپ حضرات جو یہاں تشریف فرما ہیں اور اپنی اپنی تنظیموں کی نمائندگی کر رہے ہیں، ہم آپ سے یہی عرض کریں گے کہ تنظیم کو وسیلہ سمجھیں نہ کہ مقصد اور اگر ایسا وقت آئے کہ جب تنظیم اور اہداف کا ٹکراؤ ہو تو تنظیم کو ہدف پر قربان کر دیں نہ کہ ہدف کو تنظیم پر!

ہم تو پہلے دن سے یہ کہتے چلے آرہے ہیں کہ ایک ہوتا ہے ہدف ومقصد اور ایک ہوتا ہے وسیلہ۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ ہمارے نزدیک یہ قیادت وغیرہ (مجھے تو یہ الفاظ بھی پسند نہیں ہیں کہ انہیں زبان پر لاؤں لیکن کیا کروں مطلب سمجھانے کے لیے زبان پر لانا پڑتے ہیں) وسیلہ ہے اور ہمارا ہدف و مقصد پاکستان میں نفاذِ فقہ جعفریہ اور ملتِ محرومہ کے حقوق کا تحفظ ہے۔ اب کچھ بیرونی ہاتھ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ ہمیں وسیلہ کے مسئلے میں الجھائیں اور ہمیں اسی مسئلے میں مشغول کر دیں تا کہ ہم اصلی مقصد کو بھول جائیں، اپنے اساسی اور بنیادی مسائل سے دور ہو جائیں لیکن ہم نے کہہ دیا ہے کہ جو بھی یہ کوشش کرتا ہے، وہ سن لے کہ ہم اسے مقصد نہیں سمجھتے لہٰذا ہم قیادت کو تو اپنے مقصد پر قربان کر سکتے ہیں لیکن اپنے مقصد کو ہرگز وسیلے اور قیادت پر قربان نہیں کریں گے۔ ہماری نظروں میں قیادت کی کوئی حیثیت نہیں، وسیلہ اور ذریعہ ہونے کے علاوہ اس کی کوئی قیمت بھی نہیں۔

آپ بھی تنظیم کو ذمہ داری سمجھیں اور اسے اپنے لیے امتحان سمجھیں۔ بخدا یہ سب چیزیں امتحان کا ذریعہ ہیں۔ بعض اوقات مال ودولت انسان کے لیے امتحان کا باعث ہوتے ہیں اور خدا اپنے بندوں کا اس کے ذریعے امتحان لیتا ہے جبکہ بعض اوقات فقیری، بیماری یا کرسی انسان کے لیے وسیلۂ امتحان بن جاتی ہیں، خدا بحق محمد وآلِ محمد علیہم السلام (ہم تو خود مریض ہیں) اس امتحان میں سب کی سرخ روئی اور کامیابی وسرفرازی کے لیے خود ہماری مدد فرمائے۔

اِلٰهِی لَا تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ اَبَدًا

پروردگار ہمیں لحہ بھر کے لیے بھی ہمارے حال پر نہ چھوڑ!

اب جبکہ یہ تنظیمیں، تحریکیں اور یہ کرسی، ہم اور آپ کے لیے آزمائش ہے تو آپ نے دیکھا ہے کہ جس شخص کا امتحان ہو، وہ بہت ہوشیار رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا پیر پھسل جائے اور وہ ناکام ہو جائے۔ ہم لوگوں کو بھی ہوشیار رہنا چاہیے۔ اگر ہم نے تھوڑی سی بھی غفلت کی تو ہو سکتا ہے کہ ہمارا پیر پھسل جائے کیونکہ قدم قدم پر بہت سے شیطان ہمیں پھنسانے کے لیے بیٹھے ہیں۔

اس ملت کے رہبر تو سید مرتضیٰ جیسی عظیم شخصیت کر چکے ہیں۔ اس ملت کی رہنمائی تو شیخ انصاریؒ اور شیخ طوسیؒ نے کی ہے۔ اے خدا! اے امام زمان! اس ملت کی آرزو محمد باقر الصدر شہیدؒ سے وابستہ تھی۔ اے خدا! اس ملت کی رہبری کا علم تو خمینی عظیمؒ کے کندھوں پر ہے۔ آج مجھ جیسا ضعیف و ناتواں کس طرح جرأت کر سکتا ہے، کس طرح میں اپنے لیے یہ لفظ کہہ سکتا ہوں!

اے مومنین کرام! خدا شاہد ہے کہ میں صرف وظیفہ شرعی سمجھتے ہوئے آپ کی خدمت کے لیے میدان میں آیا ہوں، نہ کسی اور مقصد کے لیے۔ اگر میر ادنیاوی مقصد ہو تو میرے سر پر خاک ہو کہ میں آپ کے ان پاک احساسات وجذبات سے مادی اور ناجائز فائدہ اٹھاؤں!

ساتواں اقتباس

ایک تنظیمی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے شہید حسینی فرماتے ہیں۔

ہم تنظیم کے حق میں ہیں۔ تنظیم آج کی ضروریات میں سے ہے لیکن جیسا کہ میں نے صبح بھی عرض کیا ہم انہیں صرف اپنے مقاصد کے حصول کی حد تک قبول کرتے ہیں، نہ یہ کہ خود ان تنظیموں کو مقصد بنا کر اپنے لیے ذریعہ آمدن بنائیں اور اپنے حقیقی مقصد سے دور ہو جائیں۔ ان تنظیموں میں عہدے بھی اس اہم اور اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے محض وسیلے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمیں انہیں اسی نگاہ سے دیکھنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہیں ہم انہیں مقصد خیال کرتے ہوئے اپنے حقیقی اہداف کو ان پر قربان کر دیں۔ سب تنظیموں کو چاہیے کہ وہ مل جل کر کام کریں، نہ یہ کہ ایک دوسرے کے مقابلے میں آ کر ایک دوسرے کے خلاف کام کریں۔ اگر ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی ہوگئی تو پھر یہ تنظیمیں اپنے مقصد و ہدف کو اپنے ذاتی اغراض و مقاصد پر قربان کر دیں گی لہٰذا آپ حضرات جو یہاں تشریف فرما ہیں اور اپنی اپنی تنظیموں کی نمائندگی کر رہے ہیں، ہم آپ سے یہی عرض کریں گے کہ تنظیم کو وسیلہ سمجھیں نہ کہ مقصد اور اگر ایسا وقت آئے کہ جب تنظیم اور اہداف کا ٹکراؤ ہو تو تنظیم کو ہدف پر قربان کر دیں نہ کہ ہدف کو تنظیم پر!

ہم تو پہلے دن سے یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ ایک ہوتا ہے ہدف و مقصد اور ایک ہوتا ہے وسیلہ۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ ہمارے نزدیک یہ قیادت وغیرہ (مجھے تو یہ الفاظ بھی پسند نہیں ہیں کہ انہیں زبان پر لاؤں لیکن کیا کروں مطلب سمجھانے کے لیے زبان پر لانا پڑتے ہیں) وسیلہ ہے اور ہمارا ہدف و مقصد پاکستان میں نفاذِ فقہ جعفریہ اور ملتِ محرومہ کے حقوق کا تحفظ ہے۔ اب کچھ بیرونی ہاتھ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ ہمیں وسیلہ کے مسئلے میں الجھائیں اور ہمیں اسی مسئلے میں مشغول کر دیں تاکہ ہم اصلی مقصد کو بھول جائیں، اپنے اساسی اور بنیادی مسائل سے دور ہو جائیں لیکن ہم نے کہہ دیا ہے کہ جو بھی یہ کوشش کرتا ہے، وہ سن لے کہ ہم اسے مقصد نہیں سمجھتے لہٰذا ہم قیادت کو تو اپنے مقصد پر قربان کر سکتے ہیں لیکن اپنے مقصد کو ہرگز وسیلے اور قیادت پر قربان نہیں کریں گے۔ ہماری نظروں میں قیادت کی کوئی حیثیت نہیں، وسیلہ اور ذریعہ ہونے کے علاوہ اس کی کوئی قیمت بھی نہیں۔

آپ بھی تنظیم کو ذمہ داری سمجھیں اور اسے اپنے لیے امتحان سمجھیں۔ بخدا یہ سب چیزیں امتحان کا ذریعہ ہیں۔ بعض اوقات مال و دولت انسان کے لیے امتحان کا باعث ہوتے ہیں اور خدا اپنے بندوں کا اس کے ذریعے امتحان لیتا ہے جبکہ بعض اوقات فقیری، بیماری یا کرسی انسان کے لیے وسیلۂ امتحان بن جاتی ہیں، خدا بحق محمد و آلِ محمد علیہم السلام (ہم تو خود مریض ہیں) اس امتحان میں سب کی سرخ روئی اور کامیابی و سرفرازی کے لیے خود ہماری مدد فرمائے۔

اِلٰهِی لَا تَکِلْنَا اِلٰی اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَیْنٍ اَبَدًا

پروردگار ہمیں لحہ بھر کے لیے بھی ہمارے حال پر نہ چھوڑ!

اب جبکہ یہ تنظیمیں، تحریکیں اور یہ کرسی، ہم اور آپ کے لیے آزمائش ہے تو آپ نے دیکھا ہے کہ جس شخص کا امتحان ہو، وہ بہت ہوشیار رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا پیر پھسل جائے اور وہ ناکام ہو جائے۔ ہم لوگوں کو بھی ہوشیار رہنا چاہیے۔ اگر ہم نے تھوڑی سی بھی غفلت کی تو ہو سکتا ہے کہ ہمارا پیر پھسل جائے کیونکہ قدم قدم پر بہت سے شیطان ہمیں پھنسانے کے لیے بیٹھے ہیں۔

شہید علامہ عارف حسین الحسینیؒ پر مطبوعہ مواد

(ادارہ)

شہید علامہ عارف حسین الحسینی رح کی شہادت 5، اگست 1988 کو ہوئی، اسی دن سے ہی آپ کے آثار کی جمع آوری کا کام شروع ہو گیا تھا۔ اس کام کی اہمیت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا جب امام خمینی رح نے اپنے تعزیتی پیغام میں اس کام کے کرنے کی تاکید فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں" میں انہیں اس امر کی تاکید کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ وہ شہید راہ حق (علامہ عارف حسین الحسینی) کے افکار کو زندہ رکھیں"۔ امام خمینی رضوان اللہ علیہ۔"پہلی کتاب جو شہید پر شائع ہوئی ہے وہ امامیہ آرگنائزیشن کی طرف سے ہے جسے سید غضنفر کاظمی مرحوم نے مرتب کیا تھا (آپ نے قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم پر بھی کتاب مرتب کی تھی۔) اس پر 29 اگست 1988ء کی تاریخ درج ہے۔ اسی طرح شہید پر ایک کتابچہ ملتان سے شائع ہوا تھا جو شہید کے چہلم پر موجود تھا۔ شہید کے آثار جمع کرنے کے لیے" شہید فاؤنڈیشن" کا قیام عمل میں آیا۔ اس میں سابقہ سینیٹر علامہ جواد ہادی، علامہ اسد رضا بخاری، سید ثاقب اکبر، سید امجد علی کاظمی، علی وجدان مرحوم اور سلمان باقر نمایاں ہیں۔ انہوں نے دستیاب مواد جو کہ کیسٹس، اخبارات اور دفتری دستاویز سے کئی کتب مرتب کیں۔ جن میں سے بعض شائع ہو گیں بعض ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آسکیں، شہید فاؤنڈیشن نے چار کتب شائع کیں ہیں۔ افکار زندہ دو جلدوں میں، پہلی جلد میں علامہ جواد ہادی کا مقدمہ بھی ہے جو شہید کی زندگی اور دور قیادت پر ایک چشم کشا تحریر ہے۔ یہ موضوعات کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہیں۔ قتیل سحر، شہید حسینی رح کے بارے منظوم کلام کو قتیل سحر" کے نام سے جمع کیا گیا ہے۔ عکس نور کے نام سے شہید کی تصاویر کو شائع کیا گیا۔ جو کتب تیار ہیں مگر شائع نہیں ہو سکیں ان کی تعداد دو ہے۔"شہید عارف حسین الحسینی پاکستانی صحافت کے آئینہ میں، جسے نبیرہ علامہ محمد حسین آزاد سلمان باقر نے مرتب کیا ہے اور ایک کتاب،، اخلاق حسینی،، ہے۔ جنہوں نے شہید حسینی رح کے آثار کو دل لگا کر جمع کیا

ان کا نام ہے علامہ غلام شبیر بخاری صاحب۔ آپ کے جمع کردہ آثار میں سے شہید علامہ عارف حسین الحسینی رح کی تقاریر کو مختلف عنوانات کے تحت شائع کیا گیا۔

1- پیام نور 2- میثاق خون 3- سخن عشق 4- اسلوب سیاست 5- گفتار صدق 6- اداب کارواں 7- دعاء کمیل، یہ کتب العارف اکیڈمی کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہیں۔ اس اکیڈمی کے پاس شہید قائد کے جمع کردہ آثار پہ مشتمل بہت زیادہ مواد ہے جسے شائع کرنے کے بے حد مثبت اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ ان میں شہید حسینی رح کے انٹرویوز، پریس کانفرنسز، شہید کے بارے میں شخصیات کے انٹرویوز، شہید کی غیر مطبوعہ تقاریر، اور تصاویر بھی شامل ہیں۔ اکیڈمی شہید کے مطبوعہ کتابوں کو جدید خطوط پر شائع کر رہی ہے اور غیر مطبوعہ آثار کی اشاعت کے لیے پر عزم ہے۔ سفیر نور جسے تسلیم رضا خان صاحب نے مرتب کیا ہے۔ اس میں شہید کے حالات زندگی، دور قیادت، شہادت و مقدمہ شامل ہیں۔ اس سے اخذ شدہ کتاب" قتیل سحر" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ نقیب وحدت، جسے سید نثار علی ترمذی نے 2011ء میں مرتب کیا ہے۔ اس شہید حسینی رح کے افکار وحدت کو جمع کیا گیا ہے۔ مثالی لوگ (15) شہید عارف الحسینی، اسے"صبح امید" کے نام سے یوشع ظفر حیاتی نے تالیف کیا ہے۔ شہید حسینی رح پر ایک کتاب فارسی زبان میں موسسہ شہید عارف حسین الحسینی رح نے مرتب و شائع کی ہے اسی طرح ایک کتابچہ عربی زبان میں بھی شائع ہوا ہے۔ انگریزی زبان میں بھی کام ہوا ہے۔ ایم فل و پی ایچ ڈی کی سطح کی تحقیق ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے۔ شہید کے نام سے ان کے آثار پہ مشتمل ایک بڑی ویب سائٹ جلد ہی عوام وخواص کے استفادہ کیلئے لانچ ہونے جا رہی ہے جس پہ العارف اکیڈمی کے مسئولین کام کر رہے ہیں

وہ جن سے ملاقات رہی

مختلف شخصیات کے شہید کے کردار و عمل بارے تاثرات

انٹرویو مولانا عبدالقدوس

اعوذ باللہ من شیطان الرجیم

میرا نام عبدالقدوس ہے اور میں جماعت اسلامی کا پرانا کارکن رہ چکا ہوں اور مختلف مواقع پر جماعت اسلامی کی امارت و مسطیر تنویں کی عہدہ پر رہ چکا ہوں۔ کچھ ایسا وقت بھی آیا تھا کہ خود اہلسنت میں جو اختلافات تھے اس کی وجہ سے کافی پریشان تھا۔ مختلف مسائل کا جہاں تک تعلق ہے اور میں سرسری طور پر کچھ کہوں گا کہ مثال کے طور پر ہاتھ باندھنے کا تعلق ہے۔ کوئی کہتا ہے ناف پر کوئی کہتا ہے ناف کے اوپر کوئی کہتا ہے ناف کے نیچے ہے پھر متنازع مسئلہ ہے آیا ہاتھ کھول کر پڑھی جائے۔ دعائے قنوت کا پھر مسئلہ ہے کہ آیا یہ ہاتھ کھول کر پڑھی جائے یا ہاتھ باندھے پڑھی جائے یا کوئی کہتا ہے کہ بالکل نہ پڑھیں۔ ایک اور مسئلہ خون بہنے اور شکر کرنے بدون وضو، نماز پڑھنا کفر کے مترادف ہے کوئی کہتا ہے نہیں کفر نہیں ہے اور دوسری بات طلاق کے متعلق کچھ سنی کہتے ہیں کہ اگر تین مرتبہ طلاق کہا جائے تو طلاق ہو جاتی ہے اور دوسرا مؤلف گروہ اس کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر بیس مرتبہ بھی طلاق ایک وقت کہی جائے تو وہ ایک دفعہ حساب ہوگی اور کچھ رسول اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ایک ماہ ایک طلاق دیں اور اس طرح قرآن کے متعلق کچھ اور قرآن کے شان نزول متعلق بھی کافی مسائل تھے اور ردو تردید کا مسئلہ اس میں جاری تھا کہ اس میں راویوں کے بارے میں مسائل کہ آیا یہ راوی صحیح ہے آیا اس کی بات یا حدیث صحیح نقل ہوئی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ نہیں۔ مثلاً یہ دیوانہ تھا یا اور اس طرح کی باتیں۔ ایک بہت بڑی حدیث وارد ہوئی ہے وہ ''انی تارکم فیکم الثقلین کتاب اللہ و سنتی'' دوسری جگہ ہے کتاب اللہ و عترتی پڑھا گیا ہے جب میں نے اس حدیث کو دیکھا تو ذہن میں زور دے کر ایک جگہ پے بیٹھ کر ان باتوں سے بددل سا ہو گیا اور اس عنوان سے میں چاہتا تھا کہ اتحاد بین المسلمین کا سلسلہ ہونا چاہیے۔ آخر اختلاف کیوں اس سلسلے میں اہل حدیث سے بھی ملا اور ان کا آئیڈیا بھی ہوا اور پھر میں اس کے بعد میں چاہتا ہے کہ کسی شیعہ عالم سے ملنا چاہیے کہ وہ کس طرح نماز پڑھتے، وضو کرتے ہیں۔ تو اسی تلاش میں کسی نے لکھا کہ ایک مسجد خداداد میں ہے۔ آپ شام کو وہاں چلے جائیں اور دیکھیں کس طرح نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے عالم سے بھی وہیں ملیں۔ میں جمعہ کی رات تھی اور یہ سن 1984ء کی بات تھی میں نے دور سے تو شیعہ عالم کو دیکھا تھا لیکن نزدیک سے یہ پہلی بار تھا۔ مسجد میں گیا اور نماز پڑھی اور نماز کے بعد دعائے کمیل کے نام سے ایک دعا ہوئی اس دوران میں سوچ رہا تھا کہ ایک چھوٹی مسجد کا اتنا خوبصورت امام اور بہترین عربی بول رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ دعا کے

بعد ان سے گفتگو بھی کرتا ہوں اور اسے دعوت بھی دیتا ہوں لیکن نماز کے بعد سلام کے بعد مولانا چلے گئے اور میں بھی چلا گیا۔ پھر دوبارہ کل نماز کے لیے گیا تو وہ مولانا نہیں تھے بلکہ ایک دبلے پتلے اور مولانا نظر آئے میں نے اس سے پوچھا کہ کل والے مولانا کہاں گئے تو اس نے بتایا کہ وہ تو قائد ملت تھا وہ تو سید عارف حسینی تھا ار میرا نام مد۔۔۔ ہے۔ میں نے سوچا کہ اتنی چھوٹی مسجد میں ایسا عالم، اگر چہ میں ایک سیاسی عنوان اور مذہبی عنوان کیونکہ اور بھی اہل سنت مذہب سے میرا تعلق ہے اور میں کافی علماء سے بھی ملا ہوا جن میں مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابوالکلام سے ملاقات بھی ہوئی ہے اور مفتی اعظم فلسطین امین حسینی سے بھی ملا ہوں اور علامہ مشرقی کے پیچھے بھی نماز پڑھی ہے۔ مولانا عطاء اللہ کی بھی پوری رات تقریریں سنی ہیں اور مولانا مودودی کے ساتھ کئی بار ایک ٹیبل پہ بیٹھنے اور شوریٰ اور مجلس عاملہ کے اجلاس کا شرف حاصل ہوا ہے اور اس طرح کافی علماء کے ساتھ بھی ملا ہوں اور ان میں جو میں نے خوبصورتی اور ایک انداز دیکھا تھا تو میں تقریباً تقریباً یک جا پایا لیکن مجھے ایک محبت اگر چہ عارف حسینی مجھے چھوٹے تھے لیکن جہاں بھی سنتا تھا میں جاتا تھا۔ اسے ملتا تھا اور تقریریں سنتا تھا میں علامہ صاحب کے متعلق یہ رائے قائم کی کہ یہ بہت اچھے علامہ ہیں۔ ان کو مکمل عبور ہے۔ اس پر نہ فقط ایک فقہ پر بلکہ پوری فقھوں پر۔ کیونکہ میں نے چار سال فقھوں کے بارے تحقیق کی تھی۔ فقہ حنفیہ، مالک، شیعہ، شافیہ اور صحاح ستہ بھی میں نے پڑھی تھی جن سے مجھے مشکوک کچھ ابھرے تو میں اکثر فقہ کے بارے میں اس سے بات کرتا تو گویا جیسے اس کو معلوم تھا اور دوسری بات جو میں نے نوٹ کی وہ عالم اسلام بین الاقوامی مسائل پر ان کو پوری طرح عبور تھا۔ کئی مرتبہ میں نے لبنان کے بارے میں اور وہاں کی سیاسی تحریکوں کے متعلق اور سنی و شیعہ کے متعلق تو وہ پوری تفصیل کے ساتھ بتاتے۔ فلسطین کے مطابق ایرٹیریا یا بھارت اور دوسرے ممالک کے حالات کے مطابق اگر میں پوچھتا تھا کہ کویت میں کتنے شیعہ اور کتنے سنی ہیں تو وہ بھی بتا دیتا تھا۔ تو اس لحاظ سے میں نے یہ سوچا کہ وہ بہت بڑے سیاست دان بھی ہیں اور ان کی پورے عالم اسلام پر نظر بھی ہے دوسری بات یہ ہے کہ علامہ صاحب بہت بڑے راست گو انسان بھی ہیں۔

میرے بدن میں اتنی قوت ہے کہ میں پیدل چل سکتا ہوں۔ میرے دماغ میں خداوند نے اتنی قوت دے رکھی ہے کہ میں بالکل تندرست ہوں۔ میں غریبی کے باوجود اور کمزوری کے باوجود میں غریب نہیں ہوں۔ میرے پیچھے بچے ہیں مزدوری کرتے ہیں اس معمولی روزی میں بھی خداوند نے زیادہ لذت عطا کی ہے تو بہت خوش ہوئے۔ اس طرح وہ میرے گھر تشریف لے آئے تو میں نے بتایا کہ میں چپل سازی اپنے ہاتھوں سے گانٹھ لیتا ہوں اور یہ گھر میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ یہ جو شہتیر ہیں سیمنٹ کے یہ میں نے زمین پر بنائے ہیں اور پھر بچوں سے اٹھوائے ہیں تو پھر سیمنٹ کے تختے رکھے ہیں تو اس سے وہ بہت خوش ہیں کہ مجھے اپنے لوگ پسند ہوتے ہیں تو یہ جو چیزیں آتی ہیں مسلمین کی اس کے دل میں جو تڑپ تھی وہ دلجوئی تھی۔ سنی علماء کے لیے جو کوشش کرتے تھے کہ ان لوگوں کے مسائل پیدا نہ ہوں ان کے لیے۔ تو ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں۔ ہمارے ایک رفیق تھے وہ جماعت اسلامی میں ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہی ہیں۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے حج کیا بادشاہ صاحب۔ تو اس نے کہا کہ نہیں تو اس کو کہا کہ آدھی رقم اگر آپ کریں تو آدھی رقم میں دیتا ہوں اور پھر انہوں نے آدھی رقم ادا کی لیکن ان کی بدقسمتی سے اس کے بعد وہ شہید ہو چکے تھے پھر وہ نہیں گئے۔ ابھی تک وہ بادشاہ زندہ ہیں جب اس کو بات کی تو اس کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ کہ میری قسمت میں حج نہیں تھا۔ ایک مرتبہ مجھ سے بھی پوچھا تو میں نے کہا کہ آقا صاحب میں نے خدا کے فضل سے حج کیا ہے۔ دوسری تو سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ ان کی باتیں تمام بڑی باتیں ہیں۔ ایک بات میں نے نوٹ کی جب وہ مجلس میں تشریف لاتے یا کوئی اجلاس ہوتا تو وہ باقاعدہ جس طرح سورۂ نمل کی آیت ہے ''وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ''، جس طرح حضرت سلیمانؑ نے نظر دوڑائی اور ھدھد نہیں تھا تو ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ مجھے ھدھد نظر نہیں آ رہا آیا وہ یہاں نہیں ہے۔ تو اسی طرح وہ مجلس ''اجلاس'' میں نظر رکھتے تھے کہ فلاں شخص کیوں

نہیں آیا یا پھر وہ پوچھتے خدانخواستہ کوئی تکلیف تھی۔شاہ۔۔۔۔۔کے والد بیمار تھے تو وہ ان سے احوال پرسی کے لیے ہسپتال گئے اور وہاں شاہ۔۔۔۔ سے پوچھا کہ میرا کہا وہ کہاں ہیں؟ تو اس نے کہا مجھے معلوم نہیں خدانخواستہ وہ بیمار نہ ہوں تو اسی رات مجھے اشتباہ ہوا کہ دروازہ کھٹکتا اور آقا صاحب خود بنفسِ نفیس تشریف لے آئے تو میں حیران رہ گیا تھا کہ خداوندا یہ کتنا بڑا آدمی ہے کتنے کمزور اور پست لوگوں کا اتنا خیال رکھتا ہے۔ مجھے ایک مرتبہ اسلام آباد دو گھنٹے وہاں کوئی پروگرام تھا غالباً یہ مختلف علاقوں کے تربیتی یونٹ آئے تھے۔ان کی ان کے سامنے تقریر تھی۔اگرچہ وہ تین چار روزہ پروگرام تھا۔ مجھے کہا میرے ساتھ چلیں۔ میں نے کہا اچھا، چلے گئے اچھا میں نے ان سے پوچھا آقا صاحب رات وہاں گزار دیں یا آئیں گے۔اس نے کہ نہیں واپس آئیں گے۔ان شاء اللہ۔تو میں نے کہا ٹھیک ہے۔تقریباً ہم دو بجے رات کو واپسی پہنچے تو مدرستہ کے راستہ کے قریب پہنچے تو میں نے کہا کہ آقا صاحب مجھے یہاں اتار دیں میں جاؤں گا مجھے کہا کہ آپ رات یہاں رہیں تو میں نے کہا کہ میں نے وعدہ کیا ہے کہ میں واپس آؤں گا۔ میں گھر جو بات بھی کرتا ہوں وہ پوری کرتا ہوں۔حقیقت ہے کہ خدا کے فضل سے ابھی تک کوئی وعدہ خلافی نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ میں ملتان سہ روزہ کنونشن میں گیا تھا تو وہاں پر کچھ رکاوٹ پیش آئی تو میں نے کہا کہ یہ مجھ سے رقم لیں اور کمنٹ لاہو کا تھا لیکن کیونکہ میں نے رات وعدہ کیا اور بچہ گھر نہیں کہ اچھے گئے ہیں تو میری دو تین بہو ہیں وہ پریشان ہو گئی تو اسی طرح میں نے کہا کہ آقا صاحب میں نے وعدہ کیا ہے تو عباس جوان کے ڈرائیور تھے۔میرا یہ خیال تھا کہ مجھے اتار دیں گے لیکن ڈرائیور کو کہا کہ اس رات میں کہ آپ اس کے گھر کی طرف جائیں تو میں نے کہا یہ قیمتی آدمی کیوں اتنا رسک لیتا ہے۔

انٹرویو از حاجی حسین علی کوئٹہ:

علمائے کرام سے ہمیشہ ہمارا سروکار رہا۔اٹھنا بیٹھنا علمائے کرام کے ساتھ رہا۔قائد مرحوم علامہ مفتی جعفر حسین کے دور میں بھی ہم علماء کے ساتھ رہے۔قائد مرحوم سے ملاقاتیں کیں۔شرف حاصل ہوتا رہا۔اور اسی طرح قائد شہید کے ساتھ بھی۔خصوصاً سانحہ کوئٹہ کے بعد ہم جتنے شہید کے قریب ہوتے گئے ہم نے قائد میں جاذبیت پائی۔ جتنے قریب ہوئے اتنے ہی جذب ہوئے۔قائد سانحہ کے بعد کوئٹہ تشریف لائے تو ان دنوں میں ہم زندان میں تھے۔رہائی کے بعد جب ہم نے آپ کے ساتھ مل کر دیگر اسیروں کی رہائی کی بات کی تو دوبارہ ہمیں گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی لیکن ہم نے پکڑائی نہ دی۔راولپنڈی مدرسہ آیۃ الحکیم میں شہید سے ملاقاتیں ہوئیں۔خصوصاً کراچی میں جو کنونشن منعقد ہوا تھا اس میں بندہ نے شرکت کی اور بلوچستان کی رپورٹ پیش کرنے کا اعزاز مجھے حاصل ہوا۔ان دنوں اسیران کی رہائی اہم مسائل میں سے تھی اور یہ ہی زیر بحث تھی۔نتیجتاً قائد نے اعلان کیا جو لانگ مارچ کے نام سے تھا اور جہاں تک میری معلومات میں ہے اس لانگ مارچ کے اعلان کا نتیجہ تھا کہ ضیاء کی جابر و ظالم حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور اسیران اس شان وشوکت سے آزاد ہوئے کہ جس کی بلوچستان کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ اس رہائی کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے جو اس دور میں موجود تھے۔رہائی کے دوسرے یا تیسرے دن قائد کوئٹہ تشریف لائے۔شاندار استقبال ہوا۔اور علمدار روڈ کے آخر پہ جو قبرستان ہے وہاں شہید نے خطاب فرمایا۔

اس کے بعد جب بھی قائد کوئٹہ تشریف لائے تو مجھے یہ سعادت تھی کہ میں انہیں ایئرپورٹ سے اپنی گاڑی پر لاتا تھا اور واقعاً میں بہت خوشی محسوس کرتا تھا کہ میں ایک عظیم شخصیت کا ڈرائیور ہوں اور لے جا رہا ہوں۔برادر فدا حسین نے پشاور والے سفر کا ذکر کیا۔وہ مناجات میں نے بھی سنی جو شہید مظلوم نماز شب کے بعد کرتے تھے۔میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ ادا کروں انتہائی حسین، میٹھی آواز کہ جو آج بھی ناقابلِ فراموش ہو۔اس کے علاوہ اور بھی بہت باتیں ہیں کہ جو مثلاً مجھے یاد نہیں آ رہی ہیں۔ ان شاء اللہ بعد میں وہ تمام واقعات وگزرے ہوئے ایام کی ڈائری اور تصاویر وغیرہ پیش کروں گا۔قائد شہید کی شخصیت اتنی رزاق کہ انسان جتنا اس کے قریب ہو وہ اور بھی اس کے نزدیک ہونے کی کوشش کرتا۔وہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کو میں نے محسوس کیا ہے۔علمائے کرام اور بھی بہت ہیں۔ قائد شہید کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات قابل فراموش ہیں۔اور آپ کی

یاداشت بہت قوی تھی۔ آپ ایک دفعہ دورے پہ تشریف لائے۔ آقای جمعہ اسدی اور دیگر آئی ایس او کے نوجوان موجود تھے۔ فوٹو لیے اتنے میں میرا بیٹا مہدی جو آئی ایس او کا ممبر رہا ہے۔ اور دیگر تنظیموں کے ساتھ بھی رابطہ رہا ہے۔ میں نے شہید سے عرض کی کہ آپ اس کو جانتے ہیں تو قائد نے تین مرتبہ فرمایا خوب می شناسم، خوب می شناسم، خوب می شناسم۔ الحمدللہ قائد شہید کے ساتھ بھی ہمارا رابطہ وتعلق گہرا تھا اور دیگر علمائے کرام سے بھی۔

والسلام

انٹرویواز برادر فدا حسین۔ کوئٹہ

قائد شہید سے بہت ہی ملاقاتیں ہوئیں لیکن آخری دو ملاقاتیں ناقابلِ فراموش ہیں۔ گلگت کے سانحہ کے بعد میں آقای شیخ علی نجفی، آقای توسلی، حاجی حسین علی اور دو برادر ہم گلگت جانے کے لیے راولپنڈی گئے لیکن ٹکٹیں اوکے نہیں ہورہی تھیں۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ قائد شہید یعنی علامہ السید عارف حسین الحسینی صاحب کے پاس پشاور جاتے ہیں اور جب اوکے ہوجائیں گی۔ واپس آکر گلگت چلے جائیں گے۔ پشاور میں آغا محترم سے ملے۔ معلوم نہ تھا کہ یہ آخری دو ملاقاتیں ہیں اور آغا صاحب کا ملن اور خلوص سے پیش آنا ناقابل فراموش ہے۔ شام کو پہنچے تھے۔ آغا کی اقتدا میں نماز پڑھی، کھانا کھایا اور عبداللہ سے کہا کہ انہیں بازار لے جائیں شہید نے کہا کے لے جائیں اور یہ بھی فرمایا کہ آپ صبح پاراچنار چلے جائیں سرد علاقہ ہے جب تک ٹکٹیں اوکے نہیں ہوتیں وہاں پیواڑ جائیں یہاں تو گرمی اور گرم علاقہ ہے۔ بازار سے واپس آئے۔ رات کو سورہے تھے کہ آدھی رات کو مناجات کی آواز سنی تو میں اور آقای نجفی جاگ گئے۔ وہ گھڑی وہ وقت ہم کبھی نہیں بھول سکتے کہ نماز شب کے بعد آپ نے وہ مناجات شروع کیں۔ میٹھی اور درد بھری آواز میں۔ ہمیں شرمندگی ہوئی کہ ہم سورہے تھے لیکن آغا صاحب مناجات کررہے ہیں۔ آغا صاحب نے ہم سے معذرت کی کہ آپ میری تلاوت کی وجہ سے جاگ گئے۔ صبح آقای صاحب کے ساتھ ناشتہ کیا خود آقای صاحب نے ناشتہ کرایا۔ وہاں سے پاراچنار گئے۔ دو تین دن کے بعد فون کیا تو آپ نے فرمایا کہ ٹکٹیں ہوگئی ہیں واپس آجائیں۔ واپس آئے قائد صاحب کے ساتھ کھانا کھایا تصویریں اتاریں۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہ تصویریں نہ آسکیں۔ قائد صاحب کو جلدی تھی کہیں محلے میں کسی کا نکاح پڑھنے کو جانا تھا۔ یہ 3 جون 1988 کا واقعہ ہے۔ ہم راولپنڈی سے گلگت گئے۔ واپس 6 جولائی کو راولپنڈی پہنچے۔ 8 جولائی کو مرکزی کونسل کی اسلام آباد جامعہ اہل بیت میں میٹنگ تھی۔ قائد شہید بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ شام کو ملے اور ان تصویروں کا ذکر کیا کہ وہ تمام خراب ہوگئیں۔ آپ نے علامہ السید ساجد علی نقوی اور دیگر علمائے کرام سید علی موسوی، سید جواد ھادی، آقای توسلی کو بلایا کہ بھئی یہ یادگار تصویریں بنانا چاہتے ہیں ان کی پہلی تصویریں خراب ہوگئی۔ ہم نے تصویریں اتادیں۔ رخصت ہوئے اور 5 اگست کو خبر ملی کہ شیعان حیدر کرار مستضعفین پاکستان کے دلوں کی دھڑکن کو اپنے راہ سے ہٹادیا گیا ہے اور صبح کو شہید کردیا گیا۔

اگر یہ معلوم ہوتا تو ہم اپنے محبوب سے جدا ہی نہ ہوتے۔

پروفیسر صابر حُسین (پاراچنار)

شہیدؒ کو بہت پہلے سے جانتا ہوں شہیدؒ سے بہت اچھے مراسم تھے۔ شہیدؒ ہمارے گھر آتے تھے اور ہم بھی اُن کے گھر جاتے تھے۔ شہیدؒ کے اخلاق سے ہم بہت متاثر ہوئے اور استفادہ بھی کیا۔ زمانہ طالب علمی قم میں شہید انتہائی سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے شہیدؒ کی نشست و برخاست اچھے دوستوں میں تھی۔ اخلاقی لحاظ سے برے لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتے تھے۔ وہاں کی لڑائیاں اور معاملات سدھارنے کے لئے شہید اچھے مشورے قبول کرلیتے تھے۔ شہیدؒ سے کرم ایجنسی کے معاملات پہ بھی گفتگو ہوتی تھی اور بگڑے معاملات سُدھارنے کی بہت کوشش کرتے اور صلح پسند تھے۔ شہیدؒ اپنی طرح دیگر افراد کو (مومنین کو) بہت مخلص سمجھتے تھے اس طرح وہ دوسرے مومنین کی بات کو تسلیم کرلیا کرتے تھے جب کہ مومنین کی اکثریت ایسی نہ تھی۔ شہیدؒ کو دنیا سے نفرت تھی اور خُفیہ طور پر لوگوں کی امداد کیا کرتے تھے۔ شہید حضرت امام خمینی اور انقلاب اسلامی کے عاشق تھے، بلکہ پاکستان میں شہید ہی اصل میں امام و انقلاب کے مخلص اور بے

لوٹ جانے والے تھے، ہمارے گھر میں مقیم امام کے ایک اور فرزند جو روحانی طور پہ بہت مضبوط اور معنویت سے بھرپور شخصیت تھے شہید اسد اللہ موسوی ان کیساتھ شہید کے گہرے مراسم اور دوستی تھی، وہ چونکہ ہمارے گھر میں مقیم تھے اور ہمارے لالہ (بریر حسین) سے رشتہ اخوت میں تھے تو شہید کے ساتھ بھی بہت سی نشستیں ہوتی تھیں، ہم گھنٹوں کئی معاملات اور ایشوز پہ بحثیں کرتے تھے اور ایک دوسرے کے موقف کو سنتے تھے، شہید نے بہت کم وسائل کیساتھ پورے پاکستان کی تشیع کو انقلاب کی لڑی میں پرو دیا تھا، بہر حال شہید بزرگوار ہماری ملت کیلئے ایک نعمت تھے جن کے چھن جانے کا دکھ کبھی بھی فراموش جنہیں کیا جاسکتا

برادر محبت علی حیدری (آفس سیکرٹری دفتر تحریک پشاور)

شہیدؒ ایسی ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے کہ اگر اُن کی زندگی کے ایک پہلو کا ذکر کریں اگر ہم اِس کے عالم ہونے کا تذکرہ کریں تو اُن کے جہاد کا پہلو رہ جائے گا۔ اگر جہاد کا ذکر کریں تو اس کے تقوی کے پہلو رہ جائیں گے۔ اگر تقویٰ کی بات کریں تو اس کے ایمان اور اخلاص کا پہلو رہ جائے گا۔ اگر اِخلاص کے پہلو لیئے تو ان کی مجاہدانہ (جہادی پہلو) رہ جائے گا۔ شہیدؒ فرماتے تھے کہ کسی پر سُوئے ظن نہ رکھا کریں۔ بلکہ شہیدؒ ہر کسی پر اعتماد کرتے تھے جیسے خود مخلص تھے اسی طرح ہی دوسرے کو مخلص سمجھتے تھے۔ شہیدؒ ایک پُراعتماد شخصیت تھے۔ شہیدؒ فرماتے تھے کہ "مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے" اگر کسی میں خوبی دیکھو تو اس کی ضرور تعریف کرو۔ دوران سفر شہیدؒ کے ساتھ کوئی بور نہیں ہوتا تھا بلکہ راستے میں طنز و مزاح کرتے ہوئے انتہائی دلچسپی کے ساتھ وقت گزارتے تھے۔ جس سے سفر محسوس نہیں ہوتا تھا اور اپنے ساتھ سفر پر جانے والوں کی اس طرح دل جوئی (بااخلاق طور پر) کرتے تھے کہ لوگ برا بھی نہیں مانتے تھے اور سفر بااحسن طریقے سے طے ہوتا تھا۔ سفر کے دوران بھی شہیدؒ نماز شب ضرور پڑھتے تھے اور ان کے ساتھ مفاتیح الجنان جائے نماز، ٹائم پیس ضرور ہوتا تھا۔ اور باقی چیزیں بھی ضرور ہوتی ہیں۔ باہر سے اگر شہیدؒ کے پاس بچہ بھی آجاتا تھا تو کھڑے ہو کر استقبال کیا کرتے تھے اور بہت عزت و محبت سے پیش آتے تھے۔

جب کبھی پیسوں کے سلسلے میں شہیدؒ کے پاس جاتے تو دوسری باتوں میں ہم بُھول جایا کرتے ہیں لیکن شہیدؒ اتنے چہرہ شناس تھے چلنے سے پہلے ہمیں پیسے دے دیتے جب ہم مانگ ہی نہ پاتے تھے۔ سہم امام بہت احتیاط سے خرچ کرتے تھے۔ وہ بھی صرف مدرسے پر ہی خرچ کرتے تھے کسی اور میں خرچ نہ کرتے۔ پیسوں کے سلسلے میں کسی حکومتی آدمی سے ایک پیسے کی بھی امداد نہ لیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ایم پی اے خاتون نے زکوٰۃ کی مدد سے شہیدؒ کو گھر جا کر پیسے دینے چاہے تو شہیدؒ نے بالکل انکار کر دیا۔ اور ایک پیسہ بھی قبول نہ کیا۔ شہیدؒ کے پاس جب کوئی مدد کے لیے آتا اور بہت زیادہ مستحق محسوس کر لیتے تو دفتری امور سے اس کو پیسے دے دیتے چاہے دفتری امور کے لیے ایک پیسہ بھی نہیں بچے۔ لیکن ہم نے ایسے وقت میں دیکھا کچھ ہی دیر بعد پھر پیسے آجاتے اور دفتری کارکن مسرت کا اظہار کر لیتے۔ شہیدؒ کے لئے جب مومن نعرے لگاتے تو شہیدؒ بہت خفا ہوتے اور ناراضگی کا اِظہار کرتے بلکہ فرماتے اللہ اکبر خمینیؒ رہبر کے نعرے لگائیں اور اپنے نام کے نعرے کو پسند نہ فرماتے اور منع فرماتے تھے اور مرگ بر اَمریکہ کے جب نعرے لگتے بہت خُوش ہوتے بلکہ خود مرگ بر امریکہ، روس، اسرائیل کے نعرے لگانے کو کہتے تھے۔ ہمیشہ شہیدؒ کے حالات اور مسلمانوں سے متعلق خبروں کو ضرور سنتے تھے اور ہمیشہ ریڈیو ساتھ رکھتے اور سفر کے دوران بھی خبریں لازمی سنتے تھے۔

انٹرویو جناب یعقوب علی رازی (پشاور)

ہم نے اپنی 75 سالہ عمر میں کئی علماء دیکھے، ہمارا بچپن علماء کے ساتھ گزرا ہماری جوانی علماء کے ساتھ گزری اور ہمارا بڑھاپا بھی علماء کے ساتھ گزر گیا جب شہید عارف حسینیؒ سے تعارف ہوا (کہاں سے تعارف ہوا) یہی پشاور سے ہوا یہاں پر محرم کی مجلس پڑھا کرتے تھے اگر چہ وہ پشتو میں پڑھتے تھے۔ ان کی مجلس سنا کرتے تھے لہذا دور ہی سے مجلس سُنی اور سلام دُعا ہوگئی ہاتھ ملایا اور چلے گئے۔ کبھی بیٹھ کر ان سے گفتگو کا موقع نہیں ملا سب سے پہلی تفصیلی ملاقات ان کے ساتھ ہماری بھکر میں ہوئی جب بھکر میں یہ تحریک کے صدر کا چناؤ تھا۔ تو وہاں پر علمائے کرام کافی تعداد میں موجود تھے بہت

سے جوان بھی تھے، اور پکی عمر کے لوگ بھی تھے۔ تو ہر ایک کی یہ خواہش تھی شہید عارف حسین الحسینیؒ کو صدارت سونپی جائے۔ کیونکہ یہ عمر میں چھوٹے تھے ان کا یہی اصرار تھا کہ میرے اساتذہ یہاں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور میں ان کے بچوں کے برابر ہوں۔ اور میری یہ جسارت ہی نہیں ہوسکتی میں صدارت کے لیے اپنے آپ کو پیش کروں لیکن لوگ اسی بات پر اصرار کر رہے تھے کہ ہم میں اگر کوئی فعال شخصیت ہے تو یہ عارف حسین اور حسینیؒ ہیں۔ بات طول پکڑ گئی اور آخر فیصلہ یہ ٹھہرا کہ استخارہ کرلیا جائے اگر استخارہ آجائے تو ٹھیک ہے پھر آقا صاحبؒ نے کہا میں انکار نہیں کروں گا۔ لہذا اس سلسلے میں ہمیں وہاں کنویسنگ ہو رہی تھی چونکہ میں نے ہمیشہ دور ہی سے مولانا صاحبؒ کو دیکھا تھا۔ میں چونکہ ان کی شخصیت سے پورے طور پر آشنا نہیں تھا تو میں نے مولانا شیخ علی مدد صاحب سے ان سے آہستگی سے پوچھا کہ بھائی کے عارف حسین کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ یعقوب آپ کو مجھ پر اعتماد ہے؟ میں نے کہا ہاں جی میں آپ کو اس حد تک جانتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھ سے سوگنا آگے ہیں۔ تو میری تسلی ہوگئی کہ جس کام کے لیے لوگ ووٹ دے رہے ہیں وہ بغیر علت کے نہیں۔ لہذا جب استخارہ کیا گیا تو استخارہ واجب آیا اور اس طریقے سے شہیدؒ کو صدارت سونپی گئی بھکر کے بعد پہلی میٹنگ پشاور میں تھی۔ اور اس کا انتظام کرنے والوں میں میں بھی شریک تھا لہذا تمام پاکستان کے اراکین جو تھے وہ تشریف لائے اور علمدار کربلا میں میٹنگ ہوئی۔ اور اس میں قواعد و ضوابط پر غور کیا گیا اور دستور کی تشکیل نو کے لیے کہا گیا۔ مولانا عارف حسین صاحب نے اپنی رہائش پشاور ہی میں رکھی اور ہمیں یہ شرف حاصل رہا کہ ہم ان کے ہمیشہ نزدیک رہے ان کی شہادت کے وقت تک اگر روزانہ نہیں تو دوسرے تیسرے دن ہمیں ان سے شرف ملاقات حاصل ہوتا تھا۔ اور ہم نے ان کو نزدیک سے اس وقت دیکھا جب پورے پاکستان کے دورے میں ان کے ہمراہ رہا پشاور سے کراچی تک ایک بار تین مہینے کے قریب دوسری بار ڈیڑھ مہینے کے قریب اور تیسری بار کوئی بیس پچیس دن کے قریب میں ان کے ہمسفر رہا۔ ان کی ہمسفری میں نے بندہ خدا کو دیکھا کہ رات

ایک بجے تک، دو بجے تک، ڈیڑھ بجے تک، لوگوں سے گفتگو میں مصروف رہتے تھے اور جب لوگ ان کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے تو یہ تھوڑی دیر کے لئے آرام فرماتے تھے۔ لہذا کیونکہ میری عادت بھی تھی کہ میں وقت پر سونے کا عادی تھا۔ شہیدؒ سے اجازت لے کر زیادہ سے زیادہ گیارہ سوا گیارہ بجے تک سو جایا کرتا تھا۔ اور اپنے معمول کے مطابق ایک گھنٹہ پہلے میں نماز سے اٹھتا تھا تو شاید کوئی ایسی رات ہو کہ میں بیدار ہوا ہوں اور آغا صاحب سوئے ہوئے ہوں مجھے پھر بھی جگانا نہیں پڑتا تھا۔ میں دیکھتا تھا کہ وہ خود ہی اپنے وقت پر اُٹھتے تھے اور تہجد پڑھتے تھے اور تہجد سے نماز صبح تک وہ اپنے وظائف میں بیٹھے رہتے تھے۔ اور نمازِ صبح پڑھنے کے بعد وہ طلوع کے بعد ایک دو گھنٹے آرام فرمایا کرتے تھے۔ اس کے لئے پھر مجھے اپنی نیند قربان کرنی پڑتی تھی اور میری یہ کوشش ہوتی تھی کہ اگر کوئی آدمی آکر ان کو جگانا چاہئے۔ اس کو منع کر دیتا تھا کہ آغا صاحب کی نیند بھی پوری نہیں ہوئی لہذا آپ انہیں ایک دو گھنٹے آرام کرنے دیں۔ تو اس طریقے سے دن اس سفر کے دوران میں دو تین بار نزدیک سے ان کو دیکھنے کا موقع ملا تو ہم نے دیکھا کہ وہ اس نے کبھی اس سفر کے دوران تھکاوٹ کا اظہار نہیں کیا ایک دن میں ہم نے تین تین چار چار جگہ جلسے کیے اور پھر موٹر کا سفر ایک جگہ سے دوسری جگہ ہمارے ساتھ جو ہمارے اس وقت ڈرائیور تھے وہ مشرف حسین صاحب تھے۔ جن کی کم از کم سپیڈ 80 ہوتی تھی بہت زیادہ اسپیڈ جو موٹر کی ہوتی تھی وہ آخری ہوتی تھی۔ ایک بار ہمارے ہم سفر تھے جناب سید صابر علی شاہ صاحب پنڈی والے تو وہ مشرف کو کہتے تھے۔ بھائی دیکھو ہم بوڑھے لوگ ہیں کچھ تو ہمارا لحاظ کرو آغا صاحبؒ ان کو چھیڑنے کے لیے کہتے تھے یار جلدی چلو ہم نے جلدی پہنچنا ہے۔ تو صابر علی شاہ صاحب کہتے تھے یار یہ آپ تو مرے گا ہمیں بھی ساتھ مارے گا۔ ان کی وجہ سے پورے پاکستان میں شیعہ قوم کے اندر جو بیداری کی لہر پیدا ہوئی اس سے تحریک کو وہ مقام حاصل ہوا کہ تحریک آج بھی ہر جگہ پر موجود ہے اور تحریک نے اپنی کارکردگی سے کافی نوجوانوں کو جو کہ دین سے بے بہرہ تھے ان کو دین سے آشنا کیا اور دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ آقا صاحبؒ کی فعالیت کی وجہ سے

نوجوانوں کے اندر جو جذبہ پیدا ہوا وہ اس چیز سے دیکھا جا سکتا ہے کہ اس وقت مسجدوں کے اندر بوڑھوں سے زیادہ جوان نظر آتے ہیں۔ اور یہ بڑی کامیابی تھی اور اس طریقے سے انہوں نے اپنے آخری دن تک جبکہ ان کی شہادت ہوئی انہوں نے ایک لمحہ بھی اپنا ضائع نہیں کیا

عبداللہ باورچی شہید قائد

پاراچنار شیعہ مطالبات کے حوالے سے حکومت سے مخالفت کے باعث گرفتاری پیش کی۔ پارہ چنار کے تمام دیہاتوں سے شیعہ عوام نے شہید حسینیؒ کی خاطر 12 سال سے لے کر بوڑھے تک تمام فرادنے (شہید کی خاطر) گرفتاری پیش کی جس سے حکومت نے خوف زدہ ہو شہید کو رہا کر دیا۔ جس میں میں بھی شریک تھا۔ تقریباً پانچ سال شہیدؒ کی خدمت انتہائی خلوص و محبت سے کی ہے۔ شہیدؒ رحمدل، پرہیزگار اور غریب پرور تھے۔ شہید ہم سے اپنے بچوں والا سلوک کیا کرتے تھے۔ کبھی ہم پر غصہ نہیں کرتے تھے شہید نے مجھے اپنے پاس بطور باورچی بلایا جبکہ ان کی خوراک دال اور چاول سادہ تھی۔ کبھی شیخ مدد علی مجھ کو پیسے دیتے تو میں اپنی مرضی سے پکا لیتا تھا جس کو شہید کھا لیتے تھے۔ اور ہمیشہ سادہ خوراک کھاتے۔ اور ان کے گھر والے بھی یہی کھانا کھاتے۔ جب کھانے کا ٹائم ہوتا تھا تو شہید ہمیں اپنے پاس بٹھا کر بمعہ تمام خدمت گار اور مہمان سب اکٹھے کھانا کھاتے۔ شہید کو جب بھی ہم نے کہا کہ آپ بچوں میں کھانا کھایئے کیونکہ مہمان بھی نہیں ہیں تو شہید فرماتے کھانا کھاتے وہئے کوئی مہمان آ گیا تو وہ یہ سوچے گا شاید میں اپنے گھر والوں کے ساتھ مرغی اور گوشت وغیرہ کھاتا ہوں گا۔ لہٰذا میں آپ لوگوں میں کھانا کھاتا ہوں۔ ابھی باتیں ہو رہی تھیں کہ لاہور سے دو مہمان آ گئے اور ہم نے اکٹھا کھانا کھایا۔ شہید کی ہمیشہ خوراک سفید چاول اور دال ہوتی تھی اور ساتھ دہی ہوتی تھی۔

کبھی مہمانوں کی خاطر مرغی اور گوشت لے آتے اور اکٹھا کھانا کھا لیتے تھے۔ ایک دفعہ شہید نے لاہور جانا تھا۔ جانے کے لیے نکلے تو شہید کے بچے رونے لگے۔ اور خصوصاً حسین بیٹا بہت رونے لگا۔ لیکن دین کی خاطر شہید نے پروانہ کی اور مجھے کہا کہ آپ انہیں گھر چھوڑ آؤ۔ میں نے چیزیں لے کر دیں اور چھوڑ آیا لیکن بچہ پھر بھی روتا رہا اور شہید روانہ ہو گئے۔ شہید کے پاس جب مہمان آ جاتے تو مہمانوں کے ساتھ مصروف رہتے اور بہت کم وقت گھر کو دیتے۔ ایک دفعہ شہید نے قضائی روزہ رکھا تھا تو مجھے کہا کہ عبداللہ بھائی نہایت آہستہ سے تاکہ دوسرے افراد مہمانوں کی آنکھ نہ کھل جائے میں نے شہید کے لیے چائے بنائی اور شہید نے فرمایا عبداللہ تم سو جاؤ جب میں سو گیا اور اٹھا تو دیکھا کھانے کے برتن دھلے ہوئے ہیں اور ہر چیز کچن میں ترتیب سے رکھی ہوئی ہے۔ ایک دفعہ مہمان زیادہ آئے ہوئے تھے تو میں سالن پکا رہا تھا اور شہید میرے ساتھ چاول بنا رہا تھا اور ہم نے اکٹھے کام کیا جس کو شہید نے مایوب نہ سمجھا۔ جب میں نے انہیں کام سے روکا تو شہید نے منع کر دیا اور کہا نہیں اکٹھے کام کریں گے۔ جب کبھی شہید پاراچنار جاتے تھے تو مجھے پیسے دیتے تھے کہ بچوں کے لیے پھل فروٹ لے جاؤ اور دیگر چیزیں۔ شہید کا میرے لیے حکم تھا کہ کوئی بھی مہمان آئے اسے وقت کی مناسبت سے کھانے کے وقت کھانا اور چائے کے وقت چائے / شربت گرمیوں میں۔ رات کے وقت کھانے کے وقت سونے کے لیے بستر کا انتظام کیا جائے۔ چاہے شہید ہوتے یا نہ ہوتے مجھے پروگرام کرنے ہوتے تھے۔ شہید اگر خود مدرسے میں موجود ہوتے تو مہمان کے لیے دسترخوان خود لگاتے خود مہمان کے لیے پانی دیتے اور پاس بیٹھ کر اس کی خود خدمت کو ترجیح دیتے تھے۔ شہید کے مندرجہ بالا عمل نے ہمیں بہت متاثر کیا اور ہم نے بچپن کے ہر اُس عمل کو ختم کر دیا جو شہید کے عمل کے مخالف ہوتا تھا۔ شہید کے پاس اگر کوئی ملنے آتا اور ہم اُس کو شہید کی مصروفیت کی وجہ سے اُسے ملاقات سے منع کرتے تو شہید بہت غصے ہوتے اور فرماتے عبداللہ ایک شخص معلوم نہیں کیا کیا امیدیں لے کر سفر کر کے ملنے کی غرض سے آتا ہے اور میرے موجود ہوتے ہوئے بھی وہ ملاقات نہ کر سکے تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے تم ہر اُس مہمان کو ملاؤ جو مجھ سے ملنا چاہتا ہے چاہے دور سے آئے یا نزدیک سے۔

قتیلِ سحر

شہید مظلوم علامہ سید عارف حسین الحسینی کو منظوم خراج عقیدت

کربلا سے پشاور تک اک خون کا دھارا

نوحہ... ثاقب نقوی

اے ظلم کے پیکر! تو نے اس شخص کو مارا
اللہ کو محبوب ہے، افلاک کو پیارا
اک شخص پہ گولی یہ چلائی نہیں توں نے!
یہ تیر ستم دین کے سینے میں اتارا!
بے چین ہیں ، بے تاب ہیں ہم بعد تمہارے
قائد مرے ! بولو، تری ملت نے پکارا
وہ تیرا تڑپ اٹھنا ستم دیدوں کی خاطر
محروم سمجھتے تھے تو ہے ان کا سہارا
اخلاص سراپا ہے وہ ، ایمان مجسم
صدیوں سے یزیدوں نے انہی جیسوں کو مارا
عارف ہے حسینؑ ابن علیؑ کا ، میرا قائد
شبیر ؑ نے ، آجاؤ ، ، مرے بیٹے، ، پکارا
ہیں ماتم فرزند میں زہرا ؑ بھی علی ؑ بھی
وہ سید لولاکؐ کو اولاد میں پیارا
عباس علمدارؑ نے سینے سے لگایا
زہرا ؑ نے کہا آجا ہے تو بیٹا ہمار
کربل کے شہیدوں میں ترا خون ہے شامل
کربل سے پشاو تلک اک خون کا دھارا
ہم جانتے ہی کس کو رہی تجھ سے خصومت
پہچانتے ہیں خوب ہے دشمن جو تمہارا
ہم بدلہ چکائیں گے ترے خون کا قائد!
ہم عہد کے پابند ہیں ، ہے عہد ہمارا

شہید مظلوم کی شہادت پہ کہی گئی یہ پہلی نظم ہے جو روز دفن کہی گئی

ہدیہ تعزیت

خاور عباس بلوچ جھنگ

ہے نقش ہر اک دل پہ ترا نام حسینی
اب رہبر ملت ہیں ترے کام حسینی
ظلمت کے ان ادوار میں اک چاند ہے عارف
تاریکیوں میں مشعل اسلام حسینی
پائندہ درخشندہ و تابندہ رہیگا
کردار کی عظمت سے ترا نام حسینی

دشمن ہیں پریشان ترے سرخ لہو سے
قاتل ہیں ترے لرزہ بر اندام حسینی
جو ہاتھ ملوث تھے ترے قتل میں قائد
آؤ دیکھ تو ان ہاتھوں کا انجام حسینی
ہے اہل صداقت کے لیے راہ فروزاں
باطل کے لیے موت کا پیغام حسینی
پیغام ترا آگے بڑھاتے ہی رہیں گے
منزل پہ بھی آئے گا نہ آرام حسینی
وعدہ ہے ترے خون سے اے سید مظلوم
ہم لیں گے بدلہ سرِ عام حسینی
یا رب تو حسینی سا نگہبان عطا کر
خاور کے لیے کافی ہے انعام حسینی

رکھا ہے قدم کس نے شہادت کی زمیں پر

حیدر گردیزی

پوشاک شہادت میں سجا کس کا بدن ہے
یہ کون ہے جو زینت انوار چمن ہے
رکھا ہے قدم کس نے شہادت کی زمیں پر
اک کرب مسلسل ہے مکاں اور مکیں پر
ہے جس کا ٹھہراؤ ہواؤں کی جبیں پر
جاں کس نے فدا کی ہے ترے دین مبیں پر
موسمکے بدلتے ہوئے تیور نظر آئے
قاتل ہمیں خود اپنے ہی اندر نظر آئے
تاریخ کے اوراق الٹ کر ذرا دیکھو
کچھ کہنہ تعصب سے بھی ہٹ کر ذرا دیکھو
دہشت کی فضاؤں میں سمٹ کر ذرا دیکھو
جس راہ پہ قائم ہو پلٹ کر ذرا دیکھو

ہم نے ہی شہادت کو غذا دی ہے بدن کی
تلقین ہے یہ ہم کو شہہ تشنہ دہن کی
عارف تھا حسینی یہ بندہ تھا خدا کا
اوڑھے ہوئے رہتا تھا لبادہ تھا یہ حیا کا
جھونکا تھا یہ دربار دربار رسالت کیہوا کا
عالم تھا یہ ذاکر تھا مگر آل عبا کا
پی کر یہ شہادت کا نیا جام چلا ہے
مومن ہے سوئے خلد سرِ عام چلا ہے

مردِ حق عارف حسین رح

اثر ترابی

مصطفےٰ کے دین کی تبلیغ رک سکتی نہیں
گردن شبیرؑ کٹ سکتی ہے جھک سکتی نہیں
ساڑھے تیرہ سو برس سے سب کو یہ معلوم ہے
جان دینا حق پہ شیعہ قوم کا مقصوم ہے
اک اشارہ اپنے قائدکا ہمیں درکار ہے
آج ساری قوم مر مٹنے کو پھر تیار ہے
عالمان دین کی کامل حیات ساتھ ہے
مر دِ حق عارف حسینی کی قیادت ساتھ ہے
ان شہیدوں کے لہو کا ہم کو لینا ہے حساب
انقلاب و انقلاب ،انقلاب و انقلاب

قطعہ

دل عشقِ ابو تراب سے تھا معمور
چہرہ تھا مثال مہر تاباں پر نور
اللہ کی راہ میں شہادت پائی
جنت میں ہیں عارف الحسینی مغفور

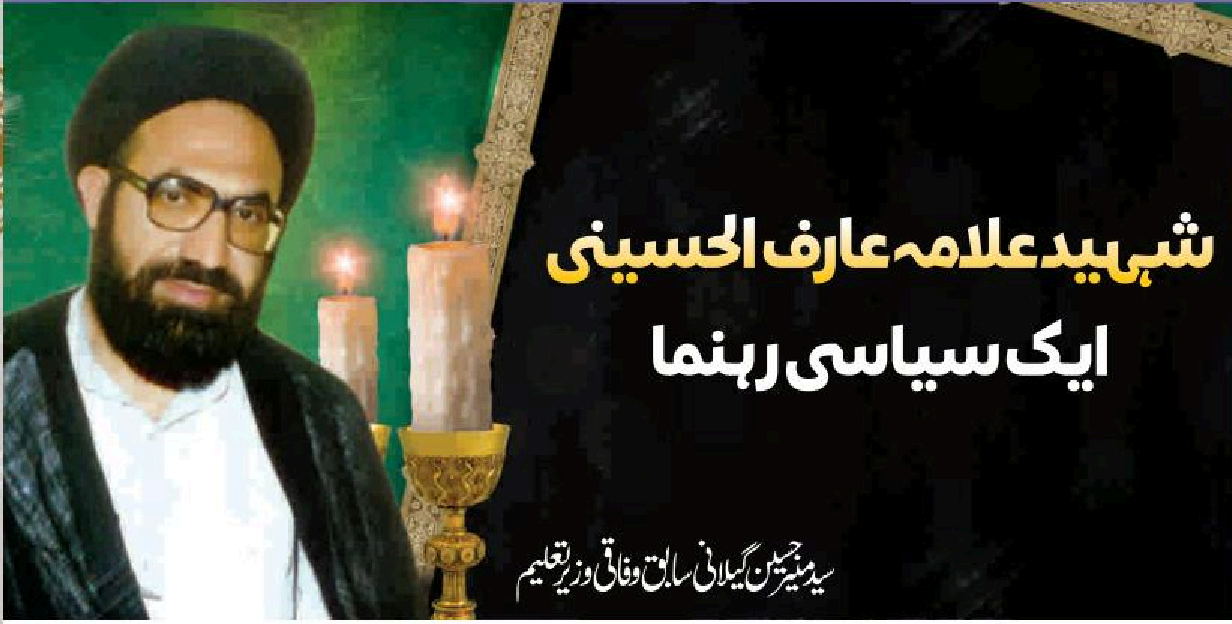

شہید علامہ عارف الحسینی
ایک سیاسی رہنما

سید منیر حسین گیلانی سابق وفاقی وزیر تعلیم

میری شہید علامہ عارف حسین الحسینی رحمۃ اللہ علیہ سے شناسائی 10۔فروری 1984ء سے شروع ہوئی۔ جب انہیں شیعہ کنونشن بھکر میں علامہ مفتی جعفرحسین رحمتہ اللہ علیہ کا جانشین قائد تحریک نفاذ فقہ جعفریہ منتخب کیا گیا۔اگلے دن شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کی ہدایت پر میں لاہور آ گیا۔تاکہ نئے قائد ملت جعفریہ پاکستان کی پریس کانفرنس کا اہتمام کرسکوں۔اس حوالے سے مجھے علامہ عارف الحسینی کی لاہور میں میزبانی کا شرف بھی حاصل ہوا۔وہ میرے ہمدرد چوک کوٹ لکھپت گھر میں تشریف لائے۔ہم نے پریس کانفرنس، شیزان ہوٹل مال روڈ میں رکھی۔یہ ان کی تعارفی پریس کانفرنس تھی۔اس کے بعد مجھے سیاسی سیل کا رکن، پھر نگران سیاسی سیل پنجاب لگا دیا گیا۔جبکہ علامہ ساجد علی نقوی مرکزی سیاسی سیل کے انچارج تھے۔شہید قائد کی زندگی کے مختلف پہلو ہیں، مگر میں ان کے سیاسی قائد ہونے کے حوالے سے چند معروضات اور واقعات پیش کروں گا۔

یہ بات حقیقت ہے کہ شیعہ تنظیموں میں سے پہلی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ ہی تھی، جس نے نظام کی تبدیلی کی بات کی۔پھر سیاست کی بانی بنی۔البتہ یہ واضح کردوں کہ اس کا مقصد پورے ملک پر فقہ جعفریہ کا نفاذ نہ تھا۔بلکہ اہل تشیع کے لئے فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ تھا کہ حکومت اگر ملک کا آئین اسلامی بنانا چاہتی ہے تو ہر مسلک کی تعلیمات کے مطابق اس پر اس کی فقہ کا نفاذ ہو۔کسی پر جبری طور پر کوئی دوسری فقہ نافذ نہ کی جائے۔شیعہ علما سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھتے رہے ہیں۔شیعہ حقوق کی جدوجہد کرنے والے علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کو قائد بنایا گیا تو انہیں تین چار سال کے دوران سمجھ آگئی کہ ہماری ایک سیاسی جماعت اور سیاست میں باقاعدہ حصہ ہونا بہت ضروری ہے۔ٹی این ایف جے کے کسی اجلاس میں سیاست میں حصہ لینے پر کوئی بحث نظر نہیں آتی۔لیکن سب سے پہلے جو سیاسی قدم اٹھایا گیا وہ مفتی جعفر حسین کا روزنامہ جنگ کو دیا گیا انٹرویو ہے۔جس میں انہوں نے سیاست میں آنے کا اشارہ دیا تھا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ سیاست میں حصہ لے گی۔انہوں نے اس وقت کی فوجی حکومت کی مخالفت کرتے ہوئے ملکی آئین کی بحالی اور سیاسی حقوق کی بات کی تھی۔اور اس پر بڑا کھل کر اظہار بھی کیا تھا۔سیاست کی طرف یہ اشارہ بنیادی طور پر لوگوں کی توجہ کا باعث بنا۔

اس وقت ضیاالحق کے مارشل لا کے خلاف پیپلز پارٹی، نوابزادہ نصراللہ خان اور دیگر جماعتوں پر مشتمل ایم آر ڈی بن چکی تھی۔اور اسی دوران فروری 1984 میں علامہ عارف حسین الحسینی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کی قیادت سنبھال چکے تھے۔پھر آہستہ آہستہ کچھ لوگوں نے عملی سیاست کی طرف سوچنا شروع کردیا تھا۔میں ابھی صوبے کے سیاسی سیل کا انچارج تھا۔میرا ابھی تحریک میں اتنا قد کاٹھ نہ تھا۔جو بعد میں بن گیا۔میں کوئی بات نہیں کرسکتا تھا جو پارٹی پالیسی کہلا سکے یا اکیلے فیصلہ کرسکوں لیکن میرے نظریات تھے کہ ہمیں عملی سیاسی جدوجہد کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

قیادت کا دبدبہ

علامہ عارف حسین الحسینی عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے لیکن جو گفتگو وہ کرتے تھے وہ کمال کی ہوتی تھی۔ قیادت کا دبدبہ اور چہرے کی روحانیت اتنی تھی کہ میں ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ معاملہ فہمی اور کسی کی دل آزاری نہ کر کے بات سمجھانے کا فن خوب جانتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مسجد صاحب الزمان اسلام پورہ لاہور کے امام مسجد جناب مولانا ابوالحسن نقوی سے امریکی قونصل جنرل کی ملاقات پر آئی ایس او کے کچھ نوجوانوں نے ان سے نامناسب طریقہ سے بات کی اور انہیں امریکی ایجنٹ قراردیا اس رویہ سے معروف عالم دین کی توہین محسوس کی گئی۔ علامہ عارف الحسینی سخت ناراض ہوئے۔لیکن انہوں نے لڑکوں سے یہ نہیں کہا کہ آپ نے گالیاں دی ہیں،نہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے غیر شرعی زبان استعمال کی ہے۔جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ان کی اس طرح کی شائستہ گفتگو سے میں بہت متاثر ہوا کہ انہوں نے کس انداز سے اس واقعہ کو کنٹرول کیا اور بدزبانی کا ذکر تک نہیں کیا۔

فرقہ واریت کے عفریت کا علاج، سیاست

ملک میں فرقہ واریت شروع ہوچکی تھی۔جس کے لئے جھنگ سے مولوی حق نواز کو ایجنسیوں نے استعمال کیا۔تاکہ شیعہ کو دبایا جائے۔ لیکن آج اتنا عرصہ گذرنے اور بڑی تعداد میں شہداء دینے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ اس طوفان بدتمیزی اور شیطانی کھیل سے اللہ تعالی نے تشیع کو سرخرو کیا۔ہم نے فرقہ واریت کا مقابلہ کچھ اس طرح سے کیا کہ اپنی رفتار اور موقف تبدیل نہیں کیا۔شیعہ نسل کشی کو روکنے کے دفاعی اقدامات کئے۔جس میں مقامی نوجوانوں نے قربانیاں بھی دیں اور جیلوں میں جاکر مقدمات کا سامنا بھی کیا۔متعدد کو پھانسی کی سزائیں دی گئیں۔کسی نے پوری جوانی جیل میں گذار دی تو کسی نے اپنی تعلیم اور مستقبل کو قربان کردیا۔ان کے خاندانوں نے کسمپرسی کی زندگی بسر کی۔ان تمام نامساعد حالات کے باوجود ،میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ قیادت کی تحمل مزاجی اور دوراندیشی کی وجہ سے ہم تنہائی کا شکار نہیں ہوئے۔اور اپنا سفر جاری رکھا۔

عملی سیاست میں کردار نے ہمیں بڑا پلیٹ فارم دیا۔جس پر ہماری موجودگی ہی ہمارے دشمن کے موقف کی نفی تھی۔ ہم نے واضح کیا کہ تشیع برصغیر کی پیداوار کوئی فرقہ نہیں، یہ مکتب اہل بیت ہے۔جس کی بنیادوں میں قرآن و سنت ،تعلیمات اہل بیت علیہم السلام اور سیرت آئمہ معصومین علیہم السلام کی رہنمائی و رہبری موجود ہے۔ہم اس طرح پھیل رہے تھے کہ ایم آر ڈی میں بینظیر بھٹو کی پیپلز پارٹی، خان عبدالولی خان کی عوامی نیشنل پارٹی، نوابزادہ نصراللہ خان کی پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی، ائیر مارشل اصغر خان کی تحریک استقلال ،مولانا فضل الرحمن کی جے یو آئی،مولانا احسان الہی ظہیر کی جمعیت اہل حدیث، ملک قاسم کی مسلم لیگ، فتح یاب علی خان کی مزدور کسان پارٹی سمیت تمام اپوزیشن جماعتیں تھیں، جو فرقہ واریت، دہشت گردی، لسانیت اور علاقائیت کی نفی کر کے جمہوریت اور آئین پر عملداری کا مطالبہ کرتی تھیں۔ یہی ہمارا موقف اور تحفظ تھا یہ جدوجہد ہمارے فائدے میں تھی۔جس سے شیعہ دشمن تنہائی کا شکار ہو رہے تھے، چونکہ یہ حقیقت ہے کہ نفرت کی بنیاد پر تشکیل پانے والی کوئی بھی جماعت کامیاب نہیں ہوسکتی۔ سیاست میں ہمیشہ قومی موقف ہی پیش کیا جاتا ہے۔تنگ نظری اور تعصّبات کی سیاست چند دن کی تباہی ضرور لاتی ہے،لیکن یہ دیرپا نہیں ہوتی۔اور ملکی سیاست میں ایسی ڈھیروں مثالیں موجود ہیں،جنہوں نے جلاؤ گھیراؤ اور مار و مارو کی سیاست کی مگر کامیاب نہیں ہوسکے۔وہ اپنی سیاسی موت آپ ہی مرگئے۔ یہی حال شیعہ دشمن عناصر کا ہوا۔ورنہ مخالف فرقے تو موجود ہیں اور سیاست بھی کررہے ہیں مگر انہوں نے کسی فرقے کی تکفیر کا نعرہ نہیں لگایا۔ بلکہ علی الاعلان ایک دوسرے کو تسلیم کیا اور اکٹھے نمازیں ادا کیں۔

سیاسی منشور کی تیاری

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی سپریم کونسل کا اجلاس 5 جون 1987 کو قائد ملت جعفریہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کی زیرصدارت قصر زینب بھکر میں منعقد ہوا جس میں مولانا سید ساجد علی نقوی، اقرار حسین نقوی، مولانا سید محمد تقی نقوی، مولانا محمد حسین ، سید ملازم حسین شاہ، سید وزارت حسین نقوی، مظفر حسین جعفری نجفی ،مولانا یعقوب علی توسلی، ملک عبداللہ جان بنگش، آغا

سید صابر علی، مولانا ملازم حسین اصغر، محمد افضل رکنوی، مولانا محسن علی نجفی اسلام آباد، سید محمد عالم الموسوی پشاور، مولانا آغا سید علی الموسوی، جنرل سید تصور حسین شاہ مدینہ گجرات، مولانا سید افتخار حسین نقوی اجلاس میں شریک ہوئے۔ اجلاس میں تحریک کے سیاسی منشور کے حوالے سے تنظیمی افراد، علما اور دانشور حضرات سے مشاورت کی گئی۔

قرآن وسنت کانفرنس

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ جب سے سیاست میں وارد ہوئی تو اسے اب اپنی عوامی پذیرائی اور قیادت کی مقبولیت کا اظہار بھی کرنا تھا۔ دوسرا یہ کہ یونٹ، تحصیل اور اضلاع کے حوالے سے بھی تحریک کو منظم کرنا تھا۔ پھر یہ کہ قصبوں اور دیہاتوں میں جہاں چند گھرانے ہی بیٹھے ہیں۔ اس اجتماع کی وجہ سے ان کو آپس میں مربوط بھی کرنا تھا۔ مینار پاکستان پر جلسہ کرنے کی جب بات کوئی سیاسی جماعت کرتی ہے تو اس کی ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں کہ اس وسیع وعریض گراونڈ کو کیسے بھریں گے؟ لیکن تحریک کی قیادت نے اس چیلنج کو قبول کیا۔ اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ جولائی کے کنونشن کا تقریباً مارچ میں اعلان کر دیا گیا تھا کہ شیعہ حقوق کے تحفظ کی قومی تحریک کے آغاز کے دن 6 جولائی 1980 کہ جسے یوم نفاذ فقہ جعفریہ بھی قرار دیا گیا ہے۔ اسی دن قومی اجتماع منعقد ہوگا۔ اس سے پہلے تنظیم تو تھی، لیکن تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا کوئی ملک گیر اجتماع منعقد نہیں ہوا تھا۔ اس کانفرنس میں تمام شیعہ تنظیموں نے حصہ لیا اور اسے اپنا اجتماع قرار دیا۔ جس میں امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن، امامیہ آرگنائزیشن، وفاق علما شیعہ پاکستان اور جمعیت طلبہ جعفریہ نمایاں تھیں۔ ان تنظیموں نے قائد ملت جعفریہ پاکستان علامہ عارف حسین الحسینی کی قیادت پر لبیک کہتے ہوئے قرآن وسنت کانفرنس کے لئے دن رات مہم چلائی۔ علما کی محنت سے ہر مسجد، مدرسے، امام بارگاہ اور گلی محلے کی مجالس میں پیغام پہنچایا گیا۔ اشتہارات اور بینرز لگائے گئے۔ ایک بھرپور عوامی مہم تھی جو کہ شروع کی گئی۔ نوجوانوں نے ملک بھر میں کانفرنس سے دو دن پہلے موٹر سائیکل ریلیاں نکالیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شروع میں کانفرنس کے لئے بیرون موچی گیٹ گراوٗنڈ لاہور کا اعلان کیا گیا۔ لیکن دو دن پہلے جگہ تبدیل کر کے مینار پاکستان کر دی گئی۔ کیونکہ ہماری اطلاعات کے مطابق موچی گیٹ گراونڈ کی جگہ بہت کم تھی اور لوگ زیادہ ہونے کا امکان تھا۔ اس وجہ سے مینار پاکستان کی بڑی گراونڈ کا انتخاب کیا گیا۔

اس اجتماع کا نام قرآن وسنت کانفرنس رکھنے کی وجہ سیاست کا وسیع تر مفہوم بھی تھا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اپنی عملی سیاست کا آغاز کرنے جا رہی تھی، جس میں ہم نظام کی تبدیلی کی بات کرنے والے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں محض فرقہ وارانہ اور شیعیت والی کوئی بات نہ ہوگی۔ ہم اسلامی نظام کے نفاذ کا شیعہ پلیٹ فارم سے پیغام دینے جا رہے تھے۔ ہم نے اعلان کرنا تھا اور یہی ہمارا نقطہ سیاست تھا کہ ہم ہر مسلک کے لئے اس کی اپنی فقہ کی پیروی کی بات کرتے ہیں۔ ہم اپنی فقہ کسی پر مسلط کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے، اور امید کرتے ہیں کہ کوئی ہم پر بھی اپنی فقہ ٹھونسنے کا ارادہ ترک کر کے ہمیں بھی جینے کا حق دے۔ ہم نے کہا کہ اسلام کا عادلانہ نظام لائیں گے۔ یعنی ہمارا نعرہ تھا۔۔ نظام مصطفیؐ، انتظام مرتضیٰؑ۔

6 جولائی کا سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی قافلے مینار پاکستان پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ جہاں آزادی چوک کی طرف سے عوام کے لئے راستہ رکھا گیا۔ ہر طرف انسانی سروں کی فصل نظر آتی تھی۔ کانفرنس میں نظم وضبط بہت مثالی دیکھنے کو ملا۔ پھر لاہور ہی میں دھماکے بھی ہو چکے تھے۔ جمعیت اہل حدیث کے رہنما جناب مولانا احسان الٰہی ظہیر چند ماہ پہلے بم دھماکے میں قتل کر دیے گئے تھے۔ بہر حال خوف کے ماحول میں فرزندان توحید۔۔۔

حسینیت زندہ باد، یزیدیت مردہ باد

قائد کے فرمان پر جان بھی قربان ہے

علی کا طرز زندگی منافقت کی موت ہے،

ہے ہماری درس گاہ کربلا کربلا

کے نعرے لگاتے ہوئے مینار پاکستان گراونڈ میں داخل ہوتے اور کانفرنس کی شان وشوکت میں اضافہ کرتے جاتے تھے۔ بہت جلد توقع سے بڑھ کر کانفرنس پنڈال بھرپور انداز سے بھر چکا تھا۔ جس سے ملک بھر سے تحریک کے رہنماوں نے خطابات کئے۔

بہر حال اس وقت کے حساب سے بہت بڑی تعداد مینار پاکستان کے سبزہ زار میں اکٹھی ہوئی اور قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا گیا کہ صرف علامہ عارف حسین الحسینی ہی قیادت کے لائق ہیں اور یہی ملت شیعہ کے مقبول قائد ہیں، جنہیں مفتی جعفر حسین کے بعد بھکر میں منتخب کیا گیا

۔اسے عوامی حمایت حاصل ہے اور لوگ ان کے پیچھے چلیں گے۔

قرآن وسنت کانفرنس کی دو نشستیں تھیں۔ پہلی نشست میں ملک بھر سے نمائندگی کی گئی۔ مینار پاکستان کے چبوترے پر سٹیج بنایا گیا۔ جس پر تین کرسیاں لگائی گئیں۔ جن پر قائد ملت جعفریہ علامہ عارف حسین الحسینی، سینئر نائب صدر علامہ ساجد علی نقوی اور نائب صدر جناب علامہ فاضل حسین موسوی تشریف فرما تھے۔ قائدِ ملت جعفریہ، جب صدارتی خطاب کے لئے اٹھے تو بہت جذباتی ماحول تھا۔ علامہ سید ساجد علی نقوی اور علامہ فاضل حسین موسوی، قائد ملت جعفریہ علامہ عارف حسین الحسینی کے دائیں اور بائیں سٹیج پر کھڑے تھے۔ علامہ عارف حسین الحسینی نے اپنے تاریخی خطاب میں واضح کیا کہ ہم عملی سیاست میں آئیں گے۔ اس حوالے سے انہوں نے قوم کے مختلف طبقات علما و ذاکرین، تاجر، طلبا اور عوام کو پیغام دیا۔ اس کانفرنس میں یہ بھی بتادیا گیا کہ ہم کسی ایک فقہ کی بات نہیں کرتے۔ ہم قرآن وسنت کا نظام لائیں گے۔ کوئی دوسرا بھی اس سے خائف نہ ہو۔

قرآن وسنت کانفرنس کے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی تنظیم پر بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ تنظیمی ڈھانچہ مضبوط ہونا شروع ہوگیا۔ سیاسی لوگوں اور کئی تنظیموں نے بھی تحریک کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا۔ قیادت کے ملک بھر میں دورہ جات شروع ہوگئے۔ صوبائی، ضلعی، تحصیل اور یونٹ سطح کی تنظیمیں بننا شروع ہوگئیں۔ ذیلی شعبہ جات کی طرف توجہ دی جانے لگی۔

اس کنونشن نے ملتِ شیعہ کو سیاسی، مذہبی کردار کے لئے عوامی رہنمائی دی۔ تحریک نے ملکی اداروں، اپنوں اور غیروں کو بتادیا کہ ہم بھی سیاسی قوت ہیں۔ جسے کسی بھی فورم پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کانفرنس گویا تحریک کی جدوجہد میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی بنیاد پر تحریک نے عملی سیاست کا آغاز کیا جو آج تک جاری ہے تحریک جعفریہ کو بدقسمتی سے توازن پالیسی کے تحت 2001 میں کالعدم قرار دے دیا گیا

علامہ عارف الحسینی کی مشکلات

قیادت کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جن علما نے علامہ عارف حسین الحسینی کو بھکر میں قائدِ ملتِ جعفریہ پاکستان منتخب کیا وہ ساتھ چلنے سے گریز کرنے لگے۔ شاید کوئٹہ جیسے واقعات میں ہونے والے تشدد اور مشکلات کی وجہ تھی کہ کچھ علما پریشان ہونے لگے کہ شاید ہم ریاست سے ٹکرا رہے ہیں۔ اور کچھ کو یہ اعتراض بھی تھا کہ آپ ایران کی لائن کو اختیار کر کے ہمارے لئے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔

پھر علما کے علامہ عارف الحسینی کے ساتھ اختلاف کی ایک وجہ سیاست میں عملی طور پر حصہ بھی تھا۔ کیونکہ ہمارے شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والے سیاستدان پہلے کسی بھی جماعت کے ٹکٹ پر کھڑے ہوتے تھے تو ان کو شیعہ سنی سب کے ووٹ پڑتے تھے۔ لیکن اب ان کے لئے مشکلات پیدا ہونا شروع ہوگئیں۔ ان میں سے کئی مدرسوں کو چندہ، خمس و زکوۃ اور گندم دینے والے تھے۔ ان جاگیرداروں کے مقابلے میں تحریک کا امیدوار کھڑا ہوتا جو انہیں قبول نہ تھا اور علما کے مدارس اور مساجد کے کام رکنے لگے۔

اسی طرح اکثر مقامات پر علما ہی تحریک کے عہدیدار تھے۔ تنظیم میں ان کی اہمیت تو تھی لیکن کسی مسجد میں وہ امام ہیں۔ تو اسی مسجد کی انتظامیہ کے وہ ملازم بھی ہیں۔ جسے وہاں کا کوئی بڑا سرمایہ دار، جاگیر دار یا صنعتکار تنخواہ دیتا ہے۔ جب تحریک نے سیاست میں حصہ لیا تو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے ان علما عہدیداروں سے کہا گیا کہ آپ ہمارے لئے سیاسی مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ اس طرح کی شکایات علما میں بڑھنا شروع ہوگئیں۔ روایتی سیاست کرنے والے اور آزاد یا کسی بھی سیاسی جماعت کے ٹکٹ پر انتخابات میں حصہ لینے والے یہ وڈیرے سرمایہ دار بھی کہتے تھے کہ آپ کو ووٹ کسی نے نہیں دینے، ہم شیعہ بے نقاب ہوجائیں گے۔ چونکہ پاکستان میں ڈیرہ داری اور تھانہ کچہری کی سیاست چلتی ہے۔ جو آپ مولوی نہیں کرسکتے۔ ان کا موقف غلط نہیں تھا۔ جبکہ میرا پختہ یقین تھا اور آج بھی ہے کہ سیاست میں حصہ آج سے 20 سال بعد بھی لیں گے تو الزامات پھر بھی یہی لگیں گے اور نتائج بھی یہی آئیں گے۔ آج بھی اگر کرتے تو بھی صورت یہی ہونی تھی۔ لیکن تحریک آج اگر سیاست میں آتی تو 20 سال بعد اس کے نتائج کچھ اور ہونے تھے۔ اور آج کچھ اور ہیں۔ چونکہ کسی بھی نئے کام کے لوگ مخالف ضرور ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ کچھ کے مالی اور ذاتی مفادات کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ یہی مسئلہ شیعہ علما اور سیاستدانوں کا تھا جو سمجھتے تھے کہ قیادت عزاداری وغیرہ تک محدود رہے گی اور ہمارا کام چلتا رہے گا۔ مگر شہید قائد علامہ عارف الحسینی کی بصیرت بہت آگے کا سوچ رہی تھی۔ ان کا پختہ یقین تھا کہ سیاسی دھارے میں آئے بغیر آپ تشیع کے

مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔ عملی سیاست میں آپ کو حصہ لینا ہوگا۔ قیادت سمجھتی تھی کہ ہمیں اور عقیدے کا تحفظ کرنا ہے۔ کہ ہم کیسے شیعہ حقوق کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ ہمارے عقیدے پر حملے ہو رہے تھے۔ ہم پر دوسری فقہ ٹھونسی جا رہی تھی۔ کسی جاگیر دار نے کسی سیاستدان نے کچھ نہیں کہا۔ ہمیں ہی آگے آنا پڑا تو اپنے حقوق کے لئے ہم نے ہی جنگ لڑنا تھی۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ یہی کچھ جو سامنے آچکا ہے کہ 1988 کے انتخابات کے بعد سے آج تک کوئی بھی سیاسی یا انتخابی اتحاد ہو تحریک جعفریہ/ اسلامی تحریک اس میں شامل رہی ہے۔ اور یہی ہماری بڑی کامیابی ہے کہ ہم قومی دھارے میں شامل ہیں اور ہمیں دیوار سے لگانے اور دوسرے درجے کا شہری بنانے کے ناپاک خواب دیکھنے والے مرکھپ گئے ہیں۔

علامہ عارف الحسینی کا قیادت سے دستبرداری کا اعلان

لاہور میں سیٹھ نوازش علی مرحوم کے گھر علما کے ایک اجلاس میں علامہ عارف الحسینی نے کہا کہ وہ قیادت نہیں کر سکتے، میں اس عہدے سے دستبردار ہوتا ہوں۔ جن علما نے میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا وہ ہمارے ساتھ نہیں چل رہے۔ لیکن مولانا صفدر حسین نجفی اور مولانا گلاب علی شاہ نے صورت حال کو سنبھالا اور یقین دہانی کروائی کہ وہ ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ علما آپ کے ساتھ ہیں۔ قیادت آپ ہی کریں گے۔ پھر قائد شہید نے اس یقین دہانی پر حامی بھر لی اور اپنا استعفیٰ واپس لے لیا۔

سیاست کی طرف پیش قدمی

قائد ملت جعفریہ پاکستان علامہ سید عارف حسین الحسینی کی متحرک قیادت کے تحت ہی میرے جیسے عملی سیاسی کارکن کو تحریک میں موجود کئی معزز ساتھیوں اور دوستوں کے ذریعے سیاسی اقدامات کے لئے قوت اور حوصلہ ملا۔ انتہائی ابتدائی دور میں اس وقت کی ایک بڑی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی کے پلیٹ فارم سے اپنے سیاسی کیریئر کے سابقہ رابطوں کو بروئے کار لا کر قیادت کے حکم سے اور اپنے احباب کے تعاون اور آشیر باد کے علاوہ اپنے ذاتی تعلقات سے ملنے والے حوصلے سے ملکی سیاست کی اہم ترین جماعتوں کی میٹنگز، جلسے اور جلوسوں میں مجھے تحریک کی نمائندگی کا شرف حاصل ہوا تو انہی سیاست مخالف مولوی نما عناصر کی طرف سے مجھے پیپلز پارٹی اور دیگر مختلف پارٹیوں کا ایجنٹ گردانا گیا اور اس مذموم پروپیگنڈہ کو اس حد تک پھیلایا گیا کہ بعض اوقات مجھے اپنی فعالیت میں ضعف محسوس ہونے لگا۔ لیکن قائد شہید کے لگاتار اعتماد اور پھر ان سازشی عناصر کے خود علامہ عارف الحسینی شہید کے خلاف پروپیگنڈہ کی بنا پر ہم خود کو تحریک کے سیاسی سفر سے غیر متعلق یا لاتعلق نہ رکھ سکے اور ہم سب بھرپور طاقت اور توانائی کے تحت عملی سیاسی اقدامات کے ذریعے تحریک کے سیاسی امیج اور کردار کو ملکی سیاست کے مروجہ دقیانوسی و منافقانہ طریق کار سے بچا کر ایک روشن فکر، ترقی پسند اور بااصول صحیح و سچی اسلامی سیاسی جماعت کے طور پر متعارف کروانے میں کامیاب ہو گئے۔

شہادت کا ذمہ دار کون؟

5 اگست 1988ء کو علامہ عارف حسین الحسینی کو نماز فجر کے وقت شہید کر دیا گیا۔ لاہور سے ان کی شہادت پر پہنچنے والا پہلا تنظیمی فرد میں تھا۔ علامہ شہید الحسینی کی شہادت ہمارے لئے ایک عظیم سانحہ تھی۔ ایک ایسا نقصان جس کی تلافی شاید کبھی ممکن نہ ہو سکے لیکن میں معزز قارئین کی توجہ اور غور و فکر کا طالب ہوں کہ آخر علامہ عارف الحسینی کو کیوں شہید کیا گیا اور اس کے پیچھے کیا محرکات اور منصوبہ بندی کارفرما تھی؟ اگر علامہ کی شہادت کو مذہبی تناظر میں دیکھا جائے تو تحریک کی قیادت سے پہلے بھی علامہ عارف الحسینی کا علمی تشخص تھا اور اس حقیقت سے انکار نہیں کہ قیادت کے بعد علمی میدان میں بجا طور پر کئی بزرگ شخصیات قائد ملت جعفریہ سے اگلی صف میں موجود تھیں۔ ان کی شخصیت فرقہ پرستی سے بھی مبرا تھی۔ علامہ بذات خود کسی کے لئے باعث آزار نہ تھے اور پھر ایک انتہائی معتدل، معقول اور بااصول، نرم خو اور صلح جو علمی شخصیت کو اتنی بے دردی سے کیوں شہید کیا گیا؟ یہ ایک واضح اور روز روشن کی طرح عیاں اور کھلی حقیقت ہے کہ ان تمام پہلوؤں کے علاوہ علامہ کی شخصیت کا ایک بھرپور فعال اور متحرک سیاسی رہبر کا کردار بھی تھا۔ جو ملکی اور عالمی سیاسی صورت حال کے حوالے سے اپنے تیز ترین اقدامات کے باعث عالمی سامراج اور اندرون ملک ان کے مفادات کے لئے ایجنٹ کا کردار ادا کرنے والوں کے لئے انتہائی خطرناک تھا اور عالمی سیاست کی کنٹرولنگ اتھارٹی اور ملکوں کے اندر موجود خود اپنے عوام کے حقوق و مفادات کے سوداگر اپنے مستقبل کے لئے ایک مسلسل خطرے کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے اور یوں ہمیں علامہ کی راست قیادت سے محرومی کے عظیم سانحہ کو سہنا پڑا۔

زندگی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر

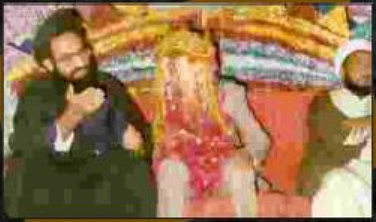

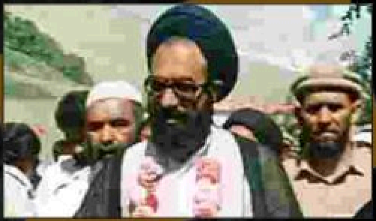
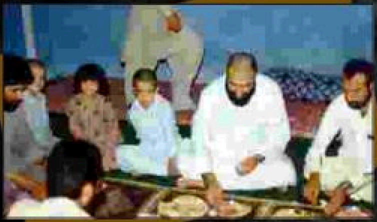

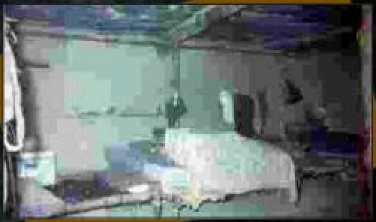

Monthly Afkar-e-Al-ArIf Lhr.(Regd.) CPL# 60

زندگی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر